

حادثہ کربلا کا پس منظر

محقق عصر

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی
مدظلہ کئی دو کتابیں

”شہداء کربلا پر افشرا“
یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں

مرتب

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

اہل سنت کی نظر میں اور تاریخ کی شہادتوں کے آئینہ میں

حادثہ کربلا کا پس منظر

اور

محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ،

کی دو کتابیں

شہداء کربلا پر افتراء اور یزید کی شخصیت

اہل سنت کی نظر میں

مرتبہ

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

استاد جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی

حال صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی



idara
*com

ادارہ اشاعت دینیات (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : حادثہ کربلا کا پس منظر اور مولانا عبدالرشید
نعمانی کی دو کتابیں شہداء کربلا پر افتراء
اور یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں

مرتبہ : ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

باہتمام : محمد انس

کتابت : نظام قیصر رانچوی

سن اشاعت : ۱۴۲۷ھ

مطبع : نائس پرنٹنگ پریس۔ دہلی

ISBN 81-7101-386-4

Published by:

IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.

168/2, Jha House, Hazrat Nizamuddin, New Delhi-13

Tel.: 6926832, 6926833 Fax: 011-6322787, 4352786

Email: sales@idara.com Website: www.idara.com

در معنی حریت اسلامیہ و سرِ حادثہ کربلا

علامہ اقبال

ہر کہ پیاس باہو الموجود بست
 گر دوش از بندہ ہر سبوست
 مومن از عشق است عشق از مومن است
 عشق را ناممکن ناممکن است
 عقل سفاک است و اوسفاک تر
 پاک تر چالاک تر بیسفاک تر
 عقل در پیک اسبابِ علل
 عشق چو گاہ باز میسدانِ عمل
 عشق صید از زور بازو انگند
 عقل را سرمایہ از بیم شک است
 عقل کند تعمیر تا ویران کند
 عقل چون باد است از دامنِ جہاں
 عقل محکم از اساکسِ نچند
 عقل میگوید کہ خود را پیش کن
 عقل باغیر آشنا از کتاب
 عقل گوید شد و شو آباد شو
 عشق را آرام جاں حریت است
 آن شنیدتی کہ ہنگامِ نبرد
 آن امامِ عاشقان پورِ تنول
 اللہ اللہ بای بسم اللہ پد
 بہر آن شہزادہ خیر الملل
 سرخ رو عشق غنیو از خون او
 در میان امت آن کیواں جناب
 موسی و فرعون و شب تیر زید
 عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد
 سرو آزادے ز بتانِ رسول
 معنی ذبح عظیم آمد سپر
 دوش ختمِ المرسلین نعم الجمل
 شوخی این سماع از مضمون او
 ہجو حرفِ قل هو اللہ در کتاب
 ایں دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوتِ شبیری است
 چون خلافتِ شتہ از قرآن گسخت
 خاست آن جسوہ خیر الامم
 بر زمین کربلا بارید و رفت
 تا قیامت قطع استبداد کرد
 بہر حق در خاک و خون غلطید است
 مدعایش سلطنت بودے اگر
 دشمنان چوں یک صحرالاعد
 ستر ابراسیم واسمعیل بود
 عزم او چوں کوساراں استوار
 تیغ بہر عزتِ دین است و بس
 ما سوال اللہ را مسلمان بندہ نیست
 خون او فیراں اسرار کرد
 تیغ کا چوں زمینیاں بیرون کشید
 نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت
 رمزِ قرآن از حسینِ آخوختیم
 شوکتِ شام و فر بغداد رفت
 تار ما از زخمہ اش لہزاں مہنوز
 باطل آخر داغِ حسرت میری است
 حسرتِ راز ہر اندر کامِ رنجیت
 چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم
 لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
 موجِ خونِ او چمنِ احب یاد کرد
 پس بناے لالہ گردید است
 خود نکر دے باچنیں سامانِ سفر
 دوستانِ او بہ نیرِ اں ہم عدد
 یعنی اں اجمالِ راقصیل بود
 پاندارت و سند سیر و کامگار
 مقصدِ او حفظِ آئینِ است و بس
 پیشِ فرعونے سرش نگندہ نیست
 ملتِ خوابید رہاں یاد کرد
 از رُ اربابِ باطلِ خون کشید
 سطرِ عنوانِ نجاتِ نوشت
 زاتش اشعہ اندوختیم
 سطوتِ غرناطہ ہم زیاد رفت
 تازہ از تکبیرِ او ایناں مہنوز

اے صبا اے پیکِ افتادگان
 اشکِ ما بر خاکِ پاکِ اورساں



فہرست کتاب

حرفِ اول (اہل سنت کا مسلک) نمبر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

حرفِ دوم (مقدمہ کتاب) ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

● واقعہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر ●

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

حضرت معاویہؓ (۱۸) یزید کی ولی عہدی کے نقصانات (۲۰) دینی طبقہ کی رائے عامہ (۲۲)

○ خلافت راشدہ کے بعد کی خرابیاں (۲۳) اختلاف کی بنیاد (۲۶) حضرت معاویہؓ کا موقف (۲۷)

○ صحابہ کرام کا روکنا بر بنائے شفقت (۲۸) حکمت الہی کیا تھی (۳۱) اہل عزیمت کے لئے

نمونہ اور نظیر (۳۲) ایک بنیادی مسئلہ اور علامہ ابن تیمیہ (۳۵) ظالم حکمرانوں کے خلاف اقدام کے

بارے میں ابن حزم کا موقف (۳۷) فاسق و فاجر حکمران کے خلاف کارروائی کے بارے میں امام غزالی

کا موقف (۴۰) علامہ ابوبکر جصاص کا موقف (۴۲) امام الحرمین کا موقف (۴۳) حضرت عمرؓ کی

حدیث (۴۴) اعتدال کی راہ (۴۵) علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف حسینؓ و یزید کے بارے میں

(۴۷) انعقاد امامت کا مسئلہ اور اسلام کا اصول حکمرانی (۴۸) زشت روئی سے تری آئینہ ہے

رسواترا (۵۲) معاویہ بن یزید کی شہادت (۵۶) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شہادت (۵۷)

علامہ ابن تیمیہ کی شہادت (۵۷) وضع الید فی الید کی روایت (۵۸) و تو اصوب الحق پر عمل کا

نمونہ (۵۹) وہ اسپرٹ آج بھی باقی ہے (۶۰) آخر میں ایک بات اور (۶۰) ایک

مرض اور اس کے اسباب (۶۱)

● شہداء کربلا پر افتراء ●

از محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

- نواصب کون ہیں (۶۵) نواصب کا خاتمہ (۶۴) برصغیر میں ناصبیت کی تحریک (۶۸)
 ○ مجلس عثمان غنی کا تعارف اور پروگرام (۶۸) خود ساختہ داستان کربلا (۷۱) جھوٹ
 کی تنقیح (۷۸) داستان گو کی حساب دانی (۸۶) دوسرے جھوٹ کی تنقیح (۸۷) تیسرے
 جھوٹ کی تنقیح (۹۶) ظلم کا انجام (۱۰۴) امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا (۱۰۷)
 حضرت ابن زبیر پر افتراء (۱۰۸) یزید کی برأت کے سلسلہ میں داستان سرائی (۱۱۶) وظائف
 مقرر کرنے کا افسانہ (۱۱۷) یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہ (۱۱۸) بنی ہاشم پر افتراء (۱۲۵)
 حضرت حسین کے بارے میں افسانہ تراشی (۱۲۶) حضرت حسین کو مطعون کرنا (۱۲۹) کتاب کا غلط
 حوالہ (۱۳۵) صحابی رسول حضرت سلیمان بن مروہ پر طعن (۱۳۶) داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر (۱۳۹)
 حضرت علی و حسین کی تحقیر تو ہیں (۱۴۱) ایک نئی دریافت (۱۴۲) حضرت حسن کے بارے میں
 داستان سرائی (۱۴۳) حضرت حسین کی تحقیق (۱۴۶) ضروری تنقیح (۱۴۸) شیعہ نخلصین کون ہیں (۱۵۳)
 اہل سنت کا عقیدہ (۱۶۱) نواصب تقیہ سے باز آئیں (۱۶۳) یزید کے کثوت حدیث کی روشنی میں
 ● یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں ●

از محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

- تمہید (۱۶۷) استفتاء کے سوالات (۱۶۹) استفتاء (۱۶۹) استفتاء کا اجمالی جواب (۱۷۵)
 اہل سنت کا شیوہ (۱۷۵) حضور علیہ السلام کے اصحاب ازواج اور ذریت کے بارے میں
 اچھی رائے رکھنے والا اتفاق سے بری ہے (۱۷۵) حضرت فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حضرات
 حسنین جو انان جنت کے (۱۷۶) یزید سے نفرت کرنا ایمان کا مقتضی (۱۷۷) یزید کے برے کثوتوں کی
 تفصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قلم سے (۱۷۷) شاہ ولی اللہ صاحب (۱۷۹) ناصبیوں کے شبہات
 کے تفصیلی جوابات - پہلے شبہ کا تفصیلی جواب (۱۸۰) غزوہ قسطنطنیہ میں یزید کی شرکت (۱۸۰) مستفتی
 اگر دوسری حدیث پر غور کرتے (۱۸۰) کسی عمل خیر پر بشارت کا مطلب (۱۹۲) کسی شخص کا نام لے کر جنتی کہنا

اور بات ہے اور کسی عمل خیر پر مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے (۱۹۳) یزید کا نام لے کر اس کو جنت کی بشارت نہیں دی گئی (۱۹۳) حافظ ابن کثیر کی تصریح (۱۹۴) شیعان امویہ کا مذہب (۱۹۴) یزید کا مجاہدین روم کا مذاق اڑانا (۱۹۵) حضرت معاویہ کا بالجبر اس کو جہاد پر روانہ کرنا (۱۹۶) زمام خلافت سنبھالتے ہی (۱۹۶) "سیدنا یزید" کے مؤلف کی شرمناک حاشیہ آرائی (۱۹۶) بالفرض یزید جہاد قسطنطنیہ میں دل سے شریک ہوا تو (۱۹۸) شاہ ولی اللہ صاحب کی تصریح (۱۹۹) ایسے کام کئے جو لعنت کے موجب تھے حدیث میں جن چھ افراد کو لعنتی بتایا گیا ہے (۱۹۹) منظام کی تفصیل امام ابن حزم کی زبانی (۲۰۰) خلاصہ بحث (۲۰۰) یزید جیسے فاسق کی سرگردگی میں بھی جہاد ہو سکتا ہے (۲۰۱) "مدینہ قیصر سے حدیث میں قسطنطنیہ نہیں بلکہ "حمص" مراد ہے (۲۰۱) "صحیح بخاری میں یزید کی مذمت میں حدیثیں (۲۰۱) پہلی حدیث (۲۰۱) حضرت ابو ہریرہ کا دور یزید سے پناہ مانگنا (۲۰۳) یزید کی مذمت میں "صحیح بخاری" کی دوسری حدیث (۲۰۵) امت کی تباہی قریش کے چند بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں (۲۰۶) لونڈوں کی حکومت کی کیفیت (۲۰۶) شمر کا اطاعت یزید کے سلسلہ میں عذریہ (۲۰۷) امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں پر یزید سرفہرست ہے (۲۰۹) آنحضرت کی ہدایت (۲۰۱۰) صحابہ و تابعین کا اس ہدایت پر عمل (۲۱۰) مروان کا لعنت کرنا (۲۱۲) یزید کے دور میں صحابہ و تابعین پر منظام (۲۱۳) تیسری روایت (۲۱۴) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کا مروان کو برسرِ مہر ٹوکنا (۲۱۵) حضرت عائشہ کا مروان کو جھوٹا کہنا (۲۱۶) مروان کی حضرت عائشہ سے سخت کلامی (۲۱۶) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کا حضرت معاویہ کو رقم واپس کر دینا (۲۱۸) یزید کا گورنر مدینہ کو اس لئے معزول کر دینا کہ اس نے حضرت حسیٰؓ و حضرت ابن زبیر پر سختی کیوں نہیں کی (۲۱۹) مروان کا گورنر مدینہ کو مشورہ دینا کہ حضرت حسیٰؓ و ابن زبیر و ابن عمر اگر بیعت نہ کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے (۲۲۰) حضرت ابو شریح کا گورنر مدینہ کو حرم الہی پر فوج کشی سے منع کرنا (۲۲۰) چوتھی حدیث (۲۲۰) یزیدی گورنر کا حضرت ابو شریح کے سامنے اپنی علمیت بگھارنا (۲۲۳) اس گورنر کے بارے میں امام ابن حزم کا فیصلہ (۲۲۳) حضرت ابن زبیر کے خلاف گورنر مدینہ عمر و اشوق کی ہرزہ سرائی (۲۲۳) حضرت ابن زبیر کے فضائل (۲۲۶) یزیدی گورنر عمر و اشوق کی مذمت حدیث میں (۲۳۱) کربلا کے دن (۲۳۲) پانچویں حدیث (۲۳۲) قرابت رسول اللہ کا پاس و لحاظ (۲۳۲) ابن زیاد بد نہاد کی حضرت حسیٰؓ کے سہرا قدس کے ساتھ گستاخی (۲۳۸) یزید کی شقاوت (۲۳۸) ابن زیاد بد نہاد کا صحابہؓ کے ساتھ گستاخانہ طرزِ عمل (۲۳۹) حضرت

معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا (۲۳۹) ابن زیاد کی حضرت عبداللہ بن مغفل کے ساتھ گستاخی (۲۴۲) ابن زیاد کی حضرت عائد بن عمر کے ساتھ بدتمیزی (۲۴۳) ابن زیاد کا حضرت ابوہریرہ کا مذاق اڑانا (۲۴۴) ابن زیاد بد نہاد تھا (۲۴۴) یزید کی مدینہ نبوی میں فوج کشی (۲۴۹) واقعہ حرہ کے بارے میں آنحضرتؐ کی پیشین گوئی چھٹی حدیث (۲۴۹) حرہ کے مظالم کی تفصیل (۲۵۱) حرم مکہ کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری (۲۵۵) یزید کا انجام بد (۲۵۵) خود فیصلہ کیجئے (۲۵۷) امام سیوطی اور علامہ تقی زانی کا یزید پر لعنت کرنا (۲۵۸) ناصبیوں کا یہ عقیدہ کہ خلفاء حساب و عذاب سے بری ہیں (۲۵۹) دوسرا شبہ اور اس کا جواب۔ صحابہ یزید کے درباری نہ تھے (۲۶۲) یہ رافضیوں کی طرح کا شبہ ہے (۲۶۵) کیا یزید کے ظلم و ستم میں کبھی کوئی صحابی شریک ہوا ہے (۲۶۷) تیسرا شبہ۔ یزید کی برائت کے بارے میں محمد بن حنیفہ کی روایت (۲۷۲) مفتی کا غلط حوالہ (۲۷۲) جاہل کردوں کا عقیدہ (۲۷۳) خلافت نبوت جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے تیس برس (۲۷۳) ائمہ مسلمین میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ یزید عادل تھا (۲۷۳) حافظ ابن کثیر کی تصریحات (۲۷۳) محمد بن حنیفہ کی طرف منسوب (۲۷۵) فن رجال کا متفقہ فیصلہ (۲۷۹) چوتھا شبہہ۔ کیا حضرت ابن عباس نے یزید کو اپنے خاندان کا نیک فرد بتلایا تھا؟ (۲۷۸) غانی کی روایت (۲۷۸) الامامہ والسیاسہ (۲۷۹) ”بلاذری“ کی سند (۲۸۰) حضرت ابن عباس کی آخری رائے (۲۸۰) یزید اور حضرت ابن عباس کی خط و کتابت (۲۸۱) یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام (۲۸۱) حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ (۲۸۳) پانچواں شبہہ اور اس کا جواب۔ قاضی ابن العربی کی رائے (۲۸۸) قاضی ابن العربی کا فتویٰ کہ حسین کا قتل جائز تھا (۲۸۹) قاضی ابوبکر ابن العربی نا صبی ہیں (۲۹۰) کتاب الزہد میں جس یزید کا ذکر ہے (۲۹۱) امام ابن جریر کو رافضی بتانا محض جھوٹ ہے (۲۹۲) مطبوعہ ”کتاب الزہد“ اصل نہیں (۲۹۳) یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح (۲۹۳) حافظ ابن حجر کی ”لسان المیزان“ سے یزید کا مکمل ترجمہ (۲۹۴) امام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے (۳۰۲) قاضی ابوبکر ابن العربی کی ہجو (۳۰۵) چھٹا شبہہ اور اس کا جواب۔ یزید کے جرائم کی فہرست (۳۰۸) غزالی کے فتویٰ کی تیقح (۳۰۸) حضرت حسینؑ کا میدانِ کربلا میں آخری خطبہ (۳۱۱) امام کیا ہر اسی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے (۳۱۳) غزالی کے فتویٰ کا تفصیلی رد لکھا ہے (۳۱۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق (۳۱۵)

شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحقیق (۳۱۹) اظہارِ ندامت (۳۲۱) یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا فیصلہ (۳۲۲) بعض علماء یزید پر لعنت اس لئے نہیں کرنے کہ کہیں اس کے گناہوں کا بوجھ کم نہ ہو جائے (۳۲۳) یزید پر لعن کے بارے میں امام احمد کی تصریح (۳۲۴) یزید پر لعنت کے بارے میں امام اعظم اور دوسرے ائمہ حنفیہ کی تصریحات (۳۲۵) امام ابو بکر حبصا ص کا فتویٰ (۳۲۶) ائمہ بخارا کا فتویٰ (۳۲۷) امام کردوری کا فتویٰ (۳۲۸) "خلاصۃ الفتاویٰ" اور "برازیہ" (۳۲۹) لعن کے بارے میں کتاب العالم والمتعلم کی عبارت (۳۳۰) مسلمان پر لعنت کرنے کا مطلب (۳۳۱) ساتویں اور آٹھویں شبہہ ان شبہوں کا منشا کیا ہے (۳۳۲) نواں شبہہ حضرت زین العابدین کی یزید سے بیعت (۳۳۳) اس شبہہ کا جواب "طبقات ابن سعد" اور بلا وری کا غلط حوالہ (۳۳۴) حضرت زین العابدین کے ساتھ بدتمیزی (۳۳۵) اہل شام کا حضرت زین العابدین کو ستانا (۳۳۶) اہل بیت کی حق تلفی (۳۳۷) دسواں شبہہ سادات کی رشتہ داریاں امویوں سے (۳۳۸) اس شبہہ کا جواب واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ اور یزید کی اولاد میں کوئی رشتہ مناکحت قائم نہیں ہوا (۳۳۹) یزید کے زوال سے عبرت پکڑنا (۳۴۰) گیارہواں شبہہ - اس شبہہ کا جواب - سائل کی لغوی بیانی و دروغ گوئی (۳۴۱) حضرت فاروق اعظم کی شہادت میں کسی کو فی کا ہاتھ نہ تھا (۳۴۲) بقیہ غلط باتوں کی تفصیل (۳۴۳) حضرت حسین کا اقدام (۳۴۴) جن حضرات نے یزید و حجاج کے خلاف اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا (۳۴۵) یزید اور اس کے عمال نے حضرت حسین کو چین سے بیٹھنے نہ دیا (۳۴۶) برہنہ شہادت (۳۴۷) کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے (۳۴۸) کوفہ کی گورنری پر ابن زیاد کا تقرر (۳۴۹) عمر بن سعد کا حشر (۳۵۰) ابن زیاد کے سر کا عبرتناک انجام (۳۵۱) یزید کا دنیا سے ناکام و نامراد جانا (۳۵۲) یزید کی نسل کا منقطع ہو جانا (۳۵۳) یہ صحیح نہیں یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے (۳۵۴) اس روایت پر روایت کے اعتبار سے یہ فیصلی بحث (۳۵۵) حضرت حسین کا شمار کیا صحابہ میں ہے (۳۵۶) حضرت علی اور حضرت حسین اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے (۳۵۷) حضرت حسین اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے تو پھر بیعت کیوں نہ کی؟ (۳۵۸) عقبہ بن سمان کی روایت بھی موجود ہے (۳۵۹) خضریٰ کی تحقیق اس باب میں - بارہواں شبہہ - حضرت حسین کی اجتہادی غلطی (۳۶۰) اس شبہہ کا جواب - شبہہ

کرنے کا کیا جواز تھا (۳۵۸) سبائی کون تھے (۳۵۸) صحابی کی بھاری اکثریت حضرت حسینؑ کے موقف کی حامی تھی (۳۶۱) صحابی رسولؐ کا معرکہ کربلا میں شہید ہونا (۳۶۲) احادیث کی رو سے حضرت حسینؑ کے موقف کی صحت (۳۶۳) اہل بیت سے جنگ کرنا باجماع امت مذموم (۳۶۵) یزید کے بارے میں خود اس کے بیٹے کی شہادت (۳۶۶) ابن زیاد کی شہادت (۳۶۷) یزید کا فسق (۳۶۸) شہادت حسینؑ پر حضور علیہ السلام کا قلق (۳۶۹) ابن تیمیہ کا بیان (۳۷۳) حضرت حسینؑ سے حضور علیہ السلام کا محبت فرمانا اور خلفائے ثلاثہ کا ان کا اکرام کرنا (۳۷۴) مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف فتویٰ کا انتساب (۳۷۵) مفتی صاحب کے اکابر کی تصریحات (۳۷۶) حضرت مجدد الف ثانی کی تصریحات (۳۷۷) بحر العلوم کی تصریح (۳۷۸) سید احمد شہید کی تصریح (۳۷۸) مولانا تھانوی کا فتویٰ (۳۷۹) غیر مقلد مفتیوں کے فتویٰ کی تنقیح (۳۷۹) نواب صدیق حسن خاں کا فیصلہ (۳۸۰) علامہ مقبلی کی رائے (۳۸۳) یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث (۳۸۶) یزید کا جزیرہ روس اور جزیرہ ارداس سے مجاہدین کو واپس بلوانا (۳۸۷) ”مدینہ قیصر“ (۳۸۸) حدیث مدینہ قیصر کا مصداق سلطان محمد فاتح (۳۸۸) قسطنطنیہ کی پہلی مہم (۳۸۹) یزید کا عقیدہ اور عمل (۳۹۳) حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ (۳۹۵) اہل سنت کے لئے لمحہ فکریہ (۳۹۸)

قافلہ مجازیں ایک حسینؑ بھی نہیں
گر یہ ہے تابدار بھی گیسوئے دیلا و ذلت

عقل و دل نگاہ کام شدادیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بت کہہ تصورات

صدق خلیلؑ بھی ہے عشق صبر حسینؑ بھی ہے عشق
مع کہ وجود میں بدر و حنینؑ بھی ہے عشق
(اقبال)

اہل سنت کا مسلک

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی کی یہ شائع شدہ تحریر
اس موضوع پر حرف اول بھی ہے اور حرف آخر بھی

ائمہ اہل سنت اور اس گروہ کے تمام محقق و معتبر علماء اور نمائندوں کا اس پر اتفاق
ہے کہ خلافت راشدہ امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہو گئی۔ حضرت معاویہ اور
ان کے جانشینوں کی حکومت احادیث صحیحہ کے مطابق (جن میں خلافت راشدہ کے بارے میں
تیس سال کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے) خلافت راشدہ نہیں تھی، یہی حکیم الاسلام حضرت
شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور آخر میں امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی کا
مسلک اور تحقیق ہے۔^۱

اسی طرح گروہ اہلسنت یزید بن حضرت معاویہؓ کو اس دور خیر و برکت میں جماعت صحابہ اور
صالحین امت پر حکومت کرنے کا مستحق نہیں سمجھتا اور ان کو (معتبر تاریخ و سیر کی روشنی میں)
اس دینداری اور صلاح و تقویٰ کے معیار پر پورا اترتا ہوا نہیں پاتا جو ایک مسلمان حاکم اور
فرماں روا کے لئے (کم سے کم) اس عہد میں ضروری تھا۔ بلکہ ان کو بہت سے ایسے مشاغل و
عادات کا مرکب و عادی جانتا ہے جو شرعی حیثیت سے قابل تنقید و مذمت ہیں، پھر
انہیں کے عہد میں واقعہ حرہ جیسا سنگین اور قابل شرم واقعہ پیش آیا جس کی کوئی تاویل ممکن
نہیں، یہی رائے امام احمد بن حنبلؒ اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی ہے۔ دونوں نے سخت الفاظ
میں یزید کی مذمت کی ہے، لیکن وہ لعن و طعن، سب و شتم اور تبرائے محرز اور مجتنب اور

۱۔ ملاحظہ ہو اذالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء ص ۱۴۶

۲۔ ”خلفائے راشدین“ از مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی، ص ۲۱ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ۱۴۱۱ھ
۱۹۹۱ء

۳۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۳ طبع اول ۱۳۸۱ھ الریاض ۴۴ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۷

رفض و شیع سے بیزار اور اس کے منکر و مخالف تھے۔

اس کے نتیجے میں اور اس کے پس منظر میں محققین اہل سنت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو درست سمجھتے ہیں، جو انھوں نے یزید کے معاملہ اور مقابلہ میں اختیار کیا اور ان کو برسرِ صواب، شہیدِ راہِ حق اور امت کے لئے ایک نمونہ پیش کرنے والا بنا دیا کرتے ہیں۔

اگر ایک جمعی جہائی حکومت کے خلاف جس کا حاکم و فرماں روا مسلمان ہو، لیکن اس کی سیرت غیر اسلامی، اس کے اخلاق و عادات قابلِ تنقید ہوں اور اس سے مسلمانوں کے اخلاق اور اسلامی معاشرے پر بڑے اثرات کے پڑنے کا اندیشہ ہو، کسی قسم کا اقدام، خروج و بغاوت اور انتشار انگیزی کے مرادف قرار دیا جائے تو پھر خاندانِ سادات ہی کے ان تین صاحبِ عزیمت افراد زید شہید، محمد ذی النفس الزکیہ، اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ المحض کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی، جن میں سے اول الذکر نے اموی خلیفہ ہشام ابن عبد الملک ابن مروان اور دو آخر الذکر حضرات نے خلیفہ منصور عباسی کے مقابلہ میں علمِ جہاد بلند کیا جو بہر حال یزید سے غنیمت اور کہیں بہتر تھے۔ اور دو عظیم الشان فقہار اور مذاہبِ فقہیہ اہل سنت کے جلیل القدر بانی امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے ان کی کھل کر تائید و حمایت فرمائی، حضرت زید بن علی بن حسین نے جب ہشام ابن عبد الملک کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے دس ہزار درہم ان کی خدمت میں بھیجے اور حاضری سے معذرت کی یہ

۱۔ ملاحظہ ہو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی معرکتہ الآراء کتاب "منہاج السنۃ"

۲۔ ملاحظہ ہو مناقب ابی حنیفہؒ ج ۱ ص ۵۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی"۔
۳۔ مولانا سید مناظر حسن گیلانی۔

مقدمہ کتاب اسلامی تاریخ پر شب خون

یزید بن معاویہ ایسا باطل نہ تھا جس کے خلاف مقاومت ضروری تھی یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش جو پاکستان میں محمود عباسی صاحب کی کتاب سے شروع ہوئی تھی، اب ہندوستان میں ایک مخصوص حلقے میں کی جا رہی ہے۔ چنانچہ لکھنؤ سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں حضرت امام حسینؑ کے اقدام کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ اور یزید کی طرف سے بیان صفائی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک خطرناک اقدام ہے کیونکہ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعلق اور محبت کا رشتہ یقینی طور پر کمزور ہوتا ہے۔ مزید برآں فاسق اور برسر باطل اقتدار کے خلاف مزاحمت اور مقاومت کی تمام کوششوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ صدرِ اَوَّل میں حضرت امام حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی کوششیں بعد کی ضدیوں کے لئے نمونے اور معیار کا کام کرتی رہی ہیں اور آئندہ بھی کام کرتی رہیں گی۔

واقعہ کربلا کی اہمیت کو کم کرنے اور اس کی واقعی اہمیت کو گھٹا کر دکھانے اور یزید کے کردار کو بلند و بالا ثابت کرنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے افرادِ خاندان کی کامیاب تربیت نہیں کی ورنہ وہ اپنے ذاتی اقتدار کے حریص بن کر اقتدار و وقت سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرتے۔ پیغمبرِ برحق جن کو اللہ نے مامور فرمایا تھا کہ بنی نوع انسان کے لئے ہدایت کا سامان ہم پہنچائیں اور دعوت کا سلسلہ خود اپنے قریب کے اعضاء و اقربا سے شروع کریں۔ وانذر عشیرتک الا قریب (اور ڈرائیے اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو) انھوں نے خود اپنے گھرانے کو فراموش کر دیا۔ اور ان کی دعوت اور ان کی تربیت کا اور رات دن کی صحبت کا

ان کے گھروالوں پر کوئی اثر نہ پڑا اور وہ سب حب جاہ کے شکار ہو گئے۔ ایک سچے اور اچھے مسلمان خاندان کی یہ خصوصیت ہر جگہ دیکھی جاسکتی ہے کہ اس کے تمام افراد عقیدہ و عمل کے لحاظ سے ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ آدمی جس ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے اور جو باتیں بچپن میں اس کے کانوں میں پڑتی ہیں جو نمونے اپنے خاندان میں دیکھتا ہے اسی کے مطابق وہ قدرتی طور پر ڈھل جاتا ہے۔ عصبیت میں بھی اور محبت میں بھی اس کے دل و دماغ پر اسی نمونے کی چھاپ ہوتی ہے۔ بہت ہی شاذ و نادر لاکھوں کروڑوں میں دو چار ایسے ہوتے ہیں جو اس اصول سے مستثنیٰ ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تعلق اپنے نواسوں یعنی حضرات حسنینؑ سے تھا اور جس طرح کی شفقت کے واقعات صحیح احادیث میں موجود ہیں اور حضرات حسنینؑ کے والدین حضرت فاطمہ زہراؑ اور سیدنا علیؑ کرم اللہ وجہہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو گہرا تعلق تھا اس کے مطابق اور قرین عقل و قیاس اور موافق کتب تاریخ و احادیث و رجال یہ بات ہوگی کہ اہل بیت لوگوں کے لئے ایک نمونہ اور چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہوں۔ اب ان احادیث کا انکار جن سے ان اہل بیت سے آپ کی گہری محبت کا اظہار ہوتا ہو درحقیقت نادانی اور صحاح و سنن کے تمام مجموعے کو شکوک اور ناقابل اعتبار ٹھہرانا ہے۔ ان عظیم حضرات کے مقابلے میں ایک ایسے شخص کو میدان میں لانا اور اسے ہیر و بنانا جس کے سیاہ کا زناموں پر امت کے تمام اکابر متفق ہوں بڑی جسارت کی بات ہے۔

یزید کی کردار سازی اور اسے حاکم برحق قرار دینا درحقیقت ملت اسلامیہ کے دلوں سے اسلام کی اور اہل بیت کی محبت و عظمت کو زکا لے کر کوشش کرنا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ یزید کی ولیعہدی کے وقت سے اسلام کی تاریخ میں غیر شرعی موروثی نظام حکومت کا سلسلہ شروع ہوا اور اتنا دراز ہوا کہ ترکی کی خلافت کے خاتمے کے وقت ہی وہ ختم ہو سکا۔ یہ کون نہیں جانتا کہ واقعہ حرہ میں مدینہ میں انصار و مہاجرین پر جو قیامت ٹوٹی اس کا ذمہ دار بھی یزید تھا۔ جس نے تین روز تک شام کے لشکریوں کو یہ آزادی دے دی کہ جس کو چاہیں قتل کریں اور جس گھر کو چاہیں لوٹ لیں اور جس کی ناموس و عزت چاہیں تاراج کریں۔ کون

نہیں جانتا کہ یزید ہی کے حکم سے مسجد نبوی کی حرمت پامال کی گئی۔ وہ یقیناً پاک جہاں جبرئیل امین اترتے تھے اور جس کے ایک حصے کو جنت کی کیاریاں یعنی "ریاض الجنۃ" کہا گیا ہے۔ وہاں گھوڑے باندھے گئے۔ اب جو شخص بھی ان اعمال سے راضی ہو، اس کی تاویل کرے اور ان اعمال کے ذمہ دار یزید کا وکیل بن کر کھڑا ہو، اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی کیا عزت و وقعت باقی رہ سکتی ہے۔

جو لوگ یزید کے اعمال کی تاویل کرتے ہیں اور اس کی طرف سے دفاع کرتے ہیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ان صحابہ کرام کے قتل سے بھی راضی ہیں جو کعبۃ اللہ میں پناہ لئے ہوئے تھے اور یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر جلیل القدر صحابی ہیں اور مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والے پہلے صحابی ہیں اور جن کو سب سے پہلی غذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دست مبارک سے ملی۔ حضورؐ نے اپنے دندان مبارک سے کھجور چبا کر ان کے منہ میں رکھا تھا گویا اس عالم وجود میں آنے کے بعد حضورؐ کا لعاب دہن تھا جو آپ کی غذا بنا۔ حضرت حسینؑ کے بعد وہ یزید کی مخالفت میں صفت آرا ہوئے اب کوئی شخص ان کے عمل کو غلط کہے اور ان کو غلط کار ثابت کرنے کی کوشش کرے اور جابر حکومت کے فوجیوں کو برسرِ حق سمجھے اور یزید کی کردار سازی کرے تو یہ تاریخ اسلام پر شب خون مارنا ہے۔ کوئلے کو کافور اور کافور کو کوئلہ ثابت کرنے کی کوشش مسلمانوں کے شجرہ نسب و محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ دے گی اور اس سے یہ بات ثابت ہوگی کہ حضورؐ کی نہ تو نگاہ میں کوئی تاثیر تھی نہ آپ کے اسوہ میں نہ عمل میں نہ تربیت میں۔ وہ اپنے افرادِ خاندان اور قریب ترین صحابہ کی تربیت نہ کر سکے۔ مدینے کے لوگ جو یزید کی مخالفت پر کمر بستہ ہوئے تھے یہ وہ انصارِ مدینہ تھے جنہوں نے بدر کے موقع پر کہا تھا ہم آپ کے دائیں سے لڑیں گے اور آپ کے بائیں سے لڑیں گے آپ کے لئے سمندر میں کود جائیں گے۔ کیا وہ اس لائق تھے کہ ان کے گھروں میں گھس کر ان کو قتل کر دیا جائے کیا اس واقعہ کے بعد بھی یزید کی کردار سازی کی کوئی گنجائش باقی رہ سکتی ہے۔

بدنام زمانہ سلمان رشدی نے کھلے بندوں وار کیا تھا۔ اور کھل کر دشمن کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے آیا تھا اور تمام مسلمانوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا اور دشمنانِ دین نے

اس کی پشت پناہی کی اور آج بھی کر رہے ہیں۔ لیکن محمود عباسی اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے اس سے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ یہ اپنے زہر کو نام نہاد تحقیق کے کیپسول میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو صحیح عقل اور سمجھ عطا فرمائے۔

”نئے مطالعہ کی روشنی میں“ واقعہ کربلا کو دیکھنے کا مطلب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہ تو کوئی نیا وثیقہ برآمد ہوا ہے اور نہ کوئی نئی تاریخی دستاویز اور نہ لندن کے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس سے مصنف کتاب کو نیا مخطوطہ مل سکا ہے۔ تاریخ کے مصادر و مراجع وہی ہیں جن کی روشنی میں سینکڑوں برس سے امت کے اعیان علماء و صلحا ایک نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ دوسرا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش ایک طرح کا فکری شذوذ ہے جس سے مسلمانوں کو بچنے اور بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پیش نظر کتاب ایسی ہی ایک کوشش ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ ایک علمی اور دینی پیش کش۔ ایک ابتدائی مقالہ کے سوا جسے ہندوستان کے علمی افق پر چھڑی گئی بحث کے پس منظر میں لکھا گیا ہے پوری کتاب محدث جلیل مولانا محمد عبدالرشید لغمانی کے قلم سے ہے۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب لغمانی مدظلہ، مصنف لغات القرآن ایک عالم جلیل اور محدث کبیر ہیں۔ آپ نے سن ابن ماجہ کی شرح لکھی ہے جو ہندوستان کے علاوہ عرب ممالک میں بھی اہل علم کے نزدیک اہمیت سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی احادیث نبویہ پر آپ کے قلم سے نکلی ہوئی تحقیقات کا علمی وزن ہے۔ امام حسن بن زیاد کی کتاب الآثار کی تحقیق آپ کا زبردست علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے اس کے علاوہ امام حاکم نیشاپوری صاحب المستدرک علی الصحیحین کے مشہور رسالے المدخل فی اصول الحدیث پر آپ کا گراں بہا علمی و تحقیقی تبصرہ الرحیم اکیڈمی کراچی سے شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب لغمانی مدظلہ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ آپ نے ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حمید حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا ہے اور فقہ حنفی میں آپ کو اس درجہ رسوخ حاصل ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت کو اپنے نام نامی کا جزو و لغمانی بنا لیا ہے۔ اکابر دیوبند سے آپ کو گہرا تعلق ہے۔ دیوبند کے صد سالہ تقریب کے موقع پر الفرقان میں آپ کا مقالہ شائع ہوا تھا جس میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کو دین حنیف ابراہیمی اور مسلک حنفی کا قلعہ بتایا تھا۔ کئی مرتبہ

مہمان استاد کی حیثیت سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درس حدیث دیا ہے پاکستان میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے مدرسہ میں عرصہ دراز تک احادیث کی کتابیں پڑھاتے رہے ہیں۔

جب پاکستان میں محمود عباسی کا فتنہ اٹھا تو اس کو دبانے میں علمائے ہند و پاکستان نے بیش از بیش خدمات پیش کیں۔ ان بزرگوں میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد اولیس صاحب ندوی شیخ التفسیر ندوۃ العلماء اور مشہور دینی محقق مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے ہندوستان سے حصہ لیا۔ پاکستان میں حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانی کی کتابیں مکتبہ اہل سنت کراچی نے شائع کیں اور ان کتابوں کی وجہ سے عباسی فتنہ چند نیم خواندہ افراد تک سمٹ کر رہ گیا۔ اب وہاں کوئی عالم دین اس فتنہ میں شریک نہیں ہے۔ ہندوستان میں چونکہ یہ فتنہ نیا نیا شروع ہوا ہے اور بھیس بدل کر نئے انداز میں ابھار جا رہا ہے اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ مجلس علمی کی طرف سے اس موضوع پر حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی کی تحریریں شائع کی جائیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب کو غلط افکار و نظریات کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور جن لوگوں نے غلط نظریات کو قبول کر لیا ہے ان کو ان نظریات سے رجوع کرنے کی توفیق بخشے۔

محسن عثمانی ندوی

حادثہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر

گزشتہ چالیس برس کے عرصہ میں اس برصغیر میں متعدد ایسی کتابیں شائع کی جاتی ہیں جن کا مقصد کبھی صاف طور پر اور کبھی اشارتاً یہ ثابت کرنا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام دینی نقطہ نظر سے بھی غلط تھا اور عقل و احتیاط کے بھی خلاف تھا اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی دہرائی جاتی رہی ہے کہ یزید کے اندر کوئی برائی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی ضروری تھی۔ سب سے پہلے تو یہ بات جان لینے کی ہے کہ واقعہ کربلا حضرت حسینؑ اور یزید کی آوینرش کے سلسلے میں گزشتہ ایک ہزار برس کے عرصے میں اہل دین و صلحاء ایک موقف رکھتے ہیں یہاں تک کہ مسائل فقہ میں جن چار اماموں کی امت اسلامیہ پیروی کرتی ہے ان کا موقف بھی ایک ہے اور ان کے سیاسی بیانات سے ان کے رجحان و میلانات کا پتہ چلانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ واقعہ کربلا کے سلسلے میں کوئی دوسرا موقف اختیار کرنے کا مطلب بہ الفاظ دیگر اپنے آپ کو ائمہ فقہ سے بڑھ کر فقیہ اور دین میں فہم و بصیرت کا حامل ہونے کا دعویٰ کرنا ہے۔ علماء دین اور ائمہ عظام تسلسل اور تواتر کے ساتھ اس مسئلہ کو جس نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں وہ یہ ہے:

حضرت معاویہؓ

خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ خود حضرت معاویہؓ کی تخت نشینی امت کے اعیان سے مشورت اور استمراج کے ذریعہ نہیں ہوئی تھی بلکہ انھوں نے

اقتدار حاصل کر لیا تھا اور لوگوں نے بس ان کی اطاعت کر لی تھی۔ چنانچہ حضرت معاویہ کی بیعت کے بعد مشہور صحابی اور فاتح عراق حضرت سعد بن وقاص ان سے ملے تو انھوں نے السلام علیک یا ایہا الملک کہہ کر خطاب کیا یعنی اے بادشاہ آپ کو سلام۔ حضرت معاویہ کو امیر المومنین کے بجائے ملک کہہ کر خطاب کرنا ناگوار ہوا۔ لیکن ان کو خود بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ وہ مسلمانوں میں پہلے بادشاہ ہیں۔ بلاشبہ حضرت معاویہ کا زمانہ فتوحات کے اعتبار سے اور اسلام کی وسعت و اشاعت کے اعتبار سے اور امن و امان کے اعتبار سے بہت خیر و برکت کا زمانہ ہے وہ صحابی رسولؐ اور کاتبِ وحی تھے اور زبردست انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اگر فوراً خلافت راشدہ کے بعد ان کا عہد نہ شروع ہوا ہوتا تو لوگ ان کی عظمتوں کے قصیدے پڑھتے اور سیاست و حکومت کے لئے ان کو نمونہ اور معیار سمجھتے لیکن سیاست و حکومت کا یہ چاند گہن میں اس لئے پڑ گیا کہ خلافت راشدہ کے دورِ زریں کے بعد فوراً وہ سریرِ آرائے سلطنت ہوئے۔

اگر یزید کی ولی عہدی کا واقعہ پیش نہ آتا جس کے عہد میں حضرت حسینؑ شہید کئے گئے اور ایک دو باتیں اور ہوتیں تو ان کی حکومت کا زمانہ قابلِ مثال زمانہ قرار پاتا۔ وہ بڑے خدا ترس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاشقانہ محبت رکھنے والے انسان تھے انھوں نے اپنی وصیت میں اہلِ خاندان سے کہا تھا کہ خدا کا خوف کرتے رہنا کہ خوف کرنے والوں کو خدا مصائب سے بچاتا ہے جو خدا سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں پھر اپنے ذاتی مال میں سے آدھا مال انھوں نے بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ تجہیز و تکفین کے متعلق یہ وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک کرتا مرحمت فرمایا تھا اس کو میں نے اسی دن کے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔ آپ کے موئے مبارک اور ناخن شیشہ میں محفوظ ہیں اس کرتے میں مجھے کفتانا اور ناخن اور موئے مبارک کو آنکھ اور منہ میں رکھ دینا شاید خدا اس کے طفیل میں اور اس کی برکت سے مغفرت فرمادے۔

یزید کی ولی عہدی کے نقصانات

حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کر دیا اس وقت صحابہ کرام کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ یہ صحابہ کرام کی اولاد و احفاد کا عہد تھا جن لوگوں نے حضورؐ کی حدیث سن رکھی تھی کہ میری سنت اور میرے راشد خلفاء کی سنت کو دانتوں سے پکڑ کر رکھو، انھیں سیاست و حکومت کی سطح پر خلفائے راشدین کے زمانے سے یہ انحراف گوارا نہیں ہوا۔ جو روایت قائم ہوئی تھی اور جس روایت کو اختیار کرنے کا حکم حدیث میں موجود تھا اس اعتبار سے اہل تقویٰ اور اہل علم حکومت کو کسی شخص اور خاندان کی جائیداد نہیں سمجھتے تھے کہ باپ کے بعد بیٹا اس کا وارث ہو جائے۔ حکومت تو شہر اور ملک کا انتظام کرنے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔ یہ ایک اجتماعی کام ہے اور لائق ترین شخص کو یہ خدمت سپرد کی جانی چاہئے۔ اسلام کے اجتماعی نظام میں ملوکیت کے در آنے کے واقعہ کو ممکن نہ تھا کہ اہل دین کا ضمیر برداشت کرتا۔ اسلام کے نظام میں جو رخنہ پڑ گیا تھا اسے پر کرنے اور جو بگاڑ پیدا ہو گیا تھا اس کی اصلاح کے لئے سب سے پہلی کوشش حضرت امام حسینؑ کی تھی۔ یہ کوشش ظاہری اور مادی اعتبار سے کامیاب ہوئی ہو یا نہ ہو یہ واقعہ ہے کہ ہر دور اور ہر عہد میں اہل دین اور اہل ہزیمت کو بگاڑ کے خلاف مقابلے اور مقاومت پر آمادہ کرتی رہی ہے وہ ایک غلطی جو یزید کی ولی عہدی کی شکل میں کی گئی تھی اس کا نتیجہ سینکڑوں سال تک مسلمانوں کو بھگتنا پڑا اور اسلام کی تاریخ میں ملوکیت کا یہ نظام ایسا مستحکم ہوا کہ موجودہ صدی میں مصطفیٰ کمال کے الغائے خلافت تک بمشکل کوئی تزلزل ہو سکا۔ یہ تزلزل ہوا تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے عہد خلافت میں۔ ان کو یہ احساس تھا کہ یہ نظام جس کے ذریعہ بنو امیہ کے دور سے لوگ مسند اقتدار پر بیٹھے ہیں قیصر و کسریٰ کی سنت ہے اس میں مسلمانوں کے ارباب حل و عقد کے انتخاب کو دخل نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ اسلامی مزاج کے مطابق نہیں چنانچہ انھوں نے اس انحراف کی جس کی ابتدا یزید کی ولی عہدی سے ہوئی تھی اصلاح

ضروری سمجھی انھوں نے اپنی خلافت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انتخاب کے معاملہ کو عوام کے سامنے دوبارہ پیش کرتے ہوئے کہا:

”لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے نے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے میں خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں اور تم جسے چاہو اپنا خلیفہ بنا لو“

سلیمان بن عبد الملک کی وفات کے بعد عہد نامہ کے مطابق حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کی بات طے ہو گئی تو وہ مسجد میں آئے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا

ایہا الناس انی قد اُبتلیت لہذا لا مرغیرائی کان منی ولا طیبۃ لہ ولا مشورۃ من المسلمین وانی قد خلعت ما فی اعناقکم من بیعتی فاخذوا لانفسکم فصاح الناس صیحة واحدة وقد اخترنا لک یا امیر المؤمنین ورضینا بک

لوگو! مجھے (خلافت کی) آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ اس میں نہ میری رائے شامل تھی اور نہ عام مسلمانوں سے مشورہ کر کے ایسا کیا گیا۔ میں اپنی بیعت کا قلاوہ تمھاری گردنوں سے اتارتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو۔ لوگوں نے بیک آواز ہو کر کہا: ”امیر المؤمنین ہم نے آپ کو ہی منتخب کیا اور ہم آپ کی خلافت سے راضی ہیں۔“

مجمع نے آپ کی خلافت سے دست برداری قبول نہیں کی اور آپ کو اتفاق رائے سے خلیفہ منتخب کر لیا۔ اگر حضرت عمر بن عبد العزیز کے نزدیک موروثی نظام بادشاہت مزاج دین کے خلاف نہ ہوتا تو بیعت کا قلاوہ از خود کیوں اتارتے۔ افسوس ہے کہ ان کے بعد پھر سے جبری بیعت اور خاندانوں کی موروثی بادشاہت کا مستقل طریقہ چل پڑا۔ لوگ اجتماعی مشورے کے ذریعے برسر اقتدار نہیں آتے تھے بلکہ ہتھیاروں کی طاقت سے برسر اقتدار آتے تھے اور لوگوں پر حکومت کرتے تھے۔ بیعت سے اقتدار نہیں حاصل ہوتا تھا۔ بلکہ اقتدار سے بیعت حاصل ہوتی تھی اور جو بیعت نہیں کرتا اس کی گردن اڑادی

جاتی تھی۔ اسلام کی تاریخ کے اس طویل دور میں بلاشبہ بہت سی برکتیں تھیں۔ مقدمات کے فیصلے بھی اسلام کے نظامِ قضا کے ماتحت ہوتے تھے۔ لیکن خلافت علی منہاج النبۃ باقی نہیں رہی تھی۔

دینی طبقہ کی رائے عامہ

اسلام کی تاریخ میں جب اس سیاسی بدعت کا آغاز ہو رہا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ بھی خاموش رہ جاتے جنہوں نے نبوت کا زمانہ اور خلافتِ راشدہ کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ گروہ اگرچہ مختصر تھا لیکن یہ بات مزاجِ دین کے عین مطابق تھی کہ کچھ لوگ اس انحراف کو برداشت نہ کرتے اور اسے چیلنج کرنے کی ہمت کرتے۔ یزید کی حکمرانی سے علماء و صلحاء کا طبقہ اور اہل دین و تقویٰ کا گروہ وہ حکومت سے دور ہوتا گیا دینی حلقوں میں نفرت و ناراضی بڑھتی جا رہی تھی۔

حضرت حسین کا یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا دینی طبقے کی رائے عامہ کا مظہر اور بہت بڑی علامت تھا کسی نے اس اقدام کو غلط قرار نہیں دیا۔ حضرت حسینؑ کی شہادت پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ تمام ائمہ اہل سنت ان کے طرفدار اور حامی رہے ہیں۔

”امام احمد بن حنبلؑ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید کو پسند نہیں کر سکتا۔“

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں :

”جس شخص نے حضرت حسینؑ کو شہید کیا، ان کے قتل میں مدد کی یا ان سے راضی ہوا اس پر اللہ کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ ان کے عذاب کو دور کرے گا اور نہ اس کا عوض قبول کرے گا۔“
مجدد الف ثانی کہتے ہیں :

”یزید سعادت توفیق سے محروم اور زمرہ فساق میں داخل ہے۔“
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کہتے ہیں:
”مگر اہی کی دعوت دینے والا شام میں یزید اور عراق میں مختار تھا۔“

عہدِ خلافتِ راشدہ کے بعد کی خرابیاں

نظامِ خلافت اور نظامِ ملوکیت دونوں میں بڑا فرق ہے اگر خلافتِ راشدہ کی تاریخ اور اس کے بعد ملوکیت کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو درج ذیل بین فرق محسوس کئے جائیں گے۔
(۱) خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلیفہ ایک عام فرد کی طرح بود و باش رکھتا تھا لیکن دمشق اور بغداد کے حکمرانوں نے ایران و روم کے بادشاہوں کی شاہانہ زندگی اختیار کر لی تھی جن پر بے دریغ دولت خرچ کی جاتی تھی۔

(۲) ملوکیت کے دور میں بیت المال رعایا کی امانت نہیں تھا۔ بلکہ وہ بادشاہ کی جاگیر اور ذاتی خزانہ بن گیا تھا۔ جب کہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلیفہ اس بیت المال کا متولی ہوتا تھا اور خود اپنی ذات پر بھی اگر خرچ کرتا تھا تو کمالِ احتیاط اور تقویٰ کے ساتھ۔
(۳) خلافتِ راشدہ کے عہد میں لوگوں کو خلیفہ سے بھی محاسبہ کرنے کی آزادی تھی بلکہ اس محاسبہ کی بھی ہمت افزائی کی جاتی تھی ملوکیت کے دور میں بادشاہ ہر طرح کے احتساب اور محاسبہ سے بلند تھا اور حق گوئی کی جرأت کرنے والے کی سزا قتل یا قید ہو سکتی ہے۔
(۴) خلافتِ راشدہ کے دور میں عدلیہ آزاد تھی قاضی خلیفہ تک کو عدالت میں طلب کر سکتا تھا اور خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے سکتا تھا۔ ملوکیت کے دور میں عدالتیں بادشاہوں کے دباؤں سے بالکل آزاد نہ تھیں۔

(۵) خلافتِ راشدہ میں تمام اجتماعی کام صلاح و مشورے یا شورائی نظام کے ذریعہ انجام دیے جاتے تھے۔ ملوکیت کے دور میں بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے اور جو امر ہم شوریٰ بینہم کے حکم شریعت کو پامال کیا جاتا تھا۔

(۶) خلافتِ راشدہ کے دور میں خلفاء کی زندگی طہارت و تقویٰ کا بلند ترین نمونہ پیش کرتی تھی ملوکیت کے دور میں فسق و فجور ہوا و ہوس، نوش و نشید کا سیلاب شاہی درباروں

تک پہنچ گیا تھا۔ خود نیزہ کی زندگی بے داغ تھی۔ آبرو و فاختہ اور اباحت زدہ مصاحبین کا گروہ خلفاء کے دربار میں پایا جاتا تھا جبکہ اس طبقہ کا وجود خلافت راشدہ کے زمانہ میں نہ تھا (۷) حکومت کا محور جس پر اس کا پورا نظام گردش کرتا تھا کتاب و سنت کے بجائے ذاتی مفادات یا ملکی مصالح بن گیا تھا۔ ملکی اور مالی مفادات کے لیے دین کو قربان کیا جاتا تھا اور اسلام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹ ڈالی جاتی تھی اس کی مثال یہ ہے کہ بنو امیہ کے عہد میں نو مسلموں تک سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا تاکہ حکومت کا خزانہ بھرا رہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کی اصلاحات میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے اس خلاف شرع آرڈیننس کو ختم کیا اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے جابی (ٹیکس وصول کرنے والا) بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔

(۸) اقربا نوازی اور کنبہ پروری اور دوسری اخلاقی خرابیاں جو خلافت راشدہ کے زمانے میں سخت معیوب تھیں عام ہو گئیں۔

(۹) خلافت راشدہ کے زمانہ میں حکمران کا تعلق خاص قبیلہ اور نسل سے نہ تھا دور ملوکیت میں جب کسی قبیلہ کا شخص حکمران ہو جاتا تھا اور کئی نسلوں تک اقتدار اس کے قبضہ میں رہتا تھا تو نسلی عصبیتوں کو بڑھاوا دیتا اسلام سے پہلے ہر قبیلہ کا بت الگ ہوتا تھا۔ اسلام نے قبائلی عصبیتوں کو مٹا کر وحدت امت کا نصب العین عطا کیا تھا لیکن خلافت راشدہ کے بعد قبائلی عصبیتیں زندہ ہوئیں۔ جب مسلمانوں کے فتوحات کے قدم بعد میں اسپین تک پہنچے تو قبائلی عصبیتوں نے وہاں بھی ساتھ نہیں چھوڑا اور قبائل کی الگ الگ چھوٹی چھوٹی ریاستیں وجود میں آئیں جو باہم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار بھی ہوتی تھیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف یہودیوں اور عیسائیوں تک سے مدد ملی جاتی تھی۔ پھر قبائلی تعصبات کی آگ ہی نہیں بھڑکی بلکہ عرب و عجم کی کشمکش بھی شروع ہو گئی۔ خلافت راشدہ کے بعد ایک مدت تک عرب سامراجی نظام پایا گیا جس کا رد عمل غیر عرب مسلمانوں پر ہوا۔

(۱۰) خلافت راشدہ کے دور میں کلمہ حق کہنے اور خلیفہ تک کو برسرِ عام ٹوکنے کی لوگ ہمت رکھتے تھے اور خلیفہ کو اپنی صفائی پیش کرنی پڑتی تھی۔ اس کے بعد ملوکیت کے دور میں حق بات کہنے کا مطلب کبھی اپنی جان سے اور کبھی عاقبت کی زندگی سے ہاتھ دھونا تھا۔ ضمیر کو

پہلے کے لیے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے روکنے کے لیے حکومت کی طرف سے عہدہ و منصب کی بخشش شاہانہ پیش کی جاتی اور علماء دین ان مناصب کو رشوت سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور اس کے نتیجے میں وہ حکمرانوں کی زبردستی اور ایذا رسانی کا شکار رہتے تھے جب امام مالک نے خلفاء کی جبری بیعت کے کالعدم ہونے کا فتویٰ دیا تو ان کی پیٹھ پر تازیانے برسائے گئے۔

خلاصہ یہ کہ خلافت راشدہ کے نظام حکمرانی کو ختم کر کے عجمی ملوکیت کے موروثی نظام کو اختیار کرنے کے جو مقاصد ہو سکتے تھے وہ سب کے سب پیدا ہونا شروع ہو گئے اور بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی:

”رخم خوردہ جاہلیت اپنے فاتح حریف سے انتقام لینے پر تلی ہوئی تھی اور چالیس برس کا حساب ایک دن میں پورا کرنا چاہتی تھی“

جن صحابہ کرام نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی ان کا بیعت سے انکار کرنا دراصل اسلامی نظام میں ان ہی آنے والے انحرافات کو روکنے اور ان پر پابندی لگانے کے لئے تھا۔ ان کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر اصلاح نہ ہوئی تو یہ بگاڑ بڑھتی ہی جائے گا یزید کی ولی عہدی کے وقت یہ بگاڑ اگرچہ پورے طور پر ظاہر نہیں ہوا تھا لیکن جن لوگوں نے خلافت کو ہر قل کی ملوکیت میں تبدیل کر دینے پر تنقید کی تھی اور اپنی ناراضی ظاہر کی تھی انھیں پورے طور پر یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اسلامی ریاست کی گاڑی نے اپنی پٹری بدل دی ہے اور اب یہ راستہ ”مکہ“ کے بجائے ”ترکستان“ کی طرف جا رہا ہے۔ منزل اور سمت سفر کی اس تبدیلی کے نتائج سے وہ لوگ اچھی طرح واقف تھے جن کو اللہ نے نور بصیرت عطا فرمایا تھا حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے مستقبل کے خطرات کا اندازہ کیا اور سمت سفر کی اس تبدیلی کو روکنے کے لئے اپنی زندگی قربان کر دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو خلافت کے لئے ذاتی استحقاق کے لیے میدان میں نہیں آئے تھے۔ یہ امت کے بہترین لوگ تھے۔ حضرت حسینؑ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ تھیں اور خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔

اختلاف کی بنیاد

تاریخ کی کتابوں میں ان اہل صحابہ کے نام موجود ہیں جنہوں نے یزید کے لیے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ حضرت حسینؑ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نام تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

اختلاف کی بنیاد یہ تھی کہ نظام حکومت اپنے اسلامی مزاج سے منحرف ہو رہا تھا۔ اور خلفائے راشدین کے بجائے اسلام میں قیصر و کسریٰ کی سنت زندہ کی جا رہی تھی۔ اس تبدیلی کو اہل دین اور صحابہ عظام کا دینی ضمیر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یزید کی ولیعہدی کے مسئلے پر ابن اثیر نے اختلاف کی جو روداد سنائی ہے۔ اس میں مروان کے سامنے عبدالرحمان بن ابوبکرؓ کا بیان موجود ہے۔ اس بیان سے اختلاف کی اصل بنیاد کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے۔

”تم لوگوں کی نیت یہ ہے کہ خلافت کو ہر قل کی ملوکیت سے بدل دو کہ ایک ہر قل مرا تو دوسرا ہر قل آگیا۔“

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت معاویہؓ کو یزید کی ولیعہدی کے موقع پر یہ مشورہ دیا تھا کہ خلافت کے اہم مسئلے میں خلافت راشدہ کو نمونہ بنائیے نہ کہ دنیا کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو یزید کی ولیعہدی سے شدید اختلاف کرتے ہوئے انہوں نے حضرت معاویہؓ کو کہا:

”اپنے بعد معاویہؓ کو اس طرح چھوڑ جائیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے کہ انہوں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا، یا پھر حضرت ابوبکرؓ کی سنت اختیار کیجئے کہ خلیفہ نامزد تو کیا مگر اپنی اولاد کو نہیں، نہ اپنے خاندان میں سے کسی کو۔ یا خلیفہ ثالث حضرت عمرؓ کی طرح کیجئے کہ انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے شوریٰ بنادی تھی مگر اس میں اپنے خاندان یا اولاد کے کسی فرد کو نہیں رکھا۔“

خود حضرت حسینؑ کا قول تاریخ میں موجود ہے۔ امام وہی ہے جو کتاب الشریعہ عامل انصاف کا خوگر، حق کا تابع اور تعلق مع اللہ کے صفت سے متصف ہو۔

اب جن لوگوں نے برسرِ ممبر اور علیؑ رؤس الاشہاد یزید کی خلافت کو ماننے سے انکار کیا تھا، ان کے نزدیک یزید نہ کتاب اللہ پر عامل تھا نہ انصاف کا خوگر نہ حق کا تابع اور نہ تعلق مع اللہ کی صفت سے متصف۔ یزید کا کردار کیا تھا۔ البدایہ والنہایہ جیسی قابلِ اعتماد کتاب میں اور دوسری بہت سی تاریخ کی کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں

وكان فيه ايضاً اقبال على الشهوات
والترك لبعض الصلوات في بعض
الاقوات وامانتها في غالب
الاقوات

اس کے ساتھ اس میں شہوات کی طرف
میلان موجود تھا۔ کبھی وہ تارک الصلوٰۃ بن
جاتا تھا۔ نمازوں کے معاملے میں وہ نہایت
لا پرواہی کا شکار تھا۔

اسلامی حکومت کا مقصود ہی اقامتِ نماز ہے۔ اگر کوئی حکمران دین کے معاملہ میں اتنا
لا پرواہ ہو جائے کہ اسے نمازوں کی بھی فکر نہ رہے اور اقامتِ صلوٰۃ کے بجائے امانتِ صلوٰۃ
کا مجرم بن جائے تو پھر اس کے لئے کوئی ڈھال باقی نہیں رہتی اور اس کے خلاف اقدامِ درست
ہو جاتا ہے

حضرت معاویہؓ کا موقف

اس سوال کا پیدا ہونا قدرتی ہے کہ حضرت معاویہؓ جیسی اہم شخصیت کو یزید کی ولیعہد
پر اصرار کیوں تھا اور یہ اجتہادی غلطی ان سے کیوں سرزد ہوئی تاریخ کہتی ہے کہ حضرت
معاویہؓ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ امت کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لیے یہی صورت مناسب
تھی۔ اس کے علاوہ یزید میں وہ انتظام و انصرام اور قوت و بہادری کے جوہر بھی دیکھتے
تھے۔ اور یہ جوہر عام طور پر دنیا میں بادشاہوں کے لڑکوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تاریخ
یہ بھی کہتی ہے کہ ان سب کے ساتھ اس محبت کا جذبہ بھی کام کر رہا تھا، جوہر باپ کے سینے
میں ہوتا ہے ابن کثیر نے اسبابِ ولیعہد میں اس سبب کو سب سے پہلے بیان کیا ہے

”وذا لك من شدة محبة الوالد لولده“

۲۸ صحابہ کرام کا روکنا بر بنائے مصلحت و شفقت

جن بزرگوں نے حضرت حسینؑ کو اقدام سے روکنے کی کوشش کی ان کا نقطہ نظریہ نہیں تھا کہ حکومت اور سیاست میں بگاڑ پر نیکر کرنا اور مخالفت میں قدم اٹھانا ہی سرے سے غلط ہے۔ بلکہ نقطہ نظریہ تھا کہ حالات کا اور اپنے دشمن کی قوت کا اندازہ لگانا بھی ضروری ہے۔

حضرت حسینؑ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ نے ان سے کہا
”تمام علاقوں میں گھومنے پھرنے تاکہ اندازہ لگ سکے کہ حالات کیا ہیں اور لوگوں کا نقطہ نظر کیا ہے۔ لوگوں سے ملنے کے بعد جو رائے قائم ہوگی وہی صحیح رائے ہوگی۔“
حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی مشورہ دیا کہ ابھی مقابلے کے لئے اٹھنا قرین مصلحت نہیں انھوں نے کہا:

”عراق کا ارادہ نہ کرو اور اپنی جان کھونے کے لئے وہاں نہ جاؤ۔ کم از کم اتنی بات مان لو کہ موسم حج گزر جانے دو۔ حج میں آنے والے لوگوں سے مل کر وہاں کے حالات کا اندازہ کرو اور پھر جو طے کرنا ہے طے کرو۔“

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ ان حضرات کا نقطہ نظریہ تھا کہ وقت ابھی سازگار نہیں ہے۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؑ نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ اس وقت قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا اور کوفے کے عمائدین کے بے شمار خطوط کو انھوں نے اپنے موقف کے لیے دلیل بنایا تھا۔ انھوں نے خلاص کے جس موقف کو صحیح سمجھا اسے اختیار کیا۔

حضرت حسینؑ کی مخالفت بڑے فنکارانہ طریقہ سے ہو رہی ہے اور بڑی چابک دستی کے ساتھ یزید کی صفائی پیش کی جا رہی ہے تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ ایک دو بزرگوں کو چھوڑ کر کوئی یزید کا مخالف نہ تھا باستثنائے چند سب نے بطیب خاطر یزید کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا اور یزید میں کوئی ایسی خرابی نہ تھی کہ اس کو خلیفہ تسلیم کرنے میں کوئی قباحت لازم آتی اس بارے میں جو بات کہ بار بار دہرائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت

عبداللہ بن عباسؓ نے نہ صرف یہ کہ بیعت کر لی بلکہ بیعت کی مخالفت کرنے والوں کو نصیحت بھی کرتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس یہ دونوں بزرگ شروع سے یزید کی ولی عہدی اور یزید کی خلافت کے مخالف تھے۔ خلافت راشدہ کے بعد اسلام کا اجتماعی ڈھانچہ بدل رہا تھا اور جو سیاسی نظام شروع ہوا تھا وہ منہاج سنت پر مبنی نہیں تھا اور یہ بات صحابہ کرام اور اہل دین و تقویٰ کے لئے بڑی صبر آزمائی تھی۔ لیکن یہ حضرات دیکھ رہے تھے کہ اس صورت حال کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ شام کے قسطنطنیہ کاہرہ کی نظروں میں نہ اہل دین کا تقدس ہے نہ دین کا احترام اور نہ خود اس کی دینی تربیت ہو سکی ہے۔ مذہب اور سیاست کے راستے الگ ہو چکے ہیں۔ اب ہتھیار ڈالنے اور بدرجہ مجبوری بیعت کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی علاقہ میں گورنر کو بھیجتے تھے تو نرمی اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کی گورنری پر مامور کیا تو نصیحت کی ”یسر ولا تعسر“ نرمی اور آسانی پیدا کرنا سختی نہ کرنا یہی طریقہ خلافت راشدہ کے عہد میں بھی تھا۔ لیکن بنو امیہ کے زمانے کے گورنر تمام دینی تقاضوں کو فراموش کر کے ظلم پر ہر وقت مکر بستہ رہتے تھے حجاج کے مظالم کو دیکھ کر حسن بصریؒ نے فرمایا:

”اے اللہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا“

ظلم و ستم کی خونچکاں داستان جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت جس کے روز و شب تسبیح و تلاوت اور مسلسل عبادت میں گزرتے ہوں مجبوراً بیعت کر لیتے ہوں اور اسی طرح سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ آخر میں آمادۂ بیعت ہو جاتے ہوں تو یہ کہلاں کا انصاف ہے کہ ان حضرات کے طرز عمل کو حضرت حسینؓ کے اقدام کو غلط ثابت کرنے کے لیے دلیل بنا کر پیش کیا جائے اور اللہ کی مخلوق کو گمراہ کیا جائے۔ خلافت راشدہ کے بعد اہل دین کی اکثریت نے اس وقت کے حالات میں جو ممکن ہو سکا وہ کیا۔ انھوں نے حکومت وقت سے قطع تعلق کر لیا اور گوشہ گیر ہو گئے اور اپنے اپنے دائرہ میں تجدید و احیاء کی پر خلوص جدوجہد شروع کر دی تاکہ دینی اور اخلاقی نظام پر سیاسی نظام کی غلط کاریوں

کاسایہ کم سے کم پڑے انھوں نے بادر مخالف کے جھونکوں کے درمیان شمع روشن کی۔

دامن اس کا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں

کیوں ہے بے کار گریباں تو مرادور نہیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ باوجود بیعت کر لینے کے یزید کو کس نظر سے دیکھتے تھے اس پر وہ مراسلت بہترین شہادت ہے جو ان کے اور یزید کے درمیان ہوئی تھی شہادت حسینؓ کے بعد جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی تو اس دعوت کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قبول نہیں کیا۔ ان حضرات نے اگرچہ بادلِ ناخوشہ بیعت کر لی تھی لیکن بیعت کر لینے کے بعد وہ اس کو توڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے انکارِ بیعت سے یزید بہت خوش ہوا اور اس نے اپنے خط میں انعام و اکرام اور حسن سلوک کا وعدہ کیا۔ یزید کا خط ابن اثیر کی تاریخ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یزید کو اس کے خط کے جواب میں لکھا:

”تمہارا خط ملا، میں نے جو ابنِ زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلہ

میں تم سے حسن سلوک اور تمہاری تعریف کا خواہاں نہیں بلکہ جس

نیت سے میں نے ایسا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تمہارا یہ

کہنا کہ تم میرے اس حسن سلوک کو فراموش نہ کرو گے تو مجھے تمہارے

حسن سلوک کی ضرورت نہیں اور تمہاری یہ درخواست کہ میں دلوں میں

تمہاری محبت پیدا کروں اور ابنِ زبیر سے نفرت اور ابنِ زبیر کو میں

اکیلا چھوڑ دوں تو ایسا نہیں ہو سکتا مجھے تمہاری خوشی منظور ہے اور نہ

تمہارا اعزاز اور یہ ممکن بھی نہیں کیونکہ تم ہی حسینؓ اور جو انان عبدالمطلب

کے قاتل ہو۔ تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو خون

آلود میدان میں ڈال دیا تھا اور ان کے بدن پر ایک کپڑا بھی نہ تھا۔

پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا۔۔۔۔۔ یہ سب کچھ تم نے خدا

رسول اور اہل بیت کی عداوت میں کیا۔ حسینؓ نے تمہارے سامنے

صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے
یہ دیکھ کر کہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے خاندان کا صفایا
کیا جاسکتا ہے موقع غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف اس طرح ٹوٹ پڑے
گو یا تم مشرکوں اور کافروں کو قتل کر رہے ہو..... آج تو نے ہم پر فتح
پالی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے

والسلام

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے یہ الفاظ روز روشن کی طرح یہ شہادت دیتے ہیں کہ اس
وقت کے عالم اسلام کا دینی حلقہ یزید کو ناپسند کرتا تھا۔ اس دینی حلقہ نے حضرت امام
حسینؓ کے سرفروشانہ اقدام کا عملی ساتھ دیا ہو یا نہ دیا ہو اس حلقہ کا دل ان کے ساتھ تھا۔ جن
لوگوں نے روکنے کی کوشش کی وہ بر بنائے شفقت کی تھی کہ اہل اسلام کے اس کعبہ محبت کو
کوئی آپخ نہ آئے یا اس لئے تھی کہ ان کے خیال میں اقدام کے لئے حالات سازگار نہیں
ہیں۔ آج یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ لیکن اس
وقت قطعیت کے ساتھ ان کے لئے ناسازگاری کا فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ کوفے کے عمائدین
کے خطوط ان کے پاس آرہے تھے۔ وفود کی شکل میں لوگ آرہے تھے اور انھیں بلا رہے تھے۔
انھوں نے اگر یہ فیصلہ کیا کہ انھیں نکلنا چاہئے تو کیوں اسے غلط کہا جائے کیا یزید کی حکومت
کے خلاف بے چینی موجود نہیں تھی کیا خلافت کو موروثی نظام سے بدلنے پر اضطراب نہیں پایا
جاتا تھا؟۔

حکمت الہی کیا تھی؟

علامہ ابن تیمیہ نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ حکمت الہی یہ تھی کہ امام حسینؓ کو شہادت کے
بلند و ارفع مقام تک پہنچایا جائے تاکہ وہ شہداء کا عیش اور سعادت کی منزل پاسکیں۔

لیکن اس حکمت الہی سے بڑھ کر ایک اور حکمت الہی اس واقعہ شہادت میں موجود ہے جس کا رشتہ پوری ملت اسلامیہ کے مستقبل کی تاریخ سے جڑا ہوا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے سرفروشانہ اقدام کے ذریعہ غلط اور فاسد اقتدار کے خلاف اعلان حق کی ایک زندہ نظیر باقی رہ جائے جو ہر دور میں اہل عزیمت کے لئے نمونہ کا کام کرے اور فساد کو مٹانے کے لئے انھیں بے چین و مضطرب کر دے۔ یہاں امام ابن تیمیہ ہی کے قول کو پیش کرنا بے محل نہ ہوگا۔

”دین کے اعزاز و غلبے کے لئے جانوں کو خطرے میں ڈالنا دین میں مشروع ہے“

حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اہل عزیمت کے لئے نمونہ اور نظیر۔

بظاہر یزید کے زمانہ کی دونوں کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ لیکن یہ کامیابی کیا کم ہے کہ یہ دونوں کوششیں اہل عزیمت کے لئے نمونہ اور نظیر کا کام دیتی رہیں۔ اور اہل دین و صلاح کی نظروں میں اسلامی سیاست و خلافت کی آئینہ دل شکل ہمیشہ باقی رہی اور اس کے لئے جدوجہد بھی جاری رہی۔ جدوجہد اس چیز کے لیے تھی کہ خلافت کو صحیح مرکز پر قائم کیا جائے اور اسلامی نظام حکومت کی چول چوک کھسک گئی تھی اسے اپنی جگہ پر بٹھایا جائے۔ اور یہ اجارہ داری جو امویوں نے اور عباسیوں نے قائم کر لی تھی اسے ختم کیا جائے لیکن اموی اور عباسی حکومتیں طاقتور حکومتیں تھیں۔ ان کی پشت پر مضبوط فوجی نظام تھا ان حکومتوں کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں کچھ حمایت اگر مل سکتی تھی تو ان لوگوں کو جو ایک طرف اپنے زہد اور تقویٰ کے اعتبار سے اور دوسری طرف علو نسب اور خاندانی شرافت کے اعتبار سے سوسائٹی میں غیر معمولی احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہوں یہی وجہ ہے کہ موروثی نظام حکومت کے خلاف علم جہاد اٹھانے والے اس دور میں وہ لوگ تھے جن کا تعلق اہل بیت سے تھا کہ ان کی کامیابی کا امکان دوسروں کے مقابلہ میں

زیادہ تھا اور معاشرہ میں ان کی حیثیت مرکز امید کی تھی۔

امام حسینؑ کے پوتے حضرت زید بن علی بن حسین نے ہشام بن عبد الملک کے خلاف مجاذراتی کی اور ۱۲۲ھ میں اقامتِ دین کی اس جدوجہد میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ اگر یہ اقامتِ دین کے لئے جدوجہد نہ ہوتی اور یہ کشمکش جہاد نہ ہوتی تو امام اعظم ابوحنیفہؒ ان کے مؤید اور حامی نہ ہوتے۔ امام صاحب کی تائید اور حمایت اسی لئے تھی کہ وہ اس موروثی نظامِ حکومت کو غیر شرعی اور غیر اسلامی تصور کرتے تھے۔ انھوں نے زید بن علی کی خدمت میں درس ہزار درہم بھیجے اور اس استفسار پر کہ یہ جہاد ہے کہ نہیں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے جس طرح واقعہ بدر جہاد تھا

”خروجہ یضاہی خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر وأمدّ جنودہ بالمال ولكنہ کان ضعیف الثقتہ فی انصارہ ولذا قال فی الاعتذار عن حمل السیف معہ“

زید بن علیؑ کا خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر کے خروج کے مماثل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے زید بن علی کی فوج کی مالی معاونت کی لیکن چونکہ حضرت زید کے حمایتیوں پر انھیں بھروسہ کم تھا اس لئے انھوں نے تلوار اٹھانے سے معذرت کی ہے۔

حضرت زید بن علیؑ کے بعد حضرت محمد ذوالنفس زکیہ بن عبد اللہ المحض بن حسن ثنی بن سیدنا حسنؑ نے مدینہ طیبہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ المحض نے کوفہ میں عباسی خلیفہ منصور کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور امام ابوحنیفہؒ امام مالک نے ان کی بھی تائید و حمایت کی امام ابوحنیفہؒ نے مالی مدد کی۔ امام مالکؒ نے اہل مدینہ کو محمد ذوالنفس الزکیہ کی رفاقت و طاعت کا فتویٰ دیا اگرچہ کہ لوگ منصور کی بیعت کر چکے ہوں۔

یہ بحث غیر ضروری ہے کہ یہ کوششیں کتنی کامیاب ہوئیں اور کتنی نہیں۔ انسان صرف

۱۰ (مناقب امام ابوحنیفہؒ لبرازی بحوالہ لابی زہرہ

ص ۱۶۴)

۱۱ تاریخ الکامل ج ۵ ص ۲۱۴

اپنی کوششوں کا مکلف ہے ان کے نتائج کا نہیں۔ یہ دنیا صرف دارالعمل ہے۔ کوششوں کی جزا کی اصل جگہ آخرت سے۔ اس دنیا میں اہل حق صلحا و بلکہ انبیاء کو بھی کامیابی کبھی ملتی ہے اور کبھی نہیں۔ دنیوی نتائج کا تعلق اللہ تعالیٰ کی وسیع تر مصلحتوں سے ہے اور تنہا وہی ان مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ لیکن ان کوششوں کی یہ کامیابی بھی کم نہیں کہ ان کی وجہ سے باطل کے خلاف مزاحمت اور سلطان جائز کے خلاف کلمہ حق کہنے کی ایک پوری تاریخ وجود میں آئی ہے۔ اسلامی تاریخ کی آبرو ان سے قائم ہے جنہوں نے مضبوط ترین طاقتوں کے مقابلہ میں بھی سپر نہیں ڈالی اور بلند ترین مقصد کے لئے انہوں نے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے سے دریغ نہیں کیا۔

صحابہ کرام کی تربیت اور تعلیم سے تیار ہونے والے علماء اور فقہاء دین بھی کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام سے غافل نہیں رہے۔ انہوں نے حق کی پرواہ کی اور جان کی پرواہ نہیں کی جب عبدالملک نے اپنے دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے جانشین بنانا چاہا تو مشہور تابعی سعید بن مسیب نے مخالفت کی اور قید و بند کی تکلیفیں اٹھائیں اور کوڑے کھائے۔ حجاج نے جب بصرہ اور کوفہ کے نو مسلموں پر جزیہ لگایا تو علماء نے شدید مخالفت کی اور جب عبدالرحمان بن اشعث نے حجاج کے مظالم کے خلاف بغاوت کی اور امر بالمعروف کا علم بلند کیا تو علماء کی بڑی تعداد نے جن میں سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور جیسے بزرگ شامل تھے، عبدالرحمان کا ساتھ دیا اس حق پسندی کی وجہ سے سعید بن جبیر کو جام شہادت نوش کرنا پڑا اس بغاوت کے سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ امام شعبی جیسے علماء نے جو حکومت کے ساتھ تعاون کرتے تھے، باغیوں کا ساتھ دیا۔ ملوکیت کے اس عہد کے بارے میں امام حسن بصری کہا کرتے تھے "امراء کی تلواریں ہماری زبانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں۔ جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو وہ ہمیں تلوار سے جواب دیتے ہیں۔"

امام غزالی نے علماء حق کی بے خوفی اور حق گوئی کے واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے
 هذه كانت سيرة العلماء و
 عادتهم في الامور بالمعروف
 امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں علماء کا بھی
 دستور اور طریقہ تھا وہ بادشاہوں کی سطوت

وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَقِلَّةُ
مُبَالَاتِهِمْ بِسُطُوَةِ السَّلَاطِينِ
لَعَنَهُمُ اتَّكُلُوا عَلَى فَضْلِ اللَّهِ
تَعَالَى أَنْ يَكْرِسَهُمْ وَرَضُوا
بِحُكْمِ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يَرْزُقَهُمُ
الشَّهَادَةُ۔

اور طاقت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ انھیں
اللہ کی رحمت پر بھروسہ تھا کہ وہی ان کا نگران
اور محافظ ہے۔ وہ خدا کے اس فیصلہ پر بھی
راضی تھے کہ انھیں شہادت نصیب ہو

ایک بنیادی مسئلہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ

جمہور علماء اہل سنت حضرت حسین کے اقدام کو درست اور ان کے موقف کو حق سمجھتے
ہیں۔ شیعیت کے خلاف محاذ آرائی میں حضرت امام حسین کے اقدام کو ہی غلط ثابت کرنے
کی کوشش بڑی غلطی ہوگی۔ یہ مسلک اہل سنت والجماعت کا نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ
نے اپنی کتاب منہاج السنۃ میں یہ لکھا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسین کا اقدام درست نہ تھا
یہاں منہاج السنۃ کے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں جو حضرت حسین کے برسرِ حق
ہونے سے انکار کرنے والوں کا بہت بڑا سہارا بن گئے ہیں۔

(۱) یہ بات جان لینے کی ہے کہ صحابہ کرام کا طبقہ ہو یا تابعین عظام کا یا بعد کے زمانوں
کے اہل بیت یا غیر اہل بیت کا ان میں سے بڑے بڑے اہل علم و دین سے بعض وقت ایسی
نوعیت کا اجتہاد سرزد ہو جاتا ہے جن میں کچھ ظنِ دوہم اور کبھی کوئی باریک قسم کی ہوائے نفس
شامل ہو جاتی ہے۔ ایسا اجتہاد اس شخصیت کی عند اللہ عظمت کے باوجود قابلِ اتباع
نہیں ہوتا۔

(۲) ”مسلمانوں کے اکابر اہل علم نے ہمیشہ ان خرابیوں کی مخالفت کی ہے مثلاً یزید کے
خلاف اہل مدینہ خروج پر آمادہ ہوئے تو عبداللہ بن عمر، سعید بن مسیب اور علی بن الحسین
(زین العابدین) نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ یا ابن الاشعث کی بغاوت کا فتنہ اٹھا تو
حسن بصری اور مجاہد وغیرہ نے سمجھایا لہذا اہل سنت کے یہاں یہ مسئلہ بالکل طے شدہ

ہو چکا ہے کہ فتنے کے وقت میں تلوار اٹھانا مناسب نہیں۔ علماء اہل سنت نے اس مسئلہ کی اس درجہ اہمیت سمجھی ہے کہ اسے عقائد کی فہرست میں داخل کر کے لازم کیا ہے کہ ائمہ و خلفاء کے جو رسوم کا مقابلہ تلوار کے بجائے صبر اور برداشت سے کیا جائے یہی وجہ تھی کہ حبِ حسینؑ نے عراق جانے کا ارادہ فرمایا تو اکابر اہل علم و دین مثلاً ابن عمرؓ ابن عباسؓ ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام نے اس ارادہ کے خلاف مشورہ دیا۔“

علامہ ابن تیمیہ کے ان اقتباسات کے بارے میں ایک خیال تو یہ ہے کہ ان کی حیثیت الزامی جواب کی ہے کیونکہ منہاج السنۃ ایک شیعہ عالم حسین بن مطہر کی کتاب منہاج الکرامہ فی معرفۃ النذامۃ کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں ان کی حیثیت اہل سنت کی طرف سے وکیل کی ہے۔ لیکن یہ اگر ان کے واقعی خیالات ہیں تو وہ اپنے خیالات میں منفرد اور تنہا ہیں اور ان کے بہت سے شاذ افکار کی طرح یہ بھی ان کا شذوذ ہی ہے اور جس طرح سے ان کے بہت سے خیالات اور نظریات سے اہل سنت کو اتفاق نہیں ہے اس نظریہ سے بھی اہل سنت کو اتفاق نہیں ہے۔ امام مالکؒ نے روضہ اطہر کی طرف اشارہ کر کے ایک بار فرمایا تھا کہ اس صاحبِ قبر کی بات کے سوا ہر شخص کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے

كُلُّ يُوْخِذْمَنۡهٖ وَيُرَدُّ عَلَيۡهٖ اِلَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ

بلاشبہ علامہ ابن تیمیہ کے محاسن و کمالات بہت ہیں۔ ان کا بے مثال حافظہ ان کا غیر معمولی تبصرہ علمی، ان کی خداداد جرأت و شجاعت دین کے معاملہ میں ان کی غیرت و حمیت، ان کا تقویٰ اور خشیت یہ سب کچھ مسلم ہے۔ ان کی زبان ابرو گو ہر بار تھی ان کا قلم تیغِ اصیل تھا ان کی حاضر جوابی بے نظیر تھی۔ ان تمام صفات و کمالات کے باوجود جہاں تک میانہ روی اور مسلک کے توازن اور زبان و قلم کی احتیاط کا تعلق ہے اس بارے میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے اور بہت سے مستند علماء نے بہت کچھ کہا بھی ہے۔ یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں بہت سے مسائل میں ان کے یہاں شذوذ بھی پایا جاتا ہے روضہ اقدس کی زیارت اور تطلیقات ثلاثہ وغیرہ

کے بارے میں ان کے تفردات کا علم سب کو ہے۔ یہاں بھی ردِ شیعیت کے جوش میں اعتدال کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹا ہے۔ علم عقاید اور کلام کی کتابوں میں تو حضرت حسینؑ کو برحق اور یزید کو برسرِ باطل لکھا گیا ہے۔ شرح عقائد نسفی اور متعدد علم کلام کی کتابوں میں یہی مذکور ہے۔ شرح عقائد نسفی میں امام شافعی کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ امام بوجہ فسق معزول ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر امیر اور ہر قاضی کا یہی حکم ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق قابلِ ولایت نہیں کیونکہ وہ اپنی جان کو گناہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تو رعیت کو کس طرح بچائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام فاسق بھی قابلِ ولایت ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ علماء کے نزدیک مختلف فیہ رہا ہے۔ اور یہ اختلاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دور کے بہت بعد رونما ہوا۔ جن بزرگوں نے امام کے خلاف اقدام سے روکا ان کی مصلحت یہ تھی کہ مسلمانوں کو خون ریزی سے بچایا جائے اور خلافت خاصہ نہ سہی خلافت عامہ باقی رہے۔ دشمنانِ اسلام کو اسلامی حکومت کی طرف معاندانہ نظر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ جن بزرگوں نے اقدام کی اجازت دی ہے ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلمان ظالموں کے ظلم و جور سے محفوظ رہیں اور عادلانہ نظامِ خلافت جو شریعت کے اصولوں پر مبنی ہو قائم ہو سکے۔ اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے طرزِ عمل کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ ہم یہاں بعض دوسرے علماء اور محققین کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

ظالم حکمران کے خلاف اقدام کے بارے میں علامہ ابنِ حزم کا موقف
 علامہ حافظ ابنِ حزم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شاہانِ حکومت اگر خیانت اور غلط کاری کے مرتکب ہوں تو ان کے خلاف بغاوت واجب ہے کیونکہ وہ لوگ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والے ہیں۔ زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے کوشاں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے جان و مال کا نقصان کرتے ہیں اور معصوم لوگوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ اپنے

عیش و آرام کے لئے اور بیت المال کو دولت سے بھر دینے کے لئے مسلمانوں تک پر جزیہ عاید کرتے ہیں اور مسلمانوں سے جزیہ وصول کرنے کے اس ظلم پر یہودیوں کو مقرر کرتے ہیں۔
 اس سلسلے میں علامہ ابن حزم نے مزید یہ لکھا ہے کہ جب حکمران کو شریعت کے دائرے میں واپس لانا اور ظلم و جور سے باز رکھنے کی تمام تدبیریں ناکام ہو جائیں تو اس طریقہ کار کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں رہتا جسے "العنف الدموی" (خون ریزی) کہتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ خلیفہ وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری کا معاہدہ تو برہنہ کتاب و سنت ہے۔ اگر وہ کتاب و سنت کے مطابق چلیں تو ان کی اطاعت واجب ہے مگر وہ کتاب و سنت دو میں سے کسی ایک سے بھی انحراف کریں تو ان پر حد نافذ کی جائے۔ حد اور حق قائم کیا جائے اور انھیں سزا دی جائے لیکن اگر معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہو کہ معصوم انسانی جانوں کا اتلاف اور کتاب و سنت کے مطابق عمل اور امن و امان ان کو معزول کئے بغیر ممکن نہ ہو تو انھیں منصب خلافت سے برطرف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی اور کسی دوسرے عادل اور خدا سے ڈرنے والے شخص کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ اگر اس سلسلے میں خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے تو تلوار بھی اٹھائی جائے گی اور کتاب و سنت پر مبنی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے ظالم حکمران کو قتل کر دینا واجب ہو جائے گا۔

بعض علماء نے یہ ضرور لکھا ہے کہ ظلم و جور کے خلاف تلوار اٹھانے کے بجائے صبر کا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور ہاتھ کے بجائے محض زبان سے حالات کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف دل سے برا سمجھا جائے گا۔ اس سلسلے میں یہ علماء بعض اتحاد کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن حزم اس نقطہ نظر کی پُر زور تردید کرتے ہیں اور یہ جواب دینے ہیں کہ بعض مواقع پر اذیت رسانی اور حکمران کی طرف سے زد و کوب کرنے کے مواقع پر صبر کی تلقین دلانے والی جو حدیثیں ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ اس صورت حال

کے بارے میں ہے جب خلیفہ نے اپنا نظام حکومت کتاب و سنت کے مطابق ترتیب دیا ہو۔ کبھی کبھی اگر اس سے زیادتیاں بھی ہو جائیں تو ان پر صبر کرنا چاہئے۔ لیکن اگر خلیفہ حق کے بجائے باطل پر ہو اور اس کی ستم رانیاں حد سے تجاوز کر جائیں اور اصل دین اور بے گناہ انسان کا خون بہایا جاتا ہو تو اللہ کی اس بات سے پناہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ حق کا خون ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی خاموشی اور صبر کا رویہ اختیار کیا جائے۔

علامہ ابن حزم اپنے موقف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک حدیث میں ہے جس میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناحق مال چھیننے والے کے بارے میں سوال کیا۔ آپؐ نے یہ جواب دیا ”تم اسے اپنا مال ہرگز مت دو“ پوچھا گیا: ”اگر وہ میری جان کے درپے ہو جائے تو میں کیا کروں؟“ آپؐ نے فرمایا ”تم بھی اس سے قتال کرو“ پوچھا گیا ”اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں تو کیا ہوگا؟“ آپؐ نے جواب عنایت فرمایا ”وہ مقتول جہنمی ہوگا“ پوچھنے والے نے پھر پوچھا ”اگر میں قتل کیا جاؤں تو“ آپؐ نے فرمایا ”تم جنت پا جاؤ گے“ یہ حدیث عام ہے۔ سلطان اور غیر سلطان دونوں پر اس کا اطلاق ہوگا۔

علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کسی گوشے سے یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے سے مسلمانوں کی خوں ریزی ہوگی، اہل اسلام کا جان و مال ضائع ہوگا اور ممکن ہے حکومت کی فوج سے برسرِ پیکار ہونا پڑے اور شکست ہو اور نتیجہ کچھ نہ نکلے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ظالم حکمران کے خلاف تلوار اٹھانے کے لیے کچھ تو تیاری کرنی ہوگی لیکن جان و مال کے ضائع ہونے کا خطرہ اور اس شکست کا امکان ضرور موجود ہے لیکن شکست کا امکان تو اس جنگ میں بھی ہوتا ہے جو کافروں کے خلاف کی جاتی ہے اور ب اوقات کافروں کی فوج کی تعداد کئی گنی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ان خطرات کا اعتبار کر لیا جائے تو کافروں کے خلاف جہاد بھی ساقط ہو جائے گا۔ حالانکہ دنیا میں کوئی مسلمان اس کا قائل

نہیں۔ اہل کفر کے خلاف جہاد کرنے سے اس کا بھی خطرہ ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں مرد اور بچے غلام اور قیدی بنائے جائیں اور ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس پر کسی کا اختلاف نہیں کہ اہل کفر سے جہاد واجب ہے۔ لہذا ان دونوں معاملات میں یعنی کفار کے خلاف جہاد اور بے راہ و مسلم خلفاء کے خلاف جہاد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا درجہ جہاد کا ہے اور دونوں کا مقصد کتاب و سنت کی عملداری ہے۔

علامہ ابن حزم کا خیال ہے کہ اگر مسلمان حکمران کا معاملہ یہ ہو گیا ہو اس کو کفر اور اہل کفر کے ساتھ موالات عزیز ہو اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی اس کا شیوہ ہو ایسی صورت میں صبر کی تلقین کرنا روح اسلام کی مخالفت ہے۔ ایسے حکمران کو ان کے نزدیک ہٹانا اور اس سے قتال کرنا فرض ہے۔ البتہ تصادم اور مقابلے کی کوئی شکل نہ رہ جائے اور اہل حق بہت ہی کمزور ہوں اور جنگ ناممکن ہو تو پھر صورتحال کے لحاظ سے جو کچھ اور جتنا کچھ ممکن ہو کیا جائے۔

فاسق و فاجر حکمران کے خلاف کارروائی کے بارے میں امام غزالی کا موقف

جہاں تک پوشیدہ طریقے سے نصیحت اور زبانی تنقید و احتساب کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ یہ بالکل درست کام ہے اور کسی کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن اگر فہمائش و نصیحت کی تمام کوششیں رائیگاں چلی جائیں یا حاکم دین سے دور اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں معطلانہ طور پر لاپرواہ ہو اور سمجھانے بجھانے کی کوئی کوشش اس پر کارگر نہ ہو سکتی ہو تو اس صورت میں ایسے حکمران کے خلاف تادیبی کارروائی کی جاسکتی ہے یا نہیں اس بارے میں امام غزالی یہ لکھتے ہیں۔

”رعایا کی طرف سے حاکم کے خلاف تادیبی کارروائی کا معاملہ مشکل معاملہ ہے۔ بیٹے کی طرف سے والدین کی اصلاح کی کوشش نسبتاً

آسان ہے۔ حاکم کی اصلاح، نصیحت اور خیر خواہی کے کلمات سے چل سکتا ہو تو ٹھیک ہے بحث اس میں ہو سکتا ہے کہ شاہی بیت المال میں غصب کا ناجائز مال موجود ہو تو چڑھائی کر کے زبردستی مال لینا اور مالکوں کے حوالے کرنا ممکن ہے یا نہیں۔ اگر وہ لباسِ حریر زیب تن کرتا ہو تو اس کا دامن و گریبان پکڑا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اگر شراب کی صراحیاں اس کی مجلس میں ہوں تو انھیں زبردستی توڑا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس طرح کا اقدام حاکم کے رعب داب اور ہیبت و حشمت کو کم کرتا ہے۔ جس کی ممانعت شرع میں ہے اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ سب کچھ امر منکر ہے اور منکر پر سکوت حرام ہے۔ اب یہاں پر دو ممنوع امر ایک دوسرے کے معارض ہوئے تو اس کا حل یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے گا کہ حاکم کا منکر کس درجے کا ہے اور اگر حاکم کے خلاف اقدام کرنے سے اس کی ہیبت ختم ہو جائے گی اور منکر بڑے درجے کا نہیں ہے تو یہاں اس امر کا خیال رکھا جائے گا کہ حاکم کے رعب اور ہیبت کو نہیں ختم کرنا چاہئے لیکن اگر معاملہ دوسرا ہو اور منکر بڑا ہو تو یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس بارے میں تفصیل کو ضبطِ بیان میں لانا مشکل ہے یعنی اس کا تعلق حالات کی نوعیت سے ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کو اس میں اجتہاد سے کام لینا ہو گا۔

امام غزالی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ اگر اقتدار کی باگ ڈور بالکل ہی غیر شرعی طریقے سے کسی شخص کے ہاتھ میں آگئی ہو اور وہ خود بھی فاسق اور بد کردار ہو اور اس کا ظلم و جور سے حد سے بڑھ گیا ہو اور اس کی اصلاح کی کوئی تدبیر باقی نہ رہ گئی ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے حکمران کے رعب اور ہیبت اور احتشام کے باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا ہے

ان کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ طاقت کے ذریعہ ہی اس منکر کو مٹانا ضروری ہوگا۔

علامہ ابو بکر جصاص کا موقف

”گذشتہ تمام معتقدین و متاخرین اہل دین وفقہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔ البتہ کچھ بے خبر اور دین سے بے بہرہ لوگوں کا ایک گروہ ہے جن کو اس سے اختلاف ہے وہ ہتھیار اٹھانے اور باغی گروہ سے لڑنے کو فتنہ و فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فقاتلوا الی تبغی حتی تفضی الی امر اللہ (تم باغی جماعت سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے) آیت کے الفاظ صاف تقاضہ کرتے ہیں کہ باغی گروہ سے جنگ کرنا واجب ہے۔ لیکن اس حکم صریح کے باوجود دین سے بے بہرہ حشویہ کا گروہ کہتا ہے کہ حاکم وقت اگر ظلم و جور اور قتل نفس جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے جیسے منکرات کا بھی ارتکاب کرے تو اس پر نیکر نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر غیر حاکم سے ان کا ارتکاب ہو تو زبان یا ہاتھ سے نیکر کا حق ہے مگر اس صورت میں بھی ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گمراہ طبقہ دین کے دشمنوں سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ اس گروہ نے لوگوں کو باغی گروہ سے جنگ اور حاکم کے ظلم و جور پر نیکر کرنے سے روک دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہایت فاسق اور فاجر بلکہ دشمن اسلام تک اقتدار پر غالب آگئے ہیں سرحدیں خراب ہو رہی ہیں ظلم پھیل رہا ہے، شہر برباد ہو رہے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنے اور سلطان جائز پر نیکر نہ کرنے کا۔“

ابوالمعالی امام الحرمین کا نقطہ نظر

مسلم کی مشہور حدیث ہے

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ
فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِيعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ
يَسْتَطِيعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ
الْإِيمَانِ

تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اسے ہاتھ سے (قوت و طاقت کے استعمال سے) مٹا دے اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے منکر کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے اور صرف اپنے دل سے برا سمجھنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

امام نوویؒ اپنی شرح مسلم میں امام الحرمین کا قول نقل کرتے ہیں

وَإِذَا جَارَ إِلَى الْوَقْتِ وَظَهَرَ

ظُلْمُهُ وَغَشَمَهُ وَلَمْ يَنْجِرْ حِينَ

زَجَرَ عَنْ سُوءِ صَنِيعِهِ بِالْقَوْلِ

فَلَا هَلْ الْحُلَّ وَالْعَقْدَ التَّوَّاطُؤُ

عَلَى خَلْعِهِ وَلَوْ بِشَهْرٍ أَوْ سَلْحَةٍ

وَنَصَبِ الْحُرُوبِ هَذَا كَلَامُ إِمَامِ الْحَرَمَيْنِ

وقت کا حکم اس اگر ظلم پر کمر بستہ ہو اور ظلم و جور کا پہلو بہت نمایاں ہو اور زبان سے روکے جانے پر بھی وہ اپنے کړتوت سے باز نہ آئے تو یہ ارباب حل و عقد کی ذمہ داری ہے کہ اسے اقتدار سے بے دخل کرنے پر متحد ہوں خواہ اس کے لئے اپنی ہتھیار ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے اور جنگی اقدامات ہی کیوں نہ کرنے پڑیں۔ یہ امام الحرمین کے الفاظ ہیں۔

واقعہ کربلا کی دینی و شرعی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے علماء دین کے یہ بیانات

کافی ہیں۔ یقیناً عزیمت کی راہ یہی ہے اور حضرت حسینؑ کا اقدام عزیمت علماء اور محققین کے درمیان متفق علیہ مسئلہ رہا ہے اور اس میں سے کسی کے شاذ نظریات سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ ہم یہاں حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے بزرگوں کے اقدامات

کی شرعی صحت کو ثابت کرنے کے لئے مرویات حضرت عمرؓ میں سے ایک روایت کو پیش کرنا چاہتے ہیں کہ جس کے بعد کسی کے قول کو پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

حضرت عمرؓ کی حدیث

ایک حدیث ہے جس میں حضرت عمرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرمایا ہے یقیناً آخر زمانے میں میری امت کو ان کے بادشاہوں کی جانب سے سختیاں لاحق ہوں گی اس سے وہی شخص نجات پائے گا جس نے خدا کے دیں کو پہچانا اور اس کے لئے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اور اپنے قلب سے جہاد کیا۔ بس یہی شخص ہے جس کے لئے خدا کی رحمت اور دنیوی و اخروی سعادت آگے بڑھے گی۔ اس کے بعد مرتبے کے اعتبار سے وہ شخص ہے جس نے خدا کے دین کو پہچانا (زبان و دل سے) دین کی تصدیق کی پھر اس کے بعد مرتبے کے اعتبار سے وہ شخص ہے جس نے دین کے قدروں کو پہچانا اور خاموشی سے اختیار کی اور جو شخص کسی کو نیک کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کی نیکی کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے اور کسی کو باطل کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس شخص سے نفرت کرتا ہے تو ایسا شخص بھی نجات پانے والوں میں سے ہوگا کیونکہ اس نے حق کی محبت اور باطل سے نفرت کو اپنے دل میں چھپائے رکھا ہے

انہ تصیب فی امتی فی آخر الزمان
من سلطانہم شد اند لا ینجومنہ
الی رجل عرف دین اللہ
فجاہد علیہ بلسانہ و یدہ
و قلبہ فذلک الذی سبقت
لہ السوابق و رجل عرف دین
اللہ فصداق بہ و رجل عرف
دین اللہ فسکت علیہ فان
رأی من یعمل الخیر احبہ علیہ وان
رأی من یعمل بباطل ابغضہ علیہ
فذلک الذی ینجو علی ابطانہ ھلہ

اس مقام پر اس مشہور حدیث کا نقل کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الَا لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا مَهَابَةٌ النَّاسِ
 أَنْ يَكْلِمَهُ بِالْحَقِّ إِذَا عَلِمَهُ الْآنَ
 أَفْضَلَ الْجِهَادِ حِلْمُهُ حَقٌّ عِنْدَ
 سُلْطَانٍ جَائِرٍ

کسی شخص کو لوگوں کا خوف اور دیدہ بہ حق بات کہنے سے ہرگز نہ روکے جبکہ وہ اس کو جانتا ہو ہاں سن لو کہ سب سے ثواب والا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے یہ

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرأت کو سب سے بڑا جہاد کیوں قرار دیا گیا ہے اس سلسلے میں علامہ خطابی کہتے ہیں۔

”یہ سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس لئے ہے کہ جو شخص دشمن اسلام سے جہاد کرتا ہے وہ امید اور خوف کے درمیان متردد ہوتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ فاتح ہو گا یا مفتوح (یعنی اس کے شہادت پانے کا بھی امکان ہے اور کامیاب ہونے کا بھی امکان ہے) البتہ جو شخص ظالم بادشاہ پر تنقید کرتا ہے تو اس کے ہاتھ میں مجبور ہے جب وہ اس کے سامنے حق کا اظہار کرے گا اور معروف کا حکم دے گا تو اس طرح سے وہ اپنی ہلاکت اور بربادی کے درپے ہو گا۔ خوف کے پہلو کے غالب ہونے کی وجہ سے یہ جہاد کی سب سے برتر قسم قرار پائی ہے

اعتدال کی راہ

بلاشبہ صحیح احادیث میں امرار و حکام کی اطاعت کا حکم موجود ہے۔ اور عام حالات میں ان احادیث کی روشنی میں ان سے بغاوت یا ان کے خلاف خروج درست نہیں۔ لیکن جب صورت حال یہ ہو کہ اسلام کے صحیح نظام کا حلیہ بگڑ رہا ہو یا دین کی بنیادیں متاثر ہو رہی ہوں

اور وقت کا فرماں روا جس کی حکومت کی اصل ذمہ داری اقامت صلوٰۃ ہوتا نماز کے بارے میں لاپرواہی کا شکار ہوا اور ہوس و ہوا کا اسیر ہو کر رہ گیا ہو تو پھر یہ اہل عزیمت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ خاموش نہ رہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ امیر و حاکم کی اطاعت بھی ضروری ہے لیکن اس کا وجود اگر فتنہ بن جائے تو اصلاح و درستی کی کوشش بھی ضروری ہے امام نووی نے جو صحیح مسلم کے شارح ہیں کتاب الامارہ باب وجوب اطاعت الامراء میں دونوں اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک قول ہر حالت میں اطاعت و انقیاد کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے

وقدرۃ علیہ بعضہم ہذا بقیام
الحسین و ابن زبیر (ای خروجہما
علی یزید) و اہل المدینۃ علی
بنی امیہ و بقیام جماعۃ عظیمۃ
من التابعین و الصدرا الاول علی
الحجاج مع الاشعث۔

بعض حضرات نے اس قول کا رد کیا ہے اور
اور یزید کے خلاف حسین بن علی اور ابن زبیر
کے اقدام سے اور اہل مدینہ کے بنی امیہ کے
خلاف بغاوت سے اور تابعین کی اور صدر
اول کی ایک بہت بڑی جماعت کی حجاج
کے خلاف بغاوت سے اور اشعث کی طرفداری
سے حجت اور دلیل پیش کی ہے

یعنی حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تابعین عظام اور اہل مدینہ کے صلحہ کا
بنی امیہ کے خلاف اقدام ایک نظیر ہے کہ جب ایوان حکومت میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہو اور سربراہ
مملکت کی رند مشربی اور عیش کوشی کے اثرات معاشرے پر پڑ رہے ہوں اور شورائی نظام کی جگہ
استبدادی نظام جگہ لے رہا ہو تو وہ سرفروشانہ اقدام بھی کیا جاسکتا ہے۔ جس کی نظیر امام حسینؑ نے
پیش کی۔

صدر اول کی تاریخ میں ایک نظیر حضرت حسنؑ کی ہے اور دوسری حضرت حسینؑ کی۔
بالفاظ دیگر تاریخ یہ سبق دیتی ہے کہ جب حضرت معاویہؓ جیسی شخصیت میدان میں ہو تو حضرت حسنؑ

کے اسوہ کو اختیار کرنا چاہئے لیکن اگر مقابلہ یزید سے ہو تو عزیمت کی بات وہی ہے جو حضرت حسین کا موقف ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے اقتباسات سے ان کا جو موقف بظاہر معلوم ہوتا ہے وہ نہ تو اعتدال کی راہ ہے اور نہ یہ جمہور امت کا مسلک ہے نابصیبیوں کے گروہ نے اہل بیت کی دشمنی میں یہ موقف ضرور اختیار کیا ہے اس سلسلہ میں ایک مثال قاضی ابن عربی کی ہے جن کے بارے میں تحفہ اشاعہ شریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تصریح کی ہے کہ وہ نابصیبی ہیں ورنہ علماء اور محدثین اور فقہاء حضرت حسین کے اقدام کو درست ہونے پر اور یزید کی خلافت سے اختلاف پر گویا متفق ہیں۔ یہاں شارح بخاری حافظ ابن حجر کا قول نقل کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف حسین و یزید کے بارے میں

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں ابن تیمیہ کے موقف کے بالکل برخلاف حضرت حسین کے اقدام خروج کو دینی بصیرت کے اعتبار سے درست اور اعلاء کلمۃ اللہ سے اسے وابستہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم و ستم اور سنت نبوی پر ان کے عمل نہ کرنے کی بناء پر دینی غیرت و حمیت میں نکلے۔ یہ سب اہل حق ہیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل مدینہ جنہوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا اور وہ تمام اہل علم و دین جو حجاج سے برسر پیکار ہوئے جن کا شمار اہل حق میں ہیں اور حق ان ہی کے ساتھ تھا۔“

خروج کے بارے میں اور تلوار اٹھانے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے اس کی توضیح کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں۔

”جو کسی ایسے حکم کی اطاعت سے نکلے جو ظالم ہو اور اس شخص کی جان یا مال

یا اہل و عیال پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہو ایسا شخص معذور ہے اور اس شخص سے قتال حلال نہیں اور اس شخص کو اپنی طاقت کے مطابق اپنی جان و مال اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے دفاع کا حق حاصل ہے چنانچہ طبری نے بسند صحیح عبد اللہ بن حارث سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مضر کے ایک شخص کے ذریعہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف خروج کرتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم حکمران کی مخالفت کریں تو ان سے قتل و قتال نہ کرو کیونکہ ان کو کہنے کا حق حاصل ہے۔“

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

”اور اسی صورت پر محمول ہو گا جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا اور پھر مقام حرہ میں اہل مدینہ کے ساتھ اور پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور ان علماء کے ساتھ جنہوں نے عبد الرحمن بن محمد بن الاشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج کیا تھا کہ ان سب حضرات سے قتال ناجائز تھا۔“

انتقاد امامت کا مسئلہ اور یزید اور اسلام کا اصول حکمرانی

بعض علماء کے نزدیک یزید کی خلافت بھی مکمل طور پر منعقد نہیں ہوئی کیونکہ تمام ارباب حل و عقد کی بہ رضا و رغبت بیعت پائی نہیں گئی۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ارباب حل و عقد کا اجماع شرط ہے۔

الامام الذی یجتمع قول اهل الحل
والعقد علیہ کلہم
امام وہ ہے جس پر تمام حل و عقد کے قول کا
اتفاق ہو۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انعقادِ خلافت کے لئے اہل ایمان کا اور خاص طور پر اہل صلاح و تقویٰ کا اتفاق ضروری ہے یہ بات خود انھوں نے خلیفہ عباسی منصور کے سامنے کہی تھی:

ما اجتمع علیہ اشان من اهل
التقویٰ والحرۃ فہ تہتکون ہاجتماع
المؤمنین ومشورتہم ۛ

تمہاری خلافت میں دو اہل تقویٰ کا بھی اتفاق
ہنیں ہوا۔ خلافت مومنین کے اجتماع اور مشورے
سے منعقد ہوتی ہے۔

امامت کے شرطوں میں بعض علمائے عدالت اور دین میں افضلیت کی شرط بھی لگائی ہے زیادہ تر
علمائے نزدیک یہ شرط ساقط بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ عامۃ المسلمین امام سے راضی اور اس کی
خلافت پر دل سے مطمئن ہوں۔

وہو ان تہو ان النفوس قد سکن
الیہ وکلمتہم علیہ اجمع ۛ

نفوس اس کی طرف سے راضی اور مطمئن ہوں
اور اس کے بارے میں اجماع کلمہ ہو چکا ہو۔

اگر خلیفہ اپنی زندگی میں مسلمانوں میں سے کسی ممتاز شخص کو اپنا جانشین بنائے تو جانشین
کے اندر بھی شرائط امامت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور ان شرائط میں استمرار اور دوام ہونا چاہئے۔

ويعتبر فی المعہود الیہ شروط
الامامۃ وقت العهد الیہ و
استدامتہا الی ما بعد المولیٰ ۛ

جس شخص کو جاں نشین اور ولی عہد بنایا
جائے اس کے لئے بوقت ولی عہدی شرائط
امامت پر پورا اترنا چاہئے اور جاں نشین بنانے
والے کی وفات کے بعد بھی ان شرائط کو پایا
جانا چاہئے۔

ان شرائط کو اگر مد نظر رکھا جائے تو یزید لائق امامت ہی نہ تھا چنانچہ شاہ
عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

” باجماع مؤرخین ثابت ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ نے یزید کو باطل پر جانا اور لائق امامت کے نہ دیکھا..... تو یزید کی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ یزید کے لشکر سے لڑے اور اپنے اصحاب سمیت درجہ شہادت کو پہنچے۔“

تنہا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نہیں بلکہ ان کے بعد بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ تک تمام بزرگوں کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا فیصل پنجم میں شہادت امام حسینؑ اور واقعہ حرہ سے متعلق کتاب الفتن کی متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے جس میں انھوں نے یہ کہا ہے:

اعوذ باللہ من رأس الستین
میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں سنہ ۶۰ھ کے شروع ہونے اور لوٹدوں کی حکومت سے۔
وامارۃ الصبیان۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یشیر الی خلافت یزید بن معاویہ
اس کا اشارہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف ہے کیونکہ اس کی حکومت سنہ ۶۰ھ میں قائم ہوئی تھی۔
لانہا کانت سنۃ ستین من الهجرة

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی سیرۃ النبیؐ جلد سوم میں جو معجزات پر مشتمل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے باب میں اس طرح کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں اشارہ یزید کے فتنہ کی طرف ہے۔ کتاب الفتن کی ان احادیث کی وجہ سے علماء اور محققین دین کو اس نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہوئی کہ حق امام حسینؑ کے ساتھ تھا۔ اور یہ کہنا کہ یزید کوئی ایسا باطل نہ تھا کہ جس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جاسکتی نہایت نادرست قول ہے۔ اس

۱۔ تحفہ اثنا عشریہ در خواص مذاہب شیعہ

موضوع پر مولانا قاسم نانائوؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:

”جس وقت حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا اس کا فسق ظاہر نہ تھا اگر کچھ کیا ہو گا تو درپردہ جس کی خبر امیر معاویہؓ کو نہ تھی“

”امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے اور دل و جان سے برائی میں لگ گیا۔ برائی کا اعلان شروع کر دیا۔ نماز چھوڑ دی بس بعض مقدمات گزشتہ کی بناء پر معزول کرینے کے لائق ہو گیا“

”شاید اس وقت ارباب حق و عقد کی رائیں اور تدبیریں الگ ہو گئیں کسی پر فتنہ و فساد کا اندیشہ غالب آگیا۔ اور بدرجہ مجبوری بادل ناخواستہ بیعت قبول کر لی..... اور جس کو ایک جماعت کثیر کے وعدوں پر معزول کر دینے میں کامیابی کی امید دکھائی دی اس نے خدا کے بھروسے پر لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اختلاف محض امیدوں اور اندیشوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے اہل کوفہ کی غداری کی وجہ سے حضرت امام حسینؑ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اور عاشورہ کے دن میدانِ کربلا کے اندر قیامت سے پہلے قیامت قائم ہو گئی“

”موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت میں کیا شبہ ہے یزید تو آپ کا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا ناجائز تھا۔ اور اگر خلیفہ تھا بھی تو کبھی اس پر خروج ممنوع نہ تھا یہ

خلافتِ راشدہ کا عہد اسلامی خلافت کے لئے اسوہ اور معیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر کسی کا اختلاف نہیں۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے یہ ایک ذریعہ عہد ہے۔ کامیابی مقدر ہو یا نہ ہو اس کی باز آفرینی اور بازیابی کی آرزو سے کسی مسلمان کا دل کبھی خالی نہیں رہا ہے۔ بہت سے اہل عزیمت نے اس اعلیٰ اور مثالی نمونے کے قریب ہونے کی کوشش اپنے اپنے زمانہ میں کی ہے۔ انسان صرف اس سعی و کوشش کا مکلف ہے کہ جہاں تک ہو سکے خلافتِ راشدہ سے مشابہت رکھنے والا اجتماعی نظام قائم ہو جائے

اسلام کی تاریخ میں ان کوششوں کے نتیجے میں وہ وقفے ملتے ہیں جن سے خلافت راشدہ بابرکت زمانہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کی ہدایت اور تذکیر کی کوششیں حکمرانوں کی غلط کاریوں پر انھیں ٹوکنا اور تمام اندیشوں کے باوجود کلمہ حق زبان پر لانا اسی نیش آرزو کی موجودگی کی علامت ہے جو ایک مومن کو بے چین رکھتی ہے۔ یہ بات تاریخی طور پر مسلم ہے کہ یزید کی ولیعہدی کے ذریعہ خلافت راشدہ کے اجتماعی نظام سے انحراف پایا گیا تھا۔ اس ولیعہدی کی تحریک جس نے بھی پیش کی ہو اسے اجتہاد کی غلطی کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ نہ صرف اس لئے کہ زبان نبوی نے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ وہی اصولی حکمرانی قرآنی آیتوں کے ذریعہ بھی صحیح قرار پاتے ہیں جو عہد خلافت راشدہ میں پائے جاتے تھے۔

ان الله يأمركم ان تؤدوا الاماناً
الى اهلها واذا حكمتم بين الناس
ان تحكموا بالعدل ان الله نعماً
يعظكم به ان الله كان سميحاً
بصيراً يا ايها الذين امنوا
اطيعوا الله واطيعوا الرسول
واولي الامر منكم فان تنازعتم
في شئ فردوه الى الله والرسول
ان كنتم تؤمنون بالله واليوم
الآخر ذلك خير واحسن تأويلاً

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم (ہر قسم کی) امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل اور حقدار ہیں اور (اے حاکمو!) جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل و انصاف سے کرو۔ بے شک اللہ تمہیں کیا خوب نصیحت فرماتا ہے اللہ سننا اور دیکھتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو پس اگر تمہارے درمیان (تمہارے اور اولوالامر کے درمیان) کسی بات پر نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف حتمی فیصلہ کے لئے لوٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے یہ

تحت اقتدار منصب اور حکومت ذاتی جائداد اور ملکیت کسی کی نہیں یہ ایک امانت اور ٹرسٹ ہے۔ اس آیت کی روشنی میں ان امانتوں کو صرف ان کے سپرد کرنا چاہیے جو امانتوں کے اہل اور حق دار ہیں۔ غیر مستحق اور نا اہل افراد کو یہ امانت سپرد نہیں کرنی چاہئے۔ لفظ امانت اپنے انہر ایک جہان معنی رکھتا ہے اور اس آیت سے اسلام کے سیاسی نظام کے بہت سے اصول مستنبط کئے جاسکتے ہیں۔

- ۱۔ اسلام میں حکومت شخصی اور موروثی نہیں ہے بلکہ ایک امانت ہے۔
- ۲۔ حکومت کے مالک حکام نہیں بلکہ غیر حکام ہیں جو کسی شخص کو سپرد کر کے اسے حاکم بناتے ہیں۔ اس لئے اقتدار و حکومت کا تحقق غیر حکام کی سپردگی کے ذریعہ ہوگا بالفاظ دیگر اس حکومت کو نمائندہ اور منتخب ہونا چاہئے۔
- ۳۔ منصب حکومت پر صرف حق دار اور اہل (الی اھلہ) شخص کو بٹھانا چاہئے۔
- ۴۔ حکام کے لئے عدل و انصاف کا حکم ہے یعنی ظلم و جور کی وجہ سے یا اہلیت کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے یہ معاہدہ قابلِ تنسیخ ہو سکتا ہے۔
- ۵۔ حاکم اور محکوم یکساں طور پر خدا اور رسول کے قانون کے تابع ہیں۔
- ۶۔ محکوم کو حاکم سے نزاع و اختلاف کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کی بنیاد قرآن و سنت ہو۔

۷۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اس نزاع کا فیصلہ ہوگا۔ قرآن و سنت کو حتمی اور قطعی حیثیت حاصل ہے۔

- ۸۔ قرآن و سنت پر مبنی فیصلہ کرنے والی عدالت کو حاکم کے اثر سے آزاد ہونا چاہیے۔
- ۹۔ صلاح و فلاح صرف اس نظام میں ہے جس کے اصول اوپر بتائے گئے۔

علماء اور محققین نے خلیفہ اسلام کے لئے متعدد بشرطیں بیان کی ہیں مسلمان ہونا آزاد ہونا عاقل و بالغ ہونا عادل اور عالم ہونا قریشی ہونا جنگی اور انتظامی امور میں باصلاحیت ہونا اور فاسق و فاجر نہ ہونا یہ سب شرطیں ہیں۔ بعض شرطوں میں اختلاف ہے اور بعض میں اختلاف نہیں ہے اس پر کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جائے گی۔

اختلاف اس میں ہے کہ فسق بعد میں پیدا ہوا یا فسق کی خبر نہ تھی تو بیعت ختم کی جاسکتی ہے یا نہیں ایک قول یہ ہے کہ صرف کفر کے ظاہر ہونے اور اقامت - صلوٰۃ کے نہ کرنے پر یا شریعت کے کسی حکم کے نہ ماننے پر بیعت ختم کی جاسکتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر کفر نہ بھی ہو لیکن فسق ظاہر اور معلوم ہو تو بیعت ختم کی جاسکتی ہے۔

اب اس زمانہ میں جو نبوت سے قریب تھا اور ان لوگوں کی موجودگی میں جنہوں نے نبوت کا اور خلافت راشدہ کا زمانہ پایا تھا قرآن کے عطا کردہ اصولوں سے خلفاء راشدین کے بابرکت طریقوں سے اگر کوئی انحراف پایا جائے اور ان نفوس قدسیہ کی آنکھوں کے سامنے ایسے شخص کو مسندِ رانی پر بٹھا دیا جائے جس کا دامن داغ داغ ہے اور پھر کوئی اضطراب نہ ہو اور مقاومت کے لئے کوئی کھڑا نہ ہو اور کوئی اس نظام کو چیلنج نہ کرے یہ بات عقلِ عام کے بھی خلاف ہے اور دینی ضمیر کے بھی خلاف ہے۔

زشت رونی سے تری آئینہ ہے رسوا نرا

وہ فاسقانہ ثقافت جو یزید کے دوز اور اس کے دربار میں پروان چڑھ رہی تھی تاریخ کی بے شمار کتابیں اس کی گواہ ہیں۔ یزید کے فسق و فجور کی بے شمار روایتوں کا انکار بعض اہل قلم نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ جن معتبر شخصیتوں نے یزید کے ہاتھ میں بیعت سے انکار کیا تھا ان کی زبان سے یزید کے فسق و فجور کی کوئی بات رکارڈ میں نہیں ہے اور ان کی زبان سے ہمیں کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جس سے اس کی بدکرداری کی شہرت عام کی تصدیق ہوتی ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ تو خیر القرون سے بہت قریب تھا۔ آج کے گئے گزرے دور میں بھی اہل دل علماء اور اصفیاء کی مجلسیں لوگوں کی بدکرداری کے ذکر سے خالی ہوتی ہیں اور فسق و فجور کا تذکرہ ان کی ثقاہت کے منافی ہوتا ہے۔ ان باتوں کا تذکرہ ان کی زبان پر بدرجہ مجبوری اور بوقتِ ضرورت آتا ہے اور صراحتاً کم اشارتاً زیادہ۔ امام حسینؑ نے شہادت سے پہلے جو خطبہ دیا ہے جس میں انھوں نے اپنے اقدام کی شرعی اہمیت بیان کی اس میں بھی یزید اور اس کے حلقہ بگوشوں کے کردار کی طرف اشارہ موجود ہے۔

”لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرمات الہی کو حلال کرنے والے خدا کے عہد کو توڑنے والے خدا اور رسول کے مخالف اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً و عملاً اس پر غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے اس شخص کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کر دے۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی اور رحمان کی اطاعت چھوڑ دی ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود الہی کو معطل کر دیا ہے، مالِ غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے اس لئے مجھ کو غیرت میں آنے کا زیادہ حق ہے۔“

حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے اہل مکہ کے سامنے تقریر کی اس تقریر میں انھوں نے حضرت حسینؑ کے مقامِ عظمت کو موثر انداز میں بیان کیا ہے اور یزید کے دامن کو معصیت سے آلودہ قرار دیا ہے۔

اما واللہ لقد قتلوه طویلاً باللیل
قیامہ کثیراً فی النہار صیامہ احق
بماہم فیہ منہم واوئی بہ فی الدین
والفضل اما واللہ ما کان یبدل
بالقران العناء ولا بالبکاء من
خشیتہ اللہ الحداء ولا بالصیام
شرب الحرام ولا بالمجالس فی
حلق الذکر الرکض فی تطلاب الصید
(یعرض یزید) فسوف یلقون غیا۔^۲

خدا کی قسم انھوں نے اس حسین کو قتل کیا جو رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دین و فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے بخدا وہ تلاوت قرآن کے بجائے گانے بجانے اور خوف الہی سے رونے کے بجائے نغمہ و سرود کا شغل نہیں رکھتے تھے نہ روزوں کے بجائے شراب نوشی میں مصروف رہتے تھے۔ نہ ذکر الہی کی مجالس کو چھوڑ کر شرکار کی جستجو میں گھوڑے کو ایڑ لگایا

کرتے تھے (یہ سب باتیں یزید پر طنز تھیں)
سو یہ لوگ عنقریب آخرت کی بربادی سے
دوچار ہوں گے۔

بلاذری کی روایت میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا جو بیان ہے اس میں یزید کے کردار
کے بارے میں صراحت پائی جاتی ہے۔

فبسط ابن الزبیر لسانہ فی یزید بن
معاویہ تنقصہ وقال بلغنی
انہ یصبح سکران ویمسی کذلک
عبداللہ بن زبیر نے یزید بن معاویہ کی مذمت
کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ وہ
نشہ کی حالت میں صبح اور نشہ کی حالت میں شام
کرتا ہے۔

یزید کی تنقیص و مذمت پر ائمہ دین و علماء اسلام صدیوں سے متفق رہے ہیں اور
جس کی شخصیت اہل دین کی نظروں میں سب سے زیادہ قابل نفرت رہی ہے، اور واقعہ کربلا
اور واقعہ حرہ کے بعد جس کی تعریف و تحسین کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اس دور میں بعض
اہل قلم اپنے سوادِ قلم سے اس کے سیاہ چہرہ کو پُرکشش بنانے اور سواد کو بیاض سے بدلنے
کی سعی لا حاصل میں لگے ہوئے ہیں اور بالواسطہ طور پر ان صحابہ کرام کو بھی مجروح کر رہے ہیں جو
میدان کربلا میں اور مدینہ منورہ میں یزید کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔

خود یزید کے بیٹے معاویہ بن یزید کی شہادت

میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس
کا اہل ہی نہ تھا۔ اس نے رسول اللہ کے
نواسے سے نزاع کی۔ آخر اس کی عمر گھٹ گئی
اور نسل ختم ہو گئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے
گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہو گیا۔ یہ کہہ کر
قُلْدَابِیْ اَلْاَمْرُوْكَانْ غِیْرَ اَھْلَہ
وَنَازِعِ ابْنِ بَنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ
صَلٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فَقَصَفَ
عَمْرَہٗ وَاَنْبَرَعَ قَبْرَہٗ وَصَارَ فِیْ
قَبْرَہٗ رَھِیْنًا بِذَنْوَبِہٖ یَکِیْ وَقَالَ

رونے لگے جو بات ہم پر سب سے گراں ہے وہ
یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت
ہمیں معلوم ہے۔ اس نے رسول اللہ کے قرابت
داروں کو قتل کیا شراب کو حلال کیا اور
بیت اللہ کو ویران۔

ان من اعظم الامور عينا
علمنا لسوء مصرعه وسوء منقلب
وقد قتل عترة رسول الله واباح
الخمر وخرب الكعبة ۱۷

حضرت عمر بن عبد العزیز کی شہادت

ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ
میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں
حاضر تھا کہ کسی شخص کی زبان سے یزید بن معاویہ
کا ذکر کرتے ہوئے (احتراماً) امیر المومنین یزید
کے الفاظ نکل گئے اس پر عمر بن عبد العزیز نے
فرمایا تو اس کو امیر المومنین کہتا ہے؟ پھر آپ نے
حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے لگائے جائیں
چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

حدثنا نوفل بن ابی اقرب کنت
عند عمر بن عبد العزیز ف ذکر
رجل یزید بن معاویہ فقال
امیر المومنین یزید فقال له
عمر تقول امیر المومنین فأمیر به فضربه
عشرین سوطاً ۱۸

علامہ ابن تیمیہ کی شہادت

یزید اپنے معاملات میں عادل تھا یا اپنے
عمل و کردار میں خدا کا فرماں بردار تھا یہ
ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں۔

کونه عادلاً فی کل اموره
مطیعاً لله فی جمیع افعاله
لیس اعتقاد احد من ائمة
المسلمین ۱۹

”وضع الید فی الید“ کی روایت

حضرت حسینؑ کی پیش کردہ شرطوں میں سے ایک شرط وضع الید فی الید کو کچھ لوگ اپنے موقف کے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آخر میں حضرت حسینؑ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے تھے۔ عربی زبان و ادب کے ذخیرے سے ایک جملہ بھی ایسا نہ مل سکے گا جس سے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا مفہوم بغیر کسی قرینے کے بیعت سمجھا جائے۔ دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے سربراہ جب باہم ملتے ہیں تو وضع الید فی الید کا واقعہ ہی پیش آتا ہے۔ لیکن وہاں کوئی کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا۔ فریق مخالف کے لوگ بھی گفتگو کے لئے باہم ملتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں اور پنجہ آزمائی سے لے کر مباہلہ تک کے لئے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ امام حسینؑ جیسی شخصیت جو شروع سے بیعت کے خلاف ہو کر ب و بلا کے اندیشے سے فوراً بیعت کے لئے یا سر جھکھلنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے مراد نہ تو بیعت و القیادہ ہے اور نہ مقابلہ و پنجہ آزمائی بلکہ مراد اصل حریف سے نفس معاملہ پر گفتگو ہے۔ اصل عربی عبارت یہ ہے:

ان اضع ید ی فی ید یزید بن معاویہ
فیری فیما بینی و بینہ دایہ
میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دوں پھر وہ
دیکھے میرے اور اس کے درمیان اس کی کیا
رائے ہوتی ہے۔

اس عبارت سے بیعت مراد نہیں بلکہ نفس قضیہ پر گفتگو مراد ہے۔
امام حسینؑ کی وضع الید فی الید کی تجویز بعینہ وہی تجویز ہے جو حُربن یزید تمیمی نے پیش کی تھی۔ مقام ذی حشم میں وہ جب ایک ہزار سپاہ کے ساتھ آپ سے ملا تو اس نے یہ کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ نہیں چلتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو عراق اور حجاز دونوں کے راستہ سے جدا ہو۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں آپ یزید کو لکھئے ممکن ہے مفاہمت کی صورت نکل آئے اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں۔ امام حسینؑ اس تجویز پر راضی ہو گئے یہی وہ تجویز تھی جسے

وضع الید فی الید کے الفاظ میں امام حسینؑ نے پیش کی تھی۔ اس سے مفاہمت کی گفتگو مراد ہے نہ کہ بیعت۔

اگر وضع الید فی الید سے مراد بیعت انقیاد ہوتی تو اس تجویز کو قبول کرنے کے بعد فوراً وہ خطبہ نہ دیتے جو اوپر نقل کیا گیا ہے اور جس میں اپنے اقدام کی شرعی اہمیت انھوں نے پوری قوت کے ساتھ پیش کی اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملک گیری کی ہوس کے لئے نہیں نکلے تھے۔

زیادہ سے زیادہ اس پیشکش سے مراد استسلام (Surrender) ہو سکتا ہے۔ ایک کمزور فوج اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج کے مقابلہ میں استسلام کی پیشکش کر سکتی ہے اور بات چیت کے ذریعہ اصولی اختلافات کے حل کا راستہ نکالنے کی دعوت دے سکتی ہے۔

”وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ“ پر عمل کا نمونہ

واقعہ یہ ہے کہ اقدام امام حسینؑ حق اور صبر پر تلقین کا بہترین نمونہ ہے۔ قرآن میں گھٹائے اور خسران سے بچنے والوں کے اوصاف میں ”وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ“ آیا ہے۔ حق اور صبر کی تلقین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں کہنے اور محلے سے لے کر نظام حکومت کی تبدیلی کا مفہوم اس میں شامل ہے۔ نظام وقت اور نظام حکومت کی تبدیلی کی کوشش فرض عین نہیں ہے کہ ہر شخص اس کا مکلف ہو۔ یہ وہ فرض کفایہ ہے جس کا بہر حال کچھ لوگوں کو بیڑا اٹھانا چاہئے اور اس فرض کفایہ کے ادا کرنے والے پوری امت کی طرف سے احترام اور شکر کے مستحق ہوں گے۔ بصورت دیگر پوری امت کو اس کی جواب دہی کرنی ہوگی لیکن یہ فرض کفایہ ان نفوس قدسیہ کے لئے جو اپنے اندر اس کام کی اہلیت و لیاقت پائیں، فرض عین بھی بن جاتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

وہ اسپرٹ آج بھی باقی ہے

یہ ہے واقعہ کربلا کا دینی اور نظر یا قیاسی منظر۔ اس کی عظمت کے لئے یہ بات کافی ہے
کہ اس کی اسپرٹ آج بھی کسی نہ کسی درجہ میں باقی ہے اور اس نے پوری اسلامی تاریخ میں
حکمران طبقے کو لگام دینے اور غلط روی پر بریک لگانے کی خدمت انجام دی ہے۔ اگر
اس طبقے کو جس کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہے مکمل اطمینان ہو جائے کہ نہ کوئی اس سے
باز پرس کرنے والا ہے نہ بے خوفی کے ساتھ کلمہ حق کہنے والا تو وہ طبقہ اپنی من مانیوں اور
مفسدہ پر دازیوں پر اور بھی شیر اور دلیر ہو جائے گا۔

آج کے اس دور میں بھی سنوسی تحریک اور انخوان المسلمون کی دعوت سے لے کر جہاد
افغانستان تک وہی شوق شہادت اور سرفروشی کی روح پائی جاتی ہے جس کا نمونہ سیکڑوں
سال پہلے ہمارے بزرگوں نے پیش کیا تھا۔ ان ہی کے فیض سے اہل ایمان کا ضمیر ہمیشہ زندہ
اور تازہ کار رہا ہے۔ اگر ان کے نمونے نہ ہوتے تو اسلام کی تاریخ تملق، چا پلوسی، اور مہانت
کی تاریخ ہوتی خاک کے آغوش میں بس تسبیح و مناجات باقی رہ جاتی جو جمادات و نباتات
زاحفات و حشرات کا دین ہے۔ وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کا نمونہ کہیں نظر نہ آتا جو
مردانِ احرار و حق آگاہ کا مذہب ہے۔

آخر میں ایک بات اور

واقعہ کربلا یا کسی بھی اسلامی تاریخ کے واقعہ کو سمجھنے اور اس پر صحیح تبصرہ کرنے

کے لئے سب سے پہلے صحیح زاویہ نظر کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں دین اسلام کی ایک حیثیت تو وہ ہے جو نمونہ اور معیار کی ہے۔ یہ وہ دین ہے جس میں اس کے داخلی تقاضے اور خارجی تقاضے دونوں بدرجہ اتم پورے ہوتے ہیں، انفرادی سطح پر معاشرہ میں تقویٰ اور خوفِ خداوندی موجود ہوتا ہے ذکر و عبادت سے فضا معمور ہوتی ہے اور اجتماعی سطح پر اسلامی قوانین پر عمل ہو رہا ہوتا ہے معاشرت اور سیاست کا نظام اسلامی اصولوں پر مبنی ہوتا ہے اور اس نظام میں رخنہ اندازی نہیں ہوتی ہے۔ اسلام کی اشاعت و جہاد کا کام انجام پاتا ہے۔ دین اسلام کی دوسری حیثیت وہ ہے جو نمونہ اور معیار تو نہیں ہے لیکن وہ کام چلاؤ اور عام طور پر معمول بہ دین ہے۔ اس معمول بہ دین میں ذکر و شغل اور تسبیح و تلاوت اور اپنے اپنے محدود حلقوں میں تذکیر اور تزکیہ نفس کا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اقتدار و وقت پر دین کی بالادستی باقی نہیں رہتی جس کے اثرات معاشرہ پر پڑنے لگتے ہیں۔ علامہ اقبال نے دونوں کا فرق اس طرح بیان کیا ہے:

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل

یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہب مردانِ خود اس کا ہر خدا مست

یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

اگر حالات سازگار نہ ہوں اور فتنہ قوی ہو چکا ہو اور عزیمت بھی مفقود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ معمول بہ دین پر عمل کر لیا جائے۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے لایکلف نفساً الا وسعھا لیکن یہ تو نہ ہونا چاہئے کہ ایک انسان معمول بہ دین کے فلسفہ کا مبلغ بن جائے اور جو نمونہ اور معیار ہے اس کی آرزو تک باقی نہ رہے

ایک مرض اور اس کے اسباب

پہلے یہ چند حدیثیں پڑھ لیجئے

مجھے اپنے اہل بیت حسن اور حسین سے محبت ہے۔

۱۔ احب اہل بیتی الحسن والحسینؑ

۲۔ عن زید بن ارقم ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال :
لعلی و فاطمہ والحسن
والحسین انا حرب من حاربہم و
سلم لمن سالمہم

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات
علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بارے
میں فرمایا جو ان سے لڑے میری ان سے لڑائی
ہے اور جو ان سے صلح کرے میری ان سے صلح
ہے۔

۳۔ ہمارے جانناں من الدنیا
حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری دنیا
کے دو پھول ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کو یہ نصیحت کی :

۴۔ ارقبوا محمد اُصلی اللہ فی
اہل بیتہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے
ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کا پاس و لحاظ رکھو۔

بخاری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے :
”قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے اہل قرابت کی صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب
ہے۔“

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں قرابت رسول کی تشریح کرتے ہوئے
لکھا ہے۔

۱۔ رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۰

۲۔ صحیح بخاری مناقب الحسن والحسین

۳۔ بخاری باب مناقب قرابتہ رسول اللہ

جس مسلمان کا رشتہ نسب عید المطلب سے
ملتا ہو جیسے علیؑ اور ان کے دونوں رط کے

من ینسب لعید المطلب
مؤمناً کحلی وبنیہ

اوپر کی روایات اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے
اہل بیت بالخصوص حضرات حسین پر بے اندازہ شفقت فرماتے تھے۔ گزشتہ بحثوں سے
یہ بھی ثابت ہے کہ ہر دور میں ائمہ فقہاء اور محدثین اور علماء جگر گوشہ رسول سے محبت اور یزید
سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ علم کلام اور عقائد کی کتابوں میں یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ حق حضرت
حسین کے ساتھ تھا۔ اس بات کو عقیدہ کا جزر اس لئے غالب بنا دیا گیا کہ یہ اندیشہ موجود تھا
کہ مسلمانوں کو اس بارے میں گمراہ کیا جاسکتا ہے چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے:

اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ
کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس پر خوش
ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا ان تمام
امور کی تفصیلات کو بطریق احاد مروی ہوں
لیکن معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین
واستبشارہ بذلت واہانتہ
اہل بیت النبی علیہ السلام
مما تواتر معناه وان کان
تفاصیلها احاداً ۱

ان احادیث اور ائمہ و علماء کی تصریحات کی موجودگی میں حضرت حسین کے اقدام کو غلط
ثابت کرنے کی کوشش کرنا یا واقعہ کربلا کی اہمیت کو گھٹانا اور یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنا
ایک طرح کا نفسیاتی مرض ہے۔ اس مرض میں گرفتار لوگوں کے ذہن و فکر کا جائزہ لیا جائے
اور تحلیل نفسی کی جائے تو درج ذیل اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور نکل آئے گا۔

۱۔ تصور دین کی غلطی، یعنی شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ سمجھ لینا کہ دین کا معاملہ
ایک انفرادی معاملہ ہے اور ایک فرد کے لئے ذاتی زندگی کی اصلاح تقویٰ اور تعلق مع اللہ
کافی ہے۔ خلیفہ کیسا ہو عقد خلافت صحیح طریقہ سے ہو یا جبر و استبداد کے ذریعہ یہ اور دیگر
سیاسی معاملات کا براہ راست دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے یزید کی مخالفت کر کے حضرت

حسین نے بے جا اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنی جان گنوائی۔

۲۔ شیعیت کے معاملہ میں حد سے بڑھی حساسیت۔ یعنی ردِ شیعیت میں اتنے غلو کہ اہل بیت سے اور خاص طور پر سبطِ رسول سے والہانہ محبت کا اگر کسی نے اظہار کیا اور یزید پر لعنت و ملامت کی تو اس میں شیعیت کی بو اور تو محسوس ہونے لگے اور ایسے جذبات کا رشتہ فوراً شیعیت سے جوڑ دیا جائے۔ یا زبان سے یہ بات نہ کہی جائے لیکن خود انسان کا سینہ نقدِ شیعیت میں انتہا پسندی کی وجہ سے اس طرح کے لطیف جذبات سے بالکل خالی ہو جائے اور حضراتِ حسین سے واقعی محبت دل میں نہ پائی جائے۔

۳۔ تیسرا سبب حد سے بڑھی ہوئی عقلیت اور عشقِ رسول میں کمی یا اس سے محرومی کا روگ ہے جو مغربی تہذیب کے استیلاء کے دور میں ترقی پذیر ہے۔ کچھ لوگوں میں تو دل میں چھپا ہوا روگ زبان پر بھی آجاتا ہے اور یہ کہا جانے لگا ہے کہ ہمیں تو محمد رسول اللہ سے غرض ہے نہ کہ محمد بن عبد اللہ سے۔ یعنی ذاتِ گرامی کی تشریعی حیثیت سے بحث ہے نہ کہ آپ کی ذاتی زندگی سے۔ اس لئے آپ کی سنتوں کا اتباع اور آپ کی محبوب چیزوں کو محبوب رکھنا اور آپ کے اسوۂ حیات سے عشق ایک غیر ضروری چیز ہے۔ جب یہ معاملہ رسول کے ساتھ ہے تو سبطِ رسول سے محبت کا سوال ہی کہاں اٹھتا ہے اور جب عشق و محبت نہیں تو اس بارے میں غیرت و حمیت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ غیرت کا گہرا تعلق عشق سے ہے۔ لیکن ابھی تک مخالفینِ حسین اور مؤیدینِ یزید میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو زبان سے یہ بات تو نہیں کہتے لیکن اگر وہ خود اپنے دلوں کا جائزہ لیں گے تو محسوس ہو گا کہ محبتِ اہل بیت یا تو سرے سے نہیں ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے۔

سچ یہ ہے کہ عشقِ بنوی کا معاملہ محض جذباتی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کی تشریعی حیثیت ہے اور اس محبت کے لئے نصِ صریح موجود ہے اور اس محبت میں کمی نہ پیدا ہونے کے لیے خصوصی احکامات نازل فرمائے گئے ہیں۔ دین کے اصل مزاج کے بقار اور تسلسل اور اس امت کی حفاظت کے لئے اس عشق و محبت کی حیثیت مستحکم قلعہ ہے اور اس کے بغیر نہ دین کی حفاظت ہو سکتی ہے اور نہ دین سے وابستہ امت کی۔

تاریخی مطالعہ یا معروضی مطالعہ کے حوالہ سے واقعہ کربلا کی اہمیت کو گھٹانے اور حضرت
 حسینؑ کے سرفروشانہ اقدام کی عظمت کو کم کرنے کی کوشش کرنے والوں میں مذکورہ تین
 اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور مل جائے گا اور دینی روحانی اور سماجی علوم کے لئے بھی
 کوئی خود دینی کا آلہ موجود نہ ہوتا تو ان جرثوموں میں سے کوئی ایک جرثومہ ضرور دیکھ لیا جا
 سکتا۔

دین کے بارے میں صحیح اور متوازن تصور کو ذہن میں جاگزیں کرنا اور جمہور اہل سنت
 کے موقف کی صحت پر یقین اور عشق کے آبِ حیات سے تخمِ دل کی آبیاری نہ صرف واقعہ کربلا
 کے غلط مطالعہ کے سلسلہ میں نفسیاتی مرض کا علاج ہے بلکہ یہ بہت سے فکری اور نفسیاتی
 امراض کا علاج بھی ہے۔ یہ وہ نسخہ شفا ہے جس سے قلب و نظر کی بیماریوں کے بہت سے
 مریض شفا یاب ہو سکتے ہیں۔

شہادت کے بدلے پر افتراء



از مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ

نواصب کون ہیں | ”نواصب“ ”ناصبیہ“ اور ”اہلِ نصب“

تاریخ میں ان لوگوں کا لقب ہے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی آل و اصحاب کے خلاف بغض و عداوت کا علم بلند کر رکھا تھا، چنانچہ علامہ زمخشری ”اساس البلاغہ“ میں لکھتے ہیں۔

وَنَاصِبٌ لِّفُلَانٍ، عَادِيْتُهُ نَصْبًا
وَمِنْهُ النَّاصِبِيَّةُ وَالنَّوَاصِبُ
وَأَهْلُ النَّصَبِ الَّذِينَ يَنْصِبُونَ لِعَلِيٍّ
كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ

نَاصِبٌ لِّفُلَانٍ کے معنی آتے ہیں میں نے
اس سے عداوت کھڑی کی، چنانچہ جو لوگ
حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت
رکھتے ہیں ان کو اسی بنا پر ”ناصبیہ“ ”نواصب“

اور ”اہلِ نصب“ کہتے ہیں۔

جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے
تبری و بیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے۔ بعینہ یہی طریقہ
نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے۔

نواصب کا خاتمہ

مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہو گیا، تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو ”شیعہ مروانیہ“ و ”شیعہ امویہ“ اور ”شیعہ عثمانیہ“ بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہو گیا۔ اور پھر دنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہو گئی، چنانچہ علامہ تقی الدین احمد بن علی المعروف بالمقرئ بنی اپنی مشہور و معروف کتاب ”المخطوط والاثار فی مصر والقاهرة والنیل وما يتعلق بہا من الالہات“ میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل مروان وانقضت ایام بنی امیہ ببنی العباس فی سنة ثلاث وثلاثین ومائة خمدت بجرة اصحاب المذهب المروانی وهو الذین كانوا یسبون علی بن ابی طالب ویتبرؤن منه، وصاروا سند ظہر بنو العباس میخافون القتل ویخشون ان یطلع علیہم احد الا طائفة كانت بناحية الواحات وغیرہا، فانہم اقاموا علی مذهب المروانیة دہراً حتی فنوا ولحقیق لہم الان بدیار مصر وجود البتہ۔

جب مروان الحمار بنی امیہ کا آخری تاجدار، قتل ہو گیا اور بنی امیہ کے ایام حکمرانی بنی عباس کے ہاتھوں ۱۳۳ ہجری میں ختم ہو گئے تو اصحاب مذہب مروانی کی چنگاری بھی بجھ گئی، یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبراً اور سب و شتم کیا کرتے تھے اور جب بنی عباس کا ظہور ہوا ان کی یہ حالت ہو گئی کہ اپنے قتل سے خائف رہنے لگے اور ڈرتے رہتے کہ کہیں کسی کو ان کی اطلاع نہ ہو جائے، ہاں ایک چھوٹی سی جماعت جو ”واعات“ (مصر کے بالائی مغربی علاقہ وغیرہ کے اطراف میں تھی، وہ ایک مدت تک مروانی مذہب پر جمی رہی۔

(ج ۱ ص ۳۳۸ طبع بولاق مصر ۱۳۳۸ھ)

بالآخر وہ بھی فنا ہو گئی اور اب دیارِ مصر
میں ان کا سرے سے کوئی وجود ہی باقی
نہیں۔

اور برصغیر ہندو پاک تو ان کے وجود
نامعلوم سے شروع ہی سے پاک چلا

برصغیر میں ناصبیت کی تحریک

آتا تھا، تا آنکہ حال میں محمود احمد عباسی امر دہوی نے "خلافتِ معاویہ و یزید" لکھ کر
اس فتنہ کو نئے سرے سے ہوا دی اور اس کے مرجانے کے بعد کمیونسٹوں اور منکرین
حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عباسی کے قبیحین کی پیٹھ ٹھونکی اور ان کو "ناصریت"
کے مشق کو فروغ دینے پر لگا دیا، چنانچہ اب مختلف ناموں سے انہیں قائم ہو گئی ہیں جن
کا کام ہی اہل سنت کو راہِ اعتدال سے ہٹانا ہے، اسی سلسلہ کی ایک انجمن "مجلس
حضرت عثمان غنی" کراچی ہے، جس کے شائع کردہ پہلے کتابچہ پر مکمل تنقید "ناصری سازش"
کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اور اب یہ اس مجلس کے شائع کردہ دوسرے کتابچہ کا
مختصر سا جائزہ ہے۔

یہ کتابچہ بھی چھوٹی "تقطیعِ بہتیں" صفحات کا ہے جس کا نام ہے "داستانِ کربلا
حقائق کے آئینہ میں" اس کے مرتب بھی وہی "احمد حسین کمال" (سی ۱۵۳، کورنگی ۱۰۰
کراچی ۱۳) ہیں، یہ سلسلہ مطبوعات "مجلس حضرت عثمان غنی" کی دوسری کڑی ہے۔

مجلس عثمان غنی کا تعارف اور پروگرام

الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

”مجلس حضرت عثمان غنی“ دراصل تطہیر تاریخ اور تصفیہ اذہان کی اس تحریک کا نام ہے جس کے پیش نظر ان حضرات صحابہ کرام کے متعلق اغیار و اشعار کے نامبارک ہاتھوں مرتب کردہ تاریخی اکاذیب و اباطیل کی اصلاح اور چھان پٹک ہے جنہوں نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کے انقلابی پروگرام کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر قبول کیا اور پھر تن، من، دھن کی بازی لگا کر اطرافِ عالم میں اسے پھیلایا۔۔۔۔۔ لیکن چونکہ اولین اہل قلم۔۔۔۔۔ عموماً انہی عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں جن کی شوکت و حکومت۔۔۔۔۔ ان ہی مقدس صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں۔۔۔۔۔ پیوند خاک ہوئیں، بنا بریں، انہوں نے اپنے کفر و زندہ اور جذبہ انتقام کو لفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدرِ اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محبین امت کے حسین کردار و حقیقی خد و خال پر مفتریات و کمذبات کی گہری نہیں چھڑ گئیں۔۔۔۔۔ تاریخ کا یہی وہ اہم گریبی پیچیدہ موضوع ہے جسے انہیں تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ، ڈھونڈ کر حقیقی انصاف، روایت و درایت کے جملہ حقوق کی رعایت رکھتے ہوئے مرتب کرنا اور مسلمان قلم کو اس پر غور و فکر اور پھر قبول کی دعوت دینا۔۔۔۔۔ مجلس حضرت عثمان غنی کے پیش نظر ہے۔۔۔۔۔

جو اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اور اسلام کا سچا درد رکھتے ہیں ”مجلس حضرت عثمان غنی“ کی اس کوشش کو کامیاب بنائیں اور صداقت کے علمبردار بن کر دنیا و آخرت میں اپنا مقام بلند کریں۔ (داستانِ کربلا ص ۳۰ و ۳۱)

”مجلس حضرت عثمان غنی“ نے تطہیر تاریخ اور تصفیہ اذہان کی جو ہم چلائی ہے

اس کا ایک نمونہ تو ”اکابر صحابہ پر بہتان“ میں گزرا، اب تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مجلس نے جس طرح اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں پیش کیا یا درحقیقت اسے مسخ کیا ہے اس پر نظر ڈالیں !

اس کتابچہ کا نام ”داستانِ کر بلا“ حقیقت میں اسمِ باسٹی ہے عربوں کے کاتبوں کی طرح ایک نسخ میں سو جھوٹ لکھ کر یہ داستان تیار کی گئی ہے۔ اردو ادب کے سب سے طویل افسانے ”داستانِ امیر حمزہ“ کی طویل و عریض اور ضخیم جلدیں اگر کسی کی نظر سے گزری ہیں اور اس نے نوشیروان نامہ، ہر مرنامہ، کوچک باختر، بالا باختر، ایمنج نامہ، طلسم ہوش ربا، بقیہ طلسم ہوش ربا، صندلی نامہ، تورنج نامہ، لعل نامہ، طلسم خیالِ سکندری، طلسم کوخیز جمشیدی، طلسم زعفرانی زار سلیمانی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے تو اس کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ اس طویل داستان میں اتنا تو پیچ ہے کہ اس افسانے کے ہیروز امیر حمزہ، عمرو بن امیہ ضمری، معدیکرست، مالک اشتر، لندہمد، ابن سعدان، نوشیروان، بزرجمہر، افراسیاب، زمر و شاہ باختری وغیرہ کا تاریخی وجود تو بے شک تھا اور ان نام بردگان میں سے سابق چار افراد عرب سے تعلق رکھتے تھے اور بقیہ پچھلے پانچ عجم سے، لیکن ”داستانِ امیر حمزہ“ پڑھنے والوں میں شاید ہی کوئی ایک آدمی اتنی ایسا ہو جو اس داستان کو صحیح سمجھتا ہو اور اس جھوٹ کو پیچ باور کرتا ہو، خود لکھنؤ کے شیعہ داستان گو، محمد حسین جاہ اور تصدق حسین قرنہ بھی جن کے قلم سے ”داستانِ امیر حمزہ صاحبِ قرآن“ کی طویل و ضخیم جلدیں نکلی ہیں، کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ”داستانِ امیر حمزہ صاحبِ قرآن“ کی کوئی تاریخی حیثیت بھی ہے،

مگر آفرین ہے ”مجلس عثمانِ غنی“ کے ارکان اور اس مجلس کے ہیروز احمد حسین کمال بدجنہوں نے اپنے جی سے گڑھ کر ”داستانِ کر بلا“ لکھی اور اس پر بعد مطراق یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ دروغ ہے فروغ ایک تاریخی حقیقت ہے اور یہ داستان

”حقائق کے آئینہ“ میں سپرد قلم کی گئی ہے، سچ ہے۔

اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ ، بے حیا باشش و ہرچہ خواہی کن۔

”مجلس عثمان غنی“ کے لیے تو واقعی یہ خوشی کا مقام ہے کہ انہوں نے یہ کتابچہ لکھ کر لکھنؤ کے شیعہ داستان گو یوں کو جھوٹ بولنے میں بھی مات کر دیا۔

آفریں باد بریں ہمت مروانہ تو

اب ذرا دل پکڑ کر اس داستان کو پڑھیے اور احمد حسین کمال نے داستان سرائی میں جو کمال دکھایا ہے اور افسانہ طرازی میں جس جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے اسے ملاحظہ کیجئے۔

خود ساختہ ”داستان کربلا“

”داستان کربلا“ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بعث اهل العراق الى الحسين الرسل والكتب يدعوناه اليهم

فخرج متوجهاً اليهم في اهل بيته وستين شخصاً من اهل

الكوفة صحبة۔ (البداية والنهاية، جزء ہفتم ص ۱۵۳)

۲۲ رجب ۶۰ کو امیر المومنین حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو گیا۔ ۲۸

رجب ۶۰ ہجری کو امیر مزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو گئی شعبان ۶۰

میں حضرت حسینؓ اہل و عیال سمیت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لے

آئے، اس وقت حضرت حسینؓ کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔

کوفہ میں رہنے والے شیعان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ

مدینہ سے مکہ آکر مقیم ہو گئے ہیں تو انہوں نے آپ کے پاس یکے بعد دیگرے

قاصد پر قاصد روانہ کرنے شروع کر دیے کہ آپ کوفہ تشریف لے

آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو خلیفہ بنانا

چاہتے ہیں۔

آپ نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے اپنے تایا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا، کوفہ میں رہنے والے شیعانِ علی کے پیغامات اب بھی برابر آرہے تھے، حتیٰ کہ ساٹھ کوفیوں کا ایک وفد بہت سے خطوط لے کر آپ کے پاس پہنچا، شروع کی عبارت مشہور عربی تاریخ "البدایہ والنہایہ" سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اہلِ عراق (کوفہ) نے حضرت حسین کے پاس متعدد پیغامبر اور بکثرت خطوط بھیجے کہ آپ کوفہ آجائیں، چنانچہ حضرت حسین اپنے اہل بیت کو لے کر ساٹھ کوفیوں کی معیت میں کوفہ روانہ ہو گئے۔

منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسین مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت تک امیرِ نجد کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہو چکے تھے اور امیرِ نجد کے ہاتھ پر ماسوا عبد اللہ بن زبیر اور کوفہ کے چند سو آدمیوں کے شام، عراق، مصر، اور عرب کے تمام مسلمان بیعت کر چکے تھے۔ ان بیعت کرنے والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۸۹۵ صحابہ کرام شامل تھے جو اس وقت حیات تھے۔

جب حضرت حسین اپنے قافلہ کے ساتھ زُرّود پہنچے تو وہاں آپ کو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل، کوفہ میں قتل ہو گئے ہیں۔ اس سانحہ کی اطلاع سے آپ دل برداشتہ ہوئے اور واپس مکہ چلا جانا چاہا، لیکن جو ساٹھ کوفی ساتھ تھے، انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور کوفہ چلیں۔ مسلم بن عقیل کی بات اور تھی۔ آپ کی حیثیت دوسری ہے، کوفہ کے شیعانِ علی

آپ کا ساتھ ضرور دیں گے، موضع زُرُود، مکہ سے کوفہ جانے والے راستہ پر "۱۸ ویں" منزل پر واقع ہے اور مکہ سے اس منزل تک کی مسافت ۴۵۹ عربی میل ہے، مسلم بن عقیل کی وفات کی خبر سن کر اور کوفیوں کی سابقہ بے وفائیوں، غداروں کا احساس کر کے آپ اسی مقام پر رک گئے جو کوفی آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے وہ کوفہ چلتے پر اصرار کرتے رہے اور آپ جانے میں تردد فرماتے رہے۔

کوفہ کی حکومت کو جب آپ کے موضع زُرُود میں رک جانے کی اطلاع ملی تو صورتحال معلوم کرنے کیلئے عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا..... ان دونوں نے حضرت حسین سے ملاقات کی اور آپ کا ارادہ اور منصوبہ معلوم کیا، آپ نے فرمایا:-

میں کوفیوں کے بلانے اور اصرار کرنے پر کوفہ آ رہا تھا، ان کے یہ سلیکٹروں خطوط میرے پاس مکہ میں آئے اور متعدد قاصد بھی زبانی پیغامات لاتے رہے، میں نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو دریافت حال کے لیے کوفہ بھیجا تھا، ساتھ کوفی جواب میرے ساتھ ہیں، مسلم کا خط لے کر میرے پاس آئے کہ کوفہ آجائیں، اہل کوفہ بیتابی سے

آپ کے منتظر ہیں، چنانچہ ان ساتھ کوفیوں کے ساتھ میں کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا یہاں آکر معلوم ہوا کہ کوفیوں نے مسلم بن عقیل کو دھوکہ سے قتل کر دیا، اس لیے اب، میرے سامنے یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ شام چلا جاؤں اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنا معاملہ طے کر لوں،

عمر بن سعد نے کوفہ کے گورنر ابی زیاد کو اس صورت حال سے اور حضرت حسین کے ارادہ سے مطلع کر دیا، عبید اللہ بن زیاد نے قبلت کہہ کر منظوسی دے دی اور ساتھ ہی احتیاطاً عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ حضرت حسین کے قافلہ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا، تاکہ جو کوئی حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں وہ آگے چل کر حضرت حسین کو کسی اور راستہ کی طرف نہ لے جائیں یا کہیں اور شرارت نہ کھڑی کر دیں، تاہم یہ دستہ حسینی قافلہ سے ذرا فاصلہ پر رہ کر چلا۔

مقام ”واقصہ“ سے حضرت حسین نے کوفہ جانے والی راہ چھوڑ دی اور اب ”القرعہ“ اور ”مفیشہ“ کی منزلوں سے ہوتے ہوئے دمشق کی راہ پر چل پڑے، ۹ محرم کی شب کو ”العذیب“ اور ”قصر مقاتل“ کی منزلیں طے کر کے آپ نے ”الطف“ کی سرسبز و شاداب زمین میں ”کربلت“ کے مقام پر جہاں پانی کے چار چشمے بہتے ہیں، قیام فرمایا اسی ”کربلت“ کو ”کرب و بلا“ کے معنی پہنانے کے لیے کربلا بنا دیا گیا۔ ”کربلت“ عربی میں مرطوب جگہ کو کہتے ہیں۔

۱۔ یہ بھی داستان سرائی کا ایک جزو ہے مگر ناہیوں کے ”امام التاریخ“ عباسی صحت یہ لکھتے ہیں، ”ارض الطنف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین“، کربلا کہلاتی تھی، جو روروں، ننگروں، بوجھاڑ، جنگار سے صاف اور نرم و ملائم زمین تھی، نیز جو قریہ مذکور کی فصل غلہ پھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بنا پر ”کربلا“ کہلاتی تھی، خلافت معاویہ ویزید ص ۲۰۵، ۲۰۶ طبع چہارم، یاد رہے ”تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں موضع ”کربلا“ کا تو ذکر آتا ہے مگر ”کربلت“ نامی کسی مقام یا موضع کا ذکر نہیں ملتا۔ آخر وہ داستان ہی کیا جس میں بھوٹ نہ ہو۔

گربت دریا ئے فرات سے مینٹ میل دُور اور کوفہ سے پچیس میل کے
فاصلہ پر واقع ہے۔

دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ
دشمن نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل
شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا حتّٰی کہ آپ نے
یہاں تک فرمایا،

”افسوس تمہیں لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علی
کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن
کو زخمی کیا اور مایوس بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بنی
عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کر دیا، سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ
میں آجائے بڑا احمق ہے۔“

(جلال الجوان، طبری)

شاٹھوں کو فی یہ سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین کا ان کے قابو میں آنا مشکل
ہے، لیکن ان سے جدا ہونا اپنی زیاد کی گرفت میں پڑ جانا ہے جو یقیناً
عبرت ناک سزا دے کر رہے گا۔ اپنی زیاد کا فوجی دستہ ساتھ میں لے
اس لیے ان سب نے باہم صلاح و مشورہ کر کے عصر و مغرب کے درمیان
کیمپ میں ہنگامہ برپا کرنے اور قافلہ حسینی کے تمام افراد کو ہلاک کر کے
رات کی تاریکی میں بھاگ نکل جانے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ عصر کی نماز کے
بعد یہ سب کے سب ایک دم حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کے
خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، خیمہ
میں شور برپا ہو گیا، بچے عورتیں وغیرہ خیمہ سے باہر نکل آئے، کچھ لوگ دفاع

اور جوانی کا روانی کرنے لگے، اس شور و غل اور ہنگامہ کی آواز دور محافظ
دستے نے بھی سنی، مگر شمر اور عمر بن سعد بنی کیمپ کی طرف دوڑے، شام
کا جھپٹا ہو چکا تھا، ان سب نے اگرچہ تمام کوفیوں کو گھیر کر اور پکڑ کر
قتل کر ڈالا، ایک آدھری پنج کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو سکا، لیکن افسوس
اس دوران حضرت حسینؑ کی زخم کھا کر شہید ہو چکے تھے، ان کے صاحبزادے
علی اکبر اور عبداللہ بھی قتل ہو گئے تھے، حضرت حسن کے تین صاحبزادے
عبداللہ، قاسم، ابو بکر بھی قتل کر دیے گئے تھے، عبداللہ بن جعفر کے
لڑکے عون اور محمد بھی مارے گئے تھے اور حضرت عقیل کے چاروں لڑکے
جعفر، محمد عبدالرحمن، عبداللہ اور عبداللہ ثانی بھی مارے جا چکے تھے
یعنی جب تک عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حرّ خانہ ان علی کو
کوفیوں کے حملہ سے بچانے کے لیے دوڑ کر پہنچے، اس خاندان کے
اکس افراد حضرت حسین سمیت شہید کیے جا چکے تھے، مگر بھی کوفیوں
کو مارتے ہوئے ایک کوفی کے فارسے قتل ہو گئے۔ یہ المناک سانحہ
۱۰ محرم ۶۱ ہجری مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء بمذہب کے دن پیش آیا
بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سانحہ ۱۰ صفر کو ”کربلا“ کے بجائے
”نینوا“ کے مقام پر پیش آیا۔ بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خاندان علی کی
لشوں کو اکٹھا کیا، ان کی ناز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ
دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا۔ بلکہ دستہ کے بعض سواروں
نے انھیں پامال بھی کیا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، خاندان علی کے

بچے کچھے افراد خواتین کو کوفہ و کراہ سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعیان علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی، اپنی ہمدردیاں جٹائیں، انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مگر چٹے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنہیں زخمی کر کے کوئی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں، مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے، اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد، اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے فرمایا،

”اے خداؤ! اے مکارو! ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا۔“

خاندان علی کے افراد کچھ عرصہ کوفہ میں ابن زیاد کے ہمان رہے، پھر بلوری حفاظت اور آرام کے ساتھ دمشق روانہ ہو گئے، جہاں ایک مدت تک ان سب نے خلیفہ یزید کے محل میں قیام کیا، امیر یزید کے ہاتھ بیعت کی اور مدینہ واپس آکر جوار رسول میں حسب سابق رہنے لگے۔

خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہ کے طریقے کے مطابق حضرت حسین کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد خاندان کے پیش بہا و فیض مقرر کر دیے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

(از ص ۳ تا ص ۱۲)

یہ ہے ”مجلس حضرت عثمان غنی“ یعنی حال کے ”مذہب مروانی“ کے داستان گو احمد حسین کمال کی بنائی ہوئی داستان جو ابھی آپ کی نظر سے گزری اور جس میں اس امر

کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ ”شیعان اموی“ کے خلیفہ برحق یزید بن معاویہ اور اس کے ظالم گورنر عبید اللہ بن زیاد اور یزیدی لشکر کے سپہ سالار عمر بن سعد اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں پیش پیش رہنے والے شخص شمر ذی الجوشن پر کوئی فراسی بھی آپس نہ آنے پائے، کیونکہ شیعان بنی امیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے خلفاء کی نیکیاں سب اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں اور ان کے گناہ سب معاف ہیں نیز خلیفہ وقت کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے خواہ اس کا حکم صحیح ہو یا غلط، یہ بھی واضح رہے کہ اس دور کے سب لواصب اگرچہ اس امر میں سخت کوشاں ہیں کہ جہاں تک بن سکے خلیفہ یزید کی پوری پوری تعظیم بجالائی جائے اور اس کے تمام ظالم کارندوں کی ظالمانہ کاروائیوں پر نہ صرف یہ کہ پردہ ڈالا جائے بلکہ ان الزام منطوقوں کے سر تھوپا جائے، واقعہ کہ ہلاکی ذمہ داری خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء کے سر ڈالی جائے، حقہ کے منطوق کا ذمہ وار مدینہ طیبہ کے حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کو قرار دیا جائے اور مکہ معظمہ کے محاصرہ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر الزام عائد کیا جائے اور اس کار شرم میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس ہشیاری اور جہال کی کے ساتھ کام میں لایا جائے، کہ سادہ لوح عوام گمراہی میں پڑ جائیں اور ان کے دھوکہ اور فریب میں آکر سلف صالحین صحابہ و تابعین اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدظن ہو جائیں، لیکن تاہم جھوٹ آخر جھوٹ ہی ہے اس لیے کسی نہ کسی مرحلے پر جا کر اس جھوٹ کی قلعی کھل ہی جاتی ہے۔

اس داستان کے پہلے جھوٹ کی تنقیح (۱) اپنا سنجہ احمد حسین کمال داستان گو نے اگرچہ حضرت حسین

رضی اللہ عنہ کا قاتل ان ساٹھ کو فیوں کو بتایا ہے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میت میں مکہ سے چلے تھے اور راستہ بھر آپ کو درغلائے کی کوشش کرتے رہے، لیکن جب آپ ان کے درغلائے میں نہ آئے اور امیر نزید کی بیعت کا مصمم ارادہ کر لیا تو یہ ساٹھوں کوئی سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے قابو میں آنا مشکل ہے اس لیے سب کے سب صلح و مشورہ کر کے عصر کی نماز کے بعد ایک دم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کرام کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کا محافظہ دستہ جو کاروان اہل بیت کی حفاظت کے لیے کوفہ کی حکومت نے بھیجا تھا وہ بھی اس آفت ناگہانی سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہل بیت کو نہ بچا سکا مگر ان "شیعہ مروانیہ"، "مجلس حضرت عثمان غنی" کے "امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی" کا جس کے لیے یہ نامی "رحمۃ اللہ" بھی لکھتے ہیں، یہ بیان ہے۔

۱۔ "مجلس حضرت عثمان غنی" نے اپنے سلسلہ اشاعت کے چھٹے نمبر پر جو کتابچہ "علی المرتضیٰ" کے نام سے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۲۱ پر یہی الفاظ ہیں

"امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ"

ان کے علامہ ہونے کا تو راقم الحروف کو ذاتی تجربہ ہے، بار بار ملاقاتیں ہوئیں اور مجلس گفتگو پر پتہ چلا کہ جناب کی فارسی کی استعداد ہی نام نہاں ہے، عربی کا تو کیا ذکر اہل علم حضرات اگر ان کی تالیف "خلافت معاویہ و یزید" میں انھوں نے جو عربی فارسی عبارتوں کا ترجمہ کیا ہے اس کا جائزہ لیں تو ان "علامہ صاحب" کی ساری علمی حیثیت عیاں ہو جائے گی اور ان کی "شیخ الاسلامی" کی شان معلوم کرنا ہو تو ان کے جاننے والے امر وہ کہہ بہت سے جناب

”امیر عبید اللہ بن زیاد باغیانِ کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المؤمنین (یزید) کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائضِ مغموضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے، حضرت حسینؑ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انہیں نہ کوئی ذاتی پرغاش تھی اور نہ بغض و عداوت۔۔۔۔۔

علاوہ ازیں خود امیر المؤمنین (یزید) کے فرمان میں ان کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے، وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے،۔۔۔۔۔ عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو قاتل حسینؑ کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مؤرخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افتراء ہی ثابت ہو گا۔۔۔۔۔

حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ابھی زندہ ہیں ان سے ان کی صوم و صلوة کی پابندی اور جمعہ و جماعات کے اہتمام کا حال معلوم فرمائیں نیز وحی اور قرآنِ کریم کے بارے میں جو وہ اظہارِ خیال فرماتے رہتے تھے اس کے بارے میں دریافت کریں وہ آپ کو ان کے الحاد و بے دینی کی تفصیل بتائیں گے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ عباسی کی کتاب ”خلافتِ معاویہ و یزید“ کی جب نشر و اشاعت ہوئی تھی تو وہ چینی سفارت خانے میں ملازم تھے اور احمد حسین کمال کی حسب یہ داستان شائع ہوئی تو وہ روسی سفارتخانہ میں ملازم ہیں۔

دآشتی سے نمٹنا چاہتے تھے، دو قویں البتہ ان کے مساعی میں حائل
 اور مزاحم تھیں، ایک تو براء دران مسلم بن عقیل کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول
 بھائی کا انتقام لے کر ہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دے
 دینی پڑیں۔ دوسرے ان کوئی شبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ
 گئے تھے اور حسینی قافلہ کے ساتھ آرہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان
 کی پوزیشن صدمہ و غراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ
 صلح و مصالحت نہ ہونے پائے، کیونکہ ان کے لیے اب کوئی اور صوت
 مفر کی نہ تھی، کوفہ جاتے ہیں تو کفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رخ
 کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر لے انھوں نے اپنے پیش رو سبائیوں کی تقلید
 کر لی چاہی، جنھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں
 مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرادی تھی۔۔۔۔۔ چنانچہ ان کو فیوں
 کی ساری کوشش اب اس بات پر تھی، کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ

لے جماسی صاحب تو ان کو فی شہداء کو جنھوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کی نصرت میں اپنی جانیں تیار کر دیں۔ ”سبائی“ کہہ کر اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں اور
 ”مجلس حضرت عثمان غنی“ کا داستان گو خود انہی شہداء کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کا قاتل قرار دینے کی فکر میں ہے۔

اے کیوں کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کرنے کے بعد بھی
 اپنے ساتھیوں کے لیے امان نہیں لے سکتے تھے؟ جس طرح کہ حضرت حسن رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معاہدہ میں یہ سٹلہ کر لیا تھا کہ صلح
 کے بعد اہل عراق پر کوئی دارو گیر نہیں ہوگی۔

موقف پر قائم رہیں۔۔۔۔۔

حکومتِ وقت کے نمائندوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھول گئے ان عزائم کا حال معلوم ہو کر کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلابِ حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا، مگر تحریک و ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آئے، ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ و دانیوں کا قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی، یعنی عمر بن سعد کی ملاقاتوں کے نتیجہ میں حضرت حسینؑ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین سے بیعت کر لیں، ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔۔۔۔۔

حضرت حسینؑ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے۔۔۔۔۔ امیر کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ مزید احتیاطیہ ہوا کہ وہ سب آلاتِ حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں، سمائندگانِ حکومت کے حوالہ کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدِ باب ہو جائے، جو ان کوفیوں کی ترغیباً نہ گفتگوؤں سے پیدا تھا، کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے ابھی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عاملِ مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعتِ عامہ کے لیے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے مگر حضرت ابن الزبیر سے

گنگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے، حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادرانِ مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جو شرس انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے، مشتعل کر دیا، نیز ان کو فیوں کو بھی جو حسنی قافلہ میں شامل تھے اور جنہیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آرہی تھی، یہ موقع ہاتھ آگیا، انھوں نے اپنے پیش روؤں کی تقلید میں جنھوں نے جل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا، اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا، کہ انتہائی طاقت اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، آزاد محققین و مستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ، ”گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (یعنی قافلہ کے ہتھیار لے لینے کی تدبیر کرے اور صوبہ عراق میں ان کو داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے، کوفہ کے شیعیان علی میں سے کوئی بھی مدد کو کھڑا نہ ہوا) حسین امداد ان کے مٹھی بھر تبیین نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جہاں سے ہتھیار رکھوالینے کو بھیجا گیا تھا، غیر مال اندیشانہ طرز سے حملہ کر دیا (ص ۱۱۶۲)

عمر بن سعد امیر عسکر نے... کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا تھا، انکے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعات پہلو اختیار کئے رہے یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گنگوٹے مصالحت یکایک جدال و قتال میں بدل گئی.....

حضرت حسینؑ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعد پر رنج اور حسد سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے.....

انہوں نے مفاہمت کی خاطر بہتری کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سپاہیوں کی دراندازیوں سے ان کی مساعی نامکام ہو گئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا جس کا بین ثبوت خود انہی اولیوں کے

بیان سے ملتا ہے جہاں انہوں نے طریقین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حینی قافلہ کے بہتر مقتول ہوئے، جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے، گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؑ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زار و قطار رونے لگے، پھر انہوں نے حضرت حسینؑ کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں، کنیزوں اور دوسری خواتین خاندان نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پر ڈوار محمول میں سوار کرا کے روانہ کیا۔

(ملاحظہ ہو "خلافت معاویہ و یزید" مؤلفہ محمود احمد عباسی)

شیعانِ اموی "مجلسِ حضرت عثمانِ غنی" کے "امامِ تاریخ" کا بیان ایک بار پھر پڑھ لیجئے کہ ماصیوں کے یہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں، ان کی تحقیق میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اہل بیت، اور ان ساتھ کوئی حضرات کا جو حضرت ممدوح کی معیت میں مکہ سے کربلا تک آئے تھے، قاتلِ تو عمر بن سعد کا فوجی دستہ ہی تھا، مگر یہ حادثہ حزن انگیز اس لیے پیش آیا کہ خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اشتعال میں آکر اس فوجی دستہ پر جو ہتھیار رکھوالے کی غرض سے ان کا گھیرا ڈالے ہوئے تھا، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، عمر بن سعد نے پھر بھی مدافعت جنگ کی کہ اپنی فوج کے سولہ افراد زیادہ کٹوا دیے اور اس طرح یزیدی دستہ فوج کے اٹھائی آدمی کام آئے، وہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاروان میں عباسی کے خیال میں کوئی بہادر اور جنگ آزمودہ سپاہی تھا ہی کہاں عمر بن سعد اگر خود اقدام کرتا تو جو شجاعانِ عرب اس کے ساتھ تھے آنا فنا میں حسینی قافلہ کے بہتر نفوس کا سر قلم کر دیتے اور اس کے دستہ فوج کو ایک متنفس کا بھی نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ مگر "مجلسِ شیعانِ عثمان" کے اس داستان گو نے جو داستان بیان کی ہے وہ امامِ تاریخ کے بیان کردہ افسانہ سے بالکل جہا ہے، اس میں مذکور ہے کہ، عمر بن سعد کا دستہ فوج تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت پر مامور تھا اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرے سے جگہ ہی نہیں کی بلکہ یہ تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کو ان کو فیوں کے ہاتھ سے بچانے کے لیے آیا تھا، مگر افسوس کہ اس دستہ فوج کے پہنچتے پہنچتے آپ کو قتل کر ڈالا گیا اور عمر بن سعد کفِ افسوس مل کر رہ گیا آخر یزیدی فوج نے گھیر گھیر کر ان سب قاتلانِ حسین کا کام تمام کر دیا۔

بہیں تفاوت رہ از کجا است تا کجا

ہمارے نزدیک تو ناصبیوں کے امام صاحب اور مجلس کے داستان گو دونوں ہی فساد طرازی اور داستان گوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اس لیے ان سے سچ بولنے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ فرق ہے تو بس اتنا کہ ناصبیوں کے شیخ الاسلام عباسی صاحب نے اپنے پیش رو مستشرقین یہود و نصاریٰ ضالین و مضلین کی اتباع میں یہ بیان دیا ہے جن کو وہ آزاد اور بے لاگ محقق مانتے ہیں، چنانچہ انھوں نے اس بات کو چھپایا بھی نہیں ہے بلکہ اپنے بیان کے ثبوت میں ”انسائیکلو پیڈیا آف اسلام“ کے مقالہ نویس کا حوالہ دے کر اس کو صاف ظاہر بھی کر دیا ہے، لیکن مجلس حضرت عثمان غنیؓ کے داستان گو کا سارا بیان خانہ ساز و طبع زاد ہے۔ بہر حال اب شیخان اموی ”مجلس عثمان غنی“ کو چاہیے کہ اپنے تمام اراکین مجلس کا اجلاس طلب کر کے پہلے یہ طے کریں کہ ان کے امام صاحب اور ”داستان گو“ دونوں میں سے کس کی بات سچی ہے اور کس کی جھوٹی؟ اور جب یہ فیصلہ کر چکیں تو پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوں۔

داستان گو کی حساب دانی (۲) ”داستان گو“ صاحب کی حساب دانی

کایہ عالم ہے کہ وہ یہ بھی شمار نہ کر سکے کہ ۲۸ رجب سے لے کر ۱۰ ذی الحجہ تک کتنے دن ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں کہ جب چاند اگر تیس دن کا ہو تو چار مہینے بارہ دن ہوں گے ورنہ چار مہینے گیارہ دن اگر یہ اپنے کمال سے اسے چھ مہینے کی مدت بنا رہے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ :-

”۲۸ رجب سنہ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو گئی“

(داستان کر ۱ ص ۲)

”منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسینؑ مکہ سے کوفہ کے

لیے روانہ ہوئے، اس وقت امیر مزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ
ہو چکے تھے۔ (داستان کربلا ص ۴)

پہلے ہی شروع ہو کر حافظہ نباشد

دوسرے جھوٹ کی تنقیح (۱۳) "داستان کربلا" (مش ۸) پر جو یہ مرقوم
ہے کہ

"دوسرے دن آپ کے ہمراہی کو فیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ
دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل
شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا، حتیٰ کہ آپ نے
یہاں تک فرمایا

"افسوس تمہیں لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علی کو دھوکہ
میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن کو زخمی کیا اور مالوس
بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کر دیا، پہلے
ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آجائے وہ بڑا احمق ہے۔"

(جلال العیون طبری)

سو محض غلط ہے "داستان گو" صاحب کی عادت ہے کہ وہ موقع جگہ
موقع کہیں بھی غلط بیانی سے نہیں چوکتے اور داستان تو پھر داستان ہی ہے اس
کے بارے میں تو پہلے ہی مشہور ہے کہ

بڑا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کیلئے

اس لیے انہوں نے یہاں، موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ کی بجائے بہت کچھ
بڑھا دیا ہے۔ مؤرخ طبری کے بیان کے مطابق واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حسین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام شراف سے چل کر (جو واقعہ سے دو میل پر ہے) ”کوفہ فی
 حسم“ کے دامن میں خیمہ زن ہوئے، تو حُتر بن یزید تمیمی یربوعی ایک ہزار سواروں کے
 ساتھ آپ کے مقابل آکر اتر پڑا، دوپہر کا وقت تھا۔ تمازت آفتاب نے حُتر اس کی
 فوج اور سواروں کو پیاس سے بے تاب کر رکھا تھا۔ ساتی کوثر علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کے نواسے سے ان کا یہ حال دیکھا نہ گیا، فوراً اپنے خدام کو حکم دیا کہ ان کو اور ان
 کی سواروں کو پانی پلا کر خوب سیراب کر دیا جائے، تعمیل حکم میں دیر نہ لگی اور اؤل
 سے آخر تک سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی سواروں کو بھی پلایا۔ حُتر کو
 قادیہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے بھیجا
 گیا تھا اور اس کو حکم دیا گیا تھا کہ حسینی کا روانہ کو عبید اللہ بن زیاد کے سامنے کوفہ
 میں لا کر پیش کیا جائے، عبید اللہ بن زیاد کو جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر
 ہو کر آیا تھا۔ جب یہ خبر ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے قصد سے
 مکہ معظمہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے کوفہ کے پولیس افسر حصین بن تمیم کو کوفہ
 سے یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ قادیہ میں جا کر پڑاؤ ڈالے اور قططانہ سے لے کر
 خُغان تک مسلح کیمپ قائم کر کے ان کا کنٹرول سنبھالے، چنانچہ اسی ہدایت
 کے مطابق اس نے اپنے سامنے حُتر کی کمان میں ایک ہزار سوار دے کر ان کو حضرت
 حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل بھیجا تھا، فلہر کا وقت ہوا، تو حضرت حسین
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجاج بن مسروق جعفی کو آذان کے لیے فرمایا۔ حجاج
 نے آذان دی۔ اقامت کا وقت آیا تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ردا۔
 واژار زیب تن کیے نعلین پہنے تشریف لائے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے لیے
 فرمایا۔

ایہا الناس انہا معذوۃ الی اللہ لوگو! اللہ عزوجل اور تم لوگوں کے سامنے

عز وجل وایکم، انی لہم آتکم
 حتی اتنی کتبکم و قد مت
 علی رسلکم ان اقدم علینا فانه
 لیس لنا امام لعل اللہ یجمعنا بک
 فی الہدی فان کنتہ علی ذلک
 فقد جئتکم فان تعطونی ما طئنت
 الیہ من عہودکم و موثقتکم
 اقدم مصرکم وان لم تفعلوا
 و کنتہ لقدمی عارہین انصرف
 عنکم الی المکان الذی اقبلت
 منہ الیکم۔ (تاریخ الطبری ص ۱۱۳)

میرا یہ عذر ہے کہ میں تمہارے پاس اس
 وقت تک نہیں آیا، جب تک کہ
 تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد یہ
 پیام لے کر میرے پاس نہیں آئے کہ
 ”آپ ہمارے یہاں تشریف لائیے۔“
 ہمارا کوئی امام نہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ
 آپ کی وجہ سے ہمیں ہدایت پر جمع کر
 دے۔“ سو تم اب بھی اگر اسی بات پر
 قائم ہو تو میں تمہارے پاس آچکا ہوں
 اب اگر تم مجھ سے ایسے عہد و پیمان کرو کہ
 جی سے مجھے اطمینان ہو جائے، تو میں
 تمہارے شہر میں چلا چلوں گا اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے
 تو میں تمہیں چھوڑ کر اسی جگہ چلا جاتا ہوں جہاں سے تمہاری طرف آیا تھا۔

اس وقت تو آپ کی تقریر سن کر عتر اور اس کے ساتھی خاموش رہے اور
 مؤذن سے کہنے لگے اقامت کہو۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حڑ سے
 دریافت کیا کہ کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ نماز پڑھو گے، اس نے جواب
 دیا نہیں، بلکہ آپ امامت کریں ہم آپ کی اقتدار میں نماز ادا کریں گے، چنانچہ
 آپ نے ظہر کی امامت فرمائی۔ عصر کی نماز کے بعد پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ نے عتر اور اس کی فوج سے خطاب فرمایا اور حمد و ثناء الہی کے بعد ارشاد

فرمایا :

اما بعد، ایہا الناس، فانکم ان
تتقوا وتعرفوا الحق لا ہلہ یکن
ارضی للہ، ونحن اهل البیت اولی
بولاية هذا الامر علیکم من
ہؤلاء المدعین مالس لہم
والسائرین فیکم بالجور والعدوان
وان انتم کرہتمونا وجہلتم
حقنا، وکان رأیکم غیبا متنی
کتبکم، وقد مت بہ علی رسلکم
انصرف عنکم (طبری ص ۱۶۶)
جس کا تمہارے قاصد میرے پاس پیام لے کر آئے تھے تو پھر میں واپس ہوئے
جاتا ہوں۔

اب حُرنے آپ کی تقریر سن کر جواب میں کہا۔

انا واللہ ما ندری ما هذه الکتاب
التي تذکر۔ (ص ۱۶۶)

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقبہ بن سمان سے فرمایا کہ خدا
وہ دونوں خرجینین تو لاؤ جن میں میرے نام ان کو فیوں کے خطوط ہیں، چنانچہ وہ
دونوں خرجینین جو خطوط سے پر تھیں، ان لوگوں کے سامنے لا کر خالی کر دی گئیں
اور آپ نے انی خطوط کو پھیل کر ان کے سامنے ڈال دیا، حُرنے اب بھی یہی جواب
دیا کہ،

فانا لسنا هؤلاء الذین عتبوا
ہم تو وہ نہیں ہیں جنہوں نے

اما بعد، اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو
اور اہل حق کا حق پہچان لو تو یہ بات اللہ
تعالیٰ کو زیادہ راضی کرنے والی ہے
اور ہم اہل بیت ان کا حق کے مدعیوں،
اور تم پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کی
بہ نسبت تمہارے ولی امر ہونے کے
زیادہ حقدار ہیں اور اگر تم ہم کو ناپسند
کرتے ہو اور ہمارے حق سے ٹکرتے
ہو اور تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو
تمہارے خطوط میں بیان کی گئی تھی اور
کرتے ہو اور ہمارے حق سے ٹکرتے
ہو اور تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو

ایک، وقد امرنا اذا نحن لقیناک
 الا نفارقک حتی نقدمک علی
 عبید اللہ بن زیاد (صفحہ ۴۰۲)
 آپ کو خطوط لکھے تھے، ہمیں تو یہ حکم ملا
 ہے کہ جیسے ہی آپ کا ہمارا آنا سامنا
 ہو تو اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑیں
 جب تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لے جا کر پیش نہ کر دیں۔
 اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

الموت ادنیٰ الیک من ذلک
 اس کی تعمیل میں تو موت تمہارے زیادہ
 قریب ہے

یہ فرما کر حضرت مدوح نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ چلو سوار ہو کر واپس
 چلیں۔ مگر جب یہ حضرات سوار ہو کر وطن واپس جانے کے لیے آمادہ ہوئے تو حرّ
 اور اس کا رسالہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرّ
 سے فرمایا، آخر تم کیا چاہتے ہو حرّ نے پھر وہی جواب دیا۔

ارید واللہ ان انطلق بک الی
 عبید اللہ بن زیاد (صفحہ ۴۰۲)
 حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔
 بخدا میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ کو عبید اللہ
 بن زیاد کے پاس لے چلوں۔

اذن واللہ لا اتبعک۔
 اس پر حرّ نے کہا۔
 خدا کی قسم، ایسی صورت میں میں تیرا
 تابن نہیں ہو سکتا۔

اذن واللہ لا ادعک
 خدا کی قسم میں بھی اب تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔
 طرفین سے گفتگو میں تلخی بڑھی تو حرّ کہنے لگا کہ مجھے آپ سے قتال کا تو حکم نہیں
 ملا، البتہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں آپ کا پیچھا چھوڑوں
 اب اگر آپ نہیں مانتے تو پھر ایسی راہ لیجئے جو نہ کوفہ کو جاتی ہو اور نہ مدینہ کو، یہ
 بات میرے اور آپ کے مابین انصاف کی ہے۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اور آپ

چاہیں تو زید بن معاویہ کو لکھیں چاہیں عبید اللہ بن زیاد کو، شاید اللہ تعالیٰ اس میں کوئی ایسی غایت کی صورت پیدا کر دے کہ مجھے آپ کے بارے میں کوئی ابتلا پیش آئے۔“

چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزیب اور قادسیہ کی راہ پر بائیں سمت کو مڑ گئے، مگر کادستہ ساتھ نہیں چھوڑتا تھا، اگلی منزل میں جب مقام ”بیضہ“ پہنچے جو واقعہ اور غزیب کے بائیں پانی کا ایک تالاب تھا، تو آپ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا حوالہ ”داستان گو“ نے دیا ہے اور اس کے نقل کرنے سے پہلے اپنے جی سے گڑھ کر یہ اضافہ کر دیا ہے۔

”دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق، بایں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ آپ بنے یہاں تک فرمایا الخ“
(”داستان کربلا“ ص ۷۸)

حالانکہ تاریخ طبری میں ہمیں اس بات کا نام و نشان تک نہیں جو ”داستان گو“ نے بیان کی ہے چنانچہ طبری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو جو درج ذیل ہے۔
ان الحسین خطب أصحابہ و أصحاب الحر بالبیضۃ فحمد الله واثنی علیہ ثم قال ایہا الناس ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال ”من رأی سلطاناً جائراً مستحلاً لحرم الله ناکثاً مہدلاً“
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام ”بیضہ“ میں پہنچ کر اپنے اصحاب اور مہاجر کے رفقاء کے سامنے خطبہ دیا، جس میں حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے ”جو کسی ظالم حکمران کو اس

مخالفاً لسنة رسول الله يعمل
 في عباد الله بالاثم والعدوان فلم
 يغير عليه بفعل ولا قول، كان حقاً
 على الله ان يدخله مدخله الا
 وان هؤلاء قد لزموا طاعة
 الشيطان وتركوا طاعة الرحمن
 واظهروا الفساد وعطوا الحدود
 فاستأثروا بالغي، واحلوا حرام الله
 وحرموا حلاله، وانا احق من
 غير قد آتني كتبكم وقدمت
 على رسلكم ببيعتكم انكم لا
 تسألموني ولا تتخذوني فان
 تمتعتم على بيعتكم تصيبوا رشداً
 فانا الحسين بن علي وابن
 فاطمة بنت رسول الله صلى الله
 عليه وسلم، نفسي مع انفسكم
 واهلي مع اهليكم فلكم في اسوة
 وان لم تفعلوا ونقضتم عهدكم
 وخلصتم بيعتي من اعدائكم
 فلمصري ما هي لكم بنكر لقد
 فلتتموها بأبي وأخي وابن عسي

حال میں دیکھے کہ وہ محرمات الہی کو حلال
 کر رہا ہو، اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو
 توڑ رہا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی سنت کا مخالف ہو اور اللہ تعالیٰ
 کے بندوں کے ساتھ گناہ اور زیادتی کا
 معاملہ کرتا ہو اور پھر اپنے قول و فعل
 سے اس کے خلاف تبدیلی نہ برپا
 کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اسی
 کے ٹھکانے پر پہنچانے میں حق بجانب
 ہیں ”خبردار! ان لوگوں (حکمران لوگے)
 نے رحمن کی اطاعت چھوڑ کر شیطان
 کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ ملک
 میں فساد پھیلادیا۔ حدود الہی معطل کر
 دیں، مال غنیمت اپنے لیے مخصوص
 کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور
 حلال کو حرام کر دیا۔ چنانچہ اس صورت
 حال میں تبدیلی لانے کا میں سب سے
 زیادہ حق رکھتا ہوں، تمہارے خطوط
 میرے پاس آچکے ہیں اور تمہارے
 قاصد تمہاری اس امر پر بیعت کی
 خبر لے کر پہنچ چکے ہیں کہ تم مجھے بے یار

مسلم بن عقیل، والمغرور من
اغتربکم فحظکم اخطاتم
ونصبکم ضیعتکم، وَمَنْ نَكَثَ
فَاِنَّما يَكُفُّ عَنْ نَفْسِهِ وَاسِغَتْ
اِنَّهٗ عَنْکُمْ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ
وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

و مددگار نہیں چھوڑ دو گے پھر اگر تم اپنی
بیعت کی تکمیل کرتے ہو تو اپنی بھلائی کو
پالو گے، کیونکہ میں حسین بن علی ہوں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر
اہل فاطمہ کا بیٹا ہوں میری جان
تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۴۰۳)

طبع دار المعارف قاہرہ ۱۹۶۲ء

اہل و عیال تمہارے اہل و عیال کے ساتھ

ہیں، تمہارے لیے میں نمونہ ہوں اور اگر
تم ایسا نہیں کرتے اور اپنے عہد و پیمان کو توڑتے ہو اور میری بیعت کو اپنی گردلوں
سے اتار پھینکتے ہو تو سجان من یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں، تم نے میرے باپ،
میرے بھائی، اور میرے برادر عمزاد مسلم بن عقیل کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے وہ
فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکہ میں آئے۔ تم نے اپنے فائدہ کو کھویا اور اپنی
قمت کو خراب کیا "جو شخص بھی عہد توڑے گا اس کا زیاں خود اسی کو اٹھانا پڑے
گا۔" اور اللہ تعالیٰ عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم و
رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہ ہے وہ تفصیل جو مؤرخ طبری نے ۱۱ ہجری کے حوادث کو بیان کرتے ہوئے
"مقتل حسین" کے ضمن میں بیان کی ہے اس میں اول سے آخر تک کہیں ان ساٹھ لوئی
حضرات کا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید
ہوئے کوئی ذکر نہیں بس مقام "بیضہ" پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے حر کے لشکر کے سامنے جو تقریر فرمائی، اس کا ذکر ہے اس تقریر میں حضرت
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرا اور اس کی فوج کے سواروں سے مخاطب ہیں۔

اپنے اُن اصحاب سے نہیں جو مکہ معظمہ سے آپ کے ہمراہ تھے، حرّ اور اس کی فوج پر حجت قائم کرنے کے بعد آپ اپنے قافلہ کے ساتھ عازمِ مدینہ ہونا چاہتے ہیں، حرّ اور اس کا رسالہ سدرِ راہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف جانے نہیں دیتا، مگر ”داستان گو“ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجا آئے مدینہ طیبہ کے نزدیک کی بیعت کے لیے دمشق جا رہے تھے اور آپ کے ساتھیوں نے سازش کر کے عصر و مغرب کے مابین کیمپ میں اچانک حملہ کر کے آپ کو شہید کر ڈالا اور پھر اس پر طبری کا حوالہ بھی دے رہے ہیں، مطمئن ہیں کہ کون اصل کتاب سے مراجعت کرے گا جو ہمارے جھوٹ کی پول کھلے گی اور ابلہ فرسی کا پردہ چاک ہو گا۔ بھلا سوچنے کی بات ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خطاب اپنے ان جان نثار ساٹھ کوفیوں سے کریں گے جو مکہ معظمہ سے آپ کے ساتھ تھے اور جنہوں نے آپ ہی کھانے میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا درضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور طبری میں ”داستان گو“ صاحب کو وہ کونسا لفظ ملا ہے جس کا ترجمہ بڑا احمق کیا گیا ہے؟

”جلال العیون“ کے بارے میں اسی ”داستان کربلا“ کے الفاظ ہیں

”شیعہ کتاب جلال العیون“

اس لیے ہمیں اس سے مراجعت کی ضرورت نہیں، گو ”داستان گو“ صاحب کی بات کا بھی کچھ اعتبار نہیں۔ وروغ گوئی اور بہتان طرزی ووافض و نواصب دونوں کا شیوہ ہے۔

معلوم نہیں کہ ”مجلس حضرت عثمان غنی“ کیوں عام مسلمانوں کو ایک غلط بات کو صحیح باور کرانے پر تلی ہوئی ہے، تمام اہل السنّت والجماعۃ حضرات صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں نہ رافضیوں کی خرافات پر

اعتماد کرتے ہیں، نہ ناصبیوں کی بکواس پر، اور نہ ان کے بڑے بھائی خارجیوں کی لغو بات پر، کیونکہ رافضیوں کو حضرات خلفائے ثلاثہ اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پیر ہے اور خارجیوں کو حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء سے عناد ہے اور ناصبیوں کو بالخصوص حضرت علی، حضرات حسین اور ان کی اولاد امجاد رضی اللہ عنہم سے۔ ”لوا صب“ کو اگلے زمانہ میں ”شیعہ عثمان“ اور شیعہ مروافیہ“ اور شیعہ امویہ“ کہا جاتا تھا، بنی امیہ کی حکومت کے ساتھ ایک فرقہ کی حیثیت سے ان کا وجود بھی ختم ہو گیا تھا، اب پھر محمود احمد عباسی نے ”خلافت معاویہ یزید“ لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ابھارا ہے۔ ”مجلس عثمان غنی“ بھی اپنے شائع کردہ کتابچوں کے ذریعہ اسی فتنہ کو ہوا دے رہی ہے، اور ان سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کے درپے ہے جن کو اپنی نادانی سے اس فتنہ کا علم نہیں کہ یہ کیا ہے، وہ اپنی سادگی سے یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ بھی کوئی روافض کی تردید کا مشغلہ ہے حالانکہ اصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ناصبی شیعیان عثمان“ مجلس حضرت عثمان غنی“ کے نام پر رافضیوں کے تمام سب و شتم کا بدلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لینا چاہتے ہیں صح ہے۔

ماسلمہ الصدیق من رافض
مانجی من ناصبین علی

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی رافضی کے برابر سے محفوظ نہ رہ سکے اور ناصبیوں کی طعن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سبقت نہ ملی۔

تیسرے جھوٹ کی تیغ کہ یزید
کی فوج نے حضرت حسین کو قتل نہیں کیا
(۴) ”داستان گو“ صاحب
نے ”البدایہ والنہایہ“ کی عربی

عبارت سے اس داستان کا آغاز کیا اور اس کا ترجمہ بھی آگے چل کر لکھا مگر صفحہ اور جلد کا سوال غلط دیا یعنی (جلد ہفتم ص ۱۵۳) لکھا حالانکہ یہ عبارت جلد ہشتم میں ہے غنیمت ہے ان کو یہ تسلیم ہے کہ

”البدایہ والنہایہ“ مشہور عربی تاریخ ہے۔

مگر تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اسی ”البدایہ والنہایہ“ کے اسی صفحہ پر جو یہ لکھا ہے وہ نظر نہ آیا۔

کتب یزید الی ابن زیاد انه قد بلغنی ان حسیناً قد سار الی الکوفۃ وقد ابتلی به زمانک من بین الازمان وبلدک من بین البلدان وابتلیت افت به من بین العمال وعند ما تلتق او تعود عبداً کما ترق العبد وتبعد فقتله ابن زیاد، وبعث برأسه الیه۔ (ج ۸ ص ۱۶۵ طبع بیروت ۱۹۷۲ء)

یزید نے ابن زیاد کو لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حسین کوفہ کی طرف چل پڑے ہیں، اب زمانوں میں تیرا زمانہ اور شہروں میں تیرا شہر ان کے بارے میں مبتلا ہوا ہے اور گزروں میں تو خود ان کے معاملہ میں مبتلا ہو چکا ہے اور ایسی صورت میں یا تو تو آزاد کر دیا جائے گا یا جس طرح غلاموں کو غلام رکھا جاتا ہے تجھے بھی غلام بنا دیا جائیگا چنانچہ ابن زیاد نے حضرت حسین کو قتل کر کے ان کا سر یزید کے پاس بھیج دیا۔

اسی ”البدایہ والنہایہ“ میں یہ بھی ہے کہ

وبعث عبید اللہ بن زیاد عمر بن سعد لقتالہم۔

(صفحہ ۸)

عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا

وإبطاً عن قتالہ فارسل ابن
زیاد شمر بن ذی الجوشن و
قال لہ ان تقدم عمر فقاتل والا
فاقتله وکن مکانہ فقد ویتک
الاميرة۔ (ج ۸ ص ۱۰۰)

عمر (ابن سعد) نے حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے قتال میں تاخیر سے کام لیا
تو ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو یہ
کہہ کر بھیجا کہ اگر عمر قتال میں پیش قدمی کئے
تو تو بھی جنگ میں شریک ہو جائیو اور نہ
عمر (ابن سعد) کو قتل کر کے اس کی جگہ خود سنبھال لیجو، میں تجھ کو امیر لشکر کرتا ہوں۔
اس فوج کی تعداد جو عمر بن سعد کی کمان میں تھی ”ابدایہ والنہایہ“ ہی میں یہ

بتائی ہے کہ

وكانوا أربعة آلاف يريدون
قال الديلم، فعينهم ابن زياد
وصرفهم الى قتال الحسين۔

چار ہزار سپاہی تھے جو دیلم سے جنگ
کرنے کے ارادہ سے چلے تھے ان کو
ابن زیاد نے قتال دیلم سے روک کر
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
قتال کے لیے متعین کیا۔

(ج ۸ ص ۱۶۹)

عمر بن سعد کو تعمیل حکم سے کب انکار تھا جیسے ہی ابن زیاد کا حکم اس کو پہنچا،
فوثب الى فرسه فركبها ثم
دعا بسلاحه فلبسه وانه لعل
فرسه ونهض بالناس اليهم
فقاتلوه فبحي برأس الحسين
الى ابن زياد فوضع بين يديه
فجمل يقول بقضيبه في الفدو

عمر بن سعد جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار
ہوا پھر سواری ہی کی حالت میں اپنے
ہتھیار منگوا کر ان کو اپنے بدن پر سجایا
اور فوج لے کر سیدھا ان حضرات سے
مقابلہ کے لیے چل پڑا، فوج نے جاتے
ہی کشت و خون شروع کر دیا، چنانچہ

يقول ان ابا عبد الله كان قد شتم

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر
ببارک کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے ڈال
دیا گیا اور ابن زیاد اپنی پھڑی آپکی ناک پر دھکتا
اور کہتا کہ ابو عبد اللہ کے بال تو اب پک چکے ہیں۔

(ج ۸ ص ۱۷۱)

شمر اپنی نباشت سے فوج کے سپاہیوں کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے قتل پر اس وقت بھی ابھار رہا تھا، جب کہ آپ کے تمام رفقاء یکے بعد دیگرے
جام شہادت نوش کر کے راہی جنت ہو چکے تھے اور آپ یکہ ذنب میدان قتال میں
ثابت قدم تھے اور کیوں نہ ہو حضرت ممدوح نے تو اس کو دیکھتے ہی فریادیا تھا،

صدق الله ورسوله قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم كَانِ
النَّظْرُ إِلَى حَلَبٍ ابْقَعَ بَلْعًا فِي دِمَاعِ
أَهْلِ بَيْتِي
اللہ سچا، اس کا رسول سچا، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا گویا میں
دیکھ رہا ہوں اس چنگبر سے کتے کو جو
میرے اہل بیت کے خون میں منہ ڈالے گا

(البداية والنهاية ج ۸ ص ۱۸۸)

اس روایت کے آخر میں لوی کی یہ بھی تصریح ہے۔

وكان شمر قبضة الله ابرص
شمر اللہ اس کا بُرا کرے برص میں مبتلا تھا

(ج ۸ ص ۱۸۹)

مگر ”داستان گو“ اسی کتے کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں، قاتلوں کو
محافظ بتا رہے ہیں۔ کہتے ہیں۔

”عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن، خاندان علی کو کوفیوں کے حملہ سے بچانے کے
لیے دوڑ کر پہنچے“

(ص ۱۰)

”عمر بن سعد اور شمر نے خاندان علی کی لاشوں کو اکٹھا کیا ان کی نماز

جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انہیں پال بھی کیا تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں“ (ص ۱۰)

حالانکہ ”البدایہ والنہایہ“ میں اس کے برعکس مرقوم ہے۔

وَقَلَ مِنْ أَصْحَابِ الْحُسَيْنِ أَشْهَانٌ
وَسَبْعُونَ نَفْسًا فِدَاهُمُ أَهْلُ
الْغَاضِرِيَّةِ مِنْ بَنِي أَسَدٍ بَعْدَ مَا
قَتَلُوا يَوْمَ وَاحِدٍ
(ص ۱۸۹ ج ۸-۶)

”غاضریہ“ کوفہ کے نواح میں ”کربلا“ کے قریب ایک قریہ کا نام ہے جو قبیلہ بنو اسد کا مسکن تھا، ہاں عمر بن سعد نے اپنی فوج کے مقتولین پر جو شہداء کربلا کے ہاتھوں مارے گئے تھے بے شک نماز جنازہ ادا کی تھی اور انہیں کی لاشوں کو اس نے دفن بھی کیا تھا۔ ”البدایہ والنہایہ“ میں ہے

وَقَلَ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ مِنْ أَصْحَابِ
عُمَرَ بْنِ سَعْدٍ ثَمَانِيَةٌ وَثَمَانِينَ
رَجُلًا سَوَى الْجَرَحِيِّ فَصَلَّى عَلَيْهِمْ
عُمَرَ بْنِ سَعْدٍ وَدَفَنَهُمْ، وَ
يَقَالُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ سَعْدٍ أَمَرَ
عَشْرَةَ فَرَسَانٍ فِدَا سِوَا الْحُسَيْنِ
بِحَوْافِرِ خِيُولِهِمْ حَتَّى الصَّقْوَةَ
بِالْأَرْضِ يَوْمَ الْمَعْرَكَةِ وَأَمَرَ

اور عمر بن سعد کے ساتھی اہل کوفہ میں سے اٹھاسی اشخاص قتل ہوئے، زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ ہے، عمر بن سعد نے ان مقتولین کی نماز جنازہ ادا کر کے ان کو دفن کیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ عمر بن سعد نے معرکہ کے دن نسل سواروں کو حکم دیا جنہوں نے اپنی گھوڑوں کے سموں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

برأسه ان یحمل من یومہ الی
ابن زیاد مع خولی ابن یزید
الا صبحی۔

کے لاشہ کو پامالی کر کے پیوند زمین کو
دیا اور آپ کے سر مبارک کے متعلق
آزور دیا کہ اسی دن اس کو اٹھا کر خولی
بن یزید اصبھی کے ساتھ ابن زیاد کو بھجوا

(ج ۸ ص ۱۸۹) دیا جائے۔

صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بلکہ تمام شہداء کربلا کے
سر کاٹ کر جن میں یہ ساتھی حضرات بھی شامل تھے خولی کے ساتھ ابن زیاد کے پاس
روانہ کر دیے گئے تھے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک جب
عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے شہر میں منادی کرا کر لوگوں کو جمع کیا
اور پھر ان کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں اپنی
فتح و کامرانی کی تقریر بھی کی۔ اس تقریر میں حضرت مخدوم پر طعن و طنز بھی تھا جس
پر عبداللہ بن عقیف ازدی نے برا فروختہ ہو کر ابن زیاد کو ان الفاظ میں ٹوکا۔

ویحک یا ابن زیاد! تقتلون اولاد
النبيين وتعلمون بسلام
الصدیقین
ابن زیاد تجھ پر افسوس! تم لوگ انبیاء
کی اولاد کو قتل کر کے صدیقیوں کی سی باتیں
کرتے ہو۔

اس کلمہ حق کو سننے کی بھلا ابن زیاد میں تاب کہاں تھی فوراً حکم دیا کہ اس
گستاخی کی پاداش میں اس غریب کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے زان بعد
”سر حسین“ کا کوفہ کے تمام گلی کوچوں میں گشت کرایا گیا پھر زحر بن قیس کی ہجیت
میں تمام شہداء کربلا کے مبارک سروں کو یزید بن معاویہ کے پاس شام روانہ کر
دیا، دربار یزید میں پہنچ کر زحر بن قیس نے اپنے سیاہ کارنامہ کو جن الفاظ میں
پیش کیا، وہ یہ ہیں۔

ابشر يا امير المؤمنين بفتح الله عليه
 ونصره، ورد علينا الحسين بن علي
 بن ابي طالب وثمانية عشر من
 اهل بيته وستون رجلاً من شيعته
 فسرنا اليهم فسالناهم ان يستسلموا
 وينزلوا على حكم الامير عبيد الله
 بن زياد والقتال، فاختاروا القتال
 فعدونا اليهم مع شروق الشمس
 فاحطنا بهم من كل ناحية حتى
 اخذ السيوف ماخذها من هام
 القوم، فجعلوا يهرلون الى غير
 صهرب ولا وذر، ويلوذون منا
 بالاحكام والحفر لوذا كما لا ذ
 الحمام من صقر، فوالله ما عافوا
 الا جزر جزورا ولومة قائل حتى
 اتينا على آخرهم فها تيك
 اجسادهم مجردة و
 ثيابهم مزملة وخدودهم
 معفرة، تصهرهم الشمس
 وتسني عليهم الريح و
 ازدهم العقبان والرخم

امير المؤمنين آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت
 کی بشارت ہو، حسین بن علی بن ابی طالب اور ان
 کے اہل بیت کے اٹھارہ افراد اور ان کے شیعیان
 میں "ساتھ اٹھائیس" ہمارے یہاں وارد ہوئے
 تو ہم بھی ان کی طرف چل پڑے اور ہم نے ان سے
 یہ مطالبہ کیا کہ امیر عبید اللہ بن زیاد کے آگے
 تسلیم خم کر دیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو
 ہمارے حوالہ کر دیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو
 جائیں، انہوں نے جنگ ہی کو پسند کیا، تو ہم
 نے صبح سویرے جیسے ہی آفتاب چمکا ان لوگوں
 کو جالیا اور ہر طرف سے ان کو گھیر لیا، آخر جب
 تلواروں نے ان کی کھوپڑیوں کی صحیح صحیح گرفت
 شروع کی، تو یہ ادھر بھاگنے لگے جدھر بھاگنے
 کی ان کے لیے نہ کوئی جگہ تھی نہ جائے پناہ اور
 جطر حشر سے کبوتر پناہ ڈھونڈتا ہے
 یہ بھی ٹیلوں اور گڑھوں میں پناہ ڈھونڈھنے
 لگے، سو خدا کی قسم بس جتنی دیر میں ونٹ کاٹ
 کر رکھ دیا جاتا ہے یا قیلولہ کرنے والا اپنی
 نیند پوری کر لیتا ہے اتنی دیر میں ہم نے ان
 کے آخری فرد تک کا کام تمام کر دیا سبواب
 ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں اور ان کے

کپڑے پیٹے جا چکے ہیں ان کے رخسار خاک
میں لقمے ہوئے ہیں دھوپ ان کو جلا رہی
ہے اور ہوا ان پر خاک اڑاتی ہے عقاب
اور گدھ ان کی لاشوں پر منڈلا رہے۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۹۱)

زحر بن قیس نے بھی اگرچہ یزید کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتے ہوئے
ان حضرات کی ہجو میں کچھ کم جھوٹ نہیں بکا ہے، تاہم ”مجلس حضرت عثمان غنی“
کے داستان گو کے علی المرتضیٰ اس نے صاف اقرار کیا ہے کہ وہ ساٹھ کوئی حضرات
جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میعت میں تھے، انہوں نے حضرت ممدوح
کی نصرت ہی میں اپنی جانیں نثار کی تھیں اور خود کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کا
اس بارے میں اعتراف موجود ہے یزید نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں جب
حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ پر چڑھائی کا
ارادہ کیا، تو اس ہم کی سرکردگی کے لیے بھی اس کی نظر انتخاب سب سے پہلے ابن
زیاد ہی پر پڑی تھی، چنانچہ جب اس خدمت کی انجام دہی کے لیے یزید نے اس کو
کہہ کر بھیجا، تو ابن زیاد کی زبان سے بے اختیار یہ نکل گیا کہ

واللہ لا اجمعہما للفاسق ابدا خدا کی قسم میں اس فاسق کی خاطر کبھی بھی دونوں
اقتل ابن ہشمت رسول اللہ صلی اللہ گناہ اپنے نامہ اعمال میں جمع نہیں کر سکتا رسول
علیہ وسلم وانحزو البيت الحرام اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو تو قتل
(البدایہ والنہایہ ص ۲۱۹) کر دیا، اب بیت الحرام پر چڑھائی کرو

یاد رکھیے ”داستان گو“ صاحب نے جن شہدار کرام کے بارے میں یہ ہرزہ سرائی
کی ہے، یہ وہی شہدار کرام ہیں جن کے بارے میں وارد ہے کہ ”وہ جنت میں بے
حساب داخل ہوں گے“ چنانچہ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔

وقد روى محمد بن سعد وغيره من غير وجه عن علي بن ابي طالب رضى الله تعالى عنه انه فرَّب كربلاء عند اشجار الحنظل وهو ذا هب الى صفين، فسأل عن اسمها فقيل كربلاء فقال عرب وبلاء فنزل وصلى عند شجرة هناك ثم قال يقتل ههنا شهداء هم خير الشهداء غير الصحابة يدخلون الجنة بغير حساب. وأشار الى مكان هناك فعلموه بشئ فقتل فيه الحسين.

حافظ محمد بن سعد وغيره نے متعدد اسانید سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ "صفین" کی طرف جا رہے تھے تو مقام کربلا میں حنظل (اندرائٹن) کے درختوں کے پاس سے گزرے آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ "کربلا" ہے فرمایا کرب و بلا ہے، پھر سواری سے اتر کر آپ نے وہاں ایک درخت کے پاس نماز پڑھی پھر ارشاد فرمایا کہ "یہاں وہ شہداء قتل کیے جائیں گے جو صحابہ کے علاوہ بہترین شہداء ہوں گے اور بلا حساب جنت میں جائیں گے اور یہ (فرماتے ہوئے) آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے وہاں کچھ نشانی بھی لگا دی، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اسی جگہ پر قتل ہوئے۔

(ج ۸ - ص ۱۹۹، ۲۰۰)

ظلم کا انجام

یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل کو ختم کرنا چاہا تھا، مگر حق تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل تو چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور آج حینی سادات اقاہم اسلامی کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں، لیکن یزید کی نسل اسی زمانہ سے ایسی نابود ہونا شروع ہوئی کہ پردہ دنیا سے اس کا وجود ہی اٹھ گیا۔ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں یزید بن معاویہ کی بیس صلی اولاد کو نام بنام گنا کر جن میں

پندرہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں، تصریح کی ہے۔
 وقد انقرضوا كافة فلم يبق ليزيد سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے
 عقب (ج ۸ ص ۲۳۷) کوئی ایک بھی تو باقی نہ بچا۔

اور حافظ ابن کثیر ہی کے الفاظ ہیں۔
 فانه لم يمهل بعد وقعة سوبلاشبہ واقعہ حرہ اور قتل حسین کے بعد یزید
 الحرة وقتل الحسين الا کو ڈھیل نہ دی گئی مگر ذرا سی تا آنکہ حق تعالیٰ
 لیسيراً حتى قصه الله الذي نے اس کو ہلاک کر دیا جو اس سے پہلے اور
 قصه الجباية قبله و اس کے بعد بھی ظالموں کو ہلاک کرتا رہا ہے
 بعده، انه كان عليهما بے شک وہ بڑا علم رکھتا ہے اور بڑی قدرت
 قديراً۔ والا ہے۔

اور ۶۴ھ کے واقعات کے ذیل میں مسلم بن عقبہ کی موت کے سلسلہ میں
 لکھتے ہیں۔

ثم مات قبعة الله ثم پھر مسلم بن عقبہ، اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے
 اتبعه الله بيزيد بن مرگیا اور یزید بن معاویہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے
 معاوية فمات بعده اس کے پیچھے چلتا کیا اور وہ بھی اس کے بعد
 في ربيع الاول لاربعة عشرة ۱۴ ربيع الاول کو مرگیا اور ان دونوں کو جو
 ليلة خلت منه فما امیدیں اور توقعات تھیں اللہ تعالیٰ نے
 متعهما الله بشئ مما ان میں سے کوئی بھی پوری نہ کی بلکہ اس ذات
 رجوه واملوه بل قهرهم قاہرہ نے جو اپنے سب بندوں پر غالب
 القاهر فوق عباده و ہے ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور انکی بادشاہی
 سلبهم الملک و نزعہ سلب کر لی اور ان کی سلطنت اس نے

منہم من ینزع الملك چھین لی جو جس سے چاہتا ہے اسکی سلطنت
من یشاء۔ چھین لیتا ہے۔

اور پھر واقعہ حرہ کے مظالم کو بیان کرتے ہوئے آخر میں ان کے قلم سے یہ الفاظ نکلتے

ہیں۔

وقد اخطأ یزید خطأ فاحشا
فی قوله لیسلم بن عقبة
ان یشیخ المدينة ثلاثة ایام،
وهذا خطأ کبیر فاحش، مع
ما انضم الی ذلك من قتل
خلق من الصحابة وابنائهم
وقد تقدم انه قتل الحسین
واصحابه علی یدی عبید اللہ
ابن زیاد۔ وقد وقع
فی هذه الثلاثة ایام
من المفسد العظيمة
فی المدينة النبویة مالا
یحسد ولا یوصف، مما
لا یعلمه الا الله عزوجل
وقد اراد بارسال مسلم
ابن عقبة توطید سلطانہ
وملکہ، ودوام ایامہ

اور بے شک یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ حکم دے کر
کہ "تو تین دن تک مدینہ منورہ کو تباہ و راج
کیجو"، فحش غلطی کی۔ یہ نہایت بڑی اور فاحش
خطا ہے اور اس خطار کے ساتھ صحابہ کرام
اور اولاد صحابہ کی ایک خلقت کا قتل و
شال ہو گیا اور سابق میں گزر چکا کہ عبید اللہ
بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسین رضی اللہ
عنه اور ان کے اصحاب کو شہید کر دیا گیا
اور ان تین دنوں میں مدینہ نبویہ میں وہ عظیم
مفسد برپا ہوئے کہ جو حد و شمار سے باہر
ہیں اور جن کا بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ بس
اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کا پورا علم کسی
کو نہیں۔

یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر اپنی بادشاہی
اور سلطنت کو مضبوط کرنا چاہا تھا اور اس
کا خیال تھا کہ اب بلا نزاع کے اس کے ایام
سلطنت کو دوام نصیب ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ

من غیر منازع ، فعاقبہ
 اللہ بمقیض قصدہ
 و حال بینہ و بین
 ما یشہیہ فقصدہ اللہ
 قاصم الجبابرة و اخذہ اخذ
 عزیز مقتدر و عَذْلُكَ اخذ
 رَبِّكَ اِذَا اخَذَ الْقُرَى
 وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنْ اخَذَ
 اِلَيْكُمْ شَدِيدًا۔

(البدایہ والنہایہ ج - ۸ ص ۲۲۲)

دیدہ کہ خون ناحق پروانہ شمع را

امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا

چند امان نداد کہ شب را سحر کند

خلیفہ عبد الملک اموی نے یزید

کے زوال اقتدار سے عبرت پکڑ

کہ ہی اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو لکھا تھا کہ

جنینی دماء آل بنی ابی طالب فانی
 وایت آل حرب لعاتھجموا
 بہا لم یصروا۔

(تاریخ یعقوبی ص ۳۰۲ طبع بیروت ۱۳۶۹ھ)

مجھے آل بنی ابی طالب کی خونریزی سے بچاتے
 رہنا کیونکہ میں آل حرب کا انجام دیکھ چکا
 ہوں کہ یہ جب ان کی خونریزی پر پل پڑے تو
 بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے۔

۱۔ قرآن پاک کی آیت ہے۔

۲۔ ”حرب“ یزید کے پردادا کا نام ہے اور یہاں ”آل حرب“ سے خود یزید مراد ہے۔

۳۔ یعقوبی اگرچہ شیعی ہے مگر ہم نے یہاں اس کا حوالہ قصداً دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بنو مروان

بقیہ ص ۵۵

افسوس یہ نابھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ہی سے ناواقف ہیں
حافظ ابن کثیر نے اس دور کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ

اناس النامیہ الى الحسين سب لوگوں کا میلان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ
لأنه السيد الكبير و ابن بنت عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ وہی سید کبیر اور سبط
رسول الله صلى الله عليه وسلم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اس وقت
فليس على وجه الأرض يومئذ أحد روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو (فضل
يساميه ولا يساويه ولكن الدولة و کمالات میں) آپ کا مقابلہ یا برابری کر سکے
اليزيدية كانت كلها تناوئية لیکن یزیدی حکومت ساری کی ساری آپ
(البدایہ والنہایہ ج - ۸ ص ۱۵۱) کی دشمنی پر اتر آئی تھی۔

یہ ہے اختصار کے ساتھ صورت واقعہ کا اصل نقشہ جو حافظ ابن کثیر کی مشہور عربی تاریخ
”البدایہ والنہایہ“ سے انہی کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن ”داستان گو“
صاحب کو ان تمام حقائق سے انکار ہے، وہ اپنی من گھڑت ہی دہرائے جاتے ہیں اور ان
کو تاریخ ابن کثیر کا صرف وہی ایک فقرہ یاد ہے جو انھوں نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے
کے لیے نقل کیا ہے، اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے سے بچائے۔

داستان گو کا حضرت ابن زبیر پر افترا (۵) ”داستان گو“ صاحب آگے

(ابقہ صفحہ گذشتہ) بنو ہاشم کی خونریزی سے بچتے تھے ورنہ اس امر کا ذکر ابن تیمیہ کی ”مہاج السنہ“
میں بھی متعدد جگہ آیا ہے اور اسی لیے بنی امیہ کی شاخ بنی مروان سے بنی ہاشم کی قرابتیں بھی جاری
رہیں اور ان میں باہمی رشتہ مناکحت بھی ہوتا رہا ہے۔ ورنہ خاندان یزید اور خاندان حسین
میں واقعہ کربلا کے بعد قرابت کا کوئی سلسلہ قائم نہ ہوا۔ جیسا کہ محمود احمد عباسی نے
خلافت معاویہ و یزید میں مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

چل کر ”اصل حقیقت“ کے زیر عنوان پھر اسی بات کو نئے سرے سے دہرا کر ابلہ فریبی کی اس طرح کوشش کرتے ہیں۔

”حضرت حسینؑ کا قتل ان کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آتے تھے، اس کا ثبوت طبری کی اس روایت سے مل جاتا ہے جس میں اس حادثہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تقریر کا ذکر ہے (طبری حصہ چہارم باب ۱۱) کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قتل حسین کے سانحہ کی اطلاع پا کر اہل مکہ کے سامنے یہ تقریر کی تھی۔

”اہل عراق میں اکثر بدکار اور غدار ہیں ان میں اہل کوفہ بدترین ہیں، حسین کمانہوں نے اس لیے بلایا کہ ان کی مدد کریں گے، جب وہ ان کے پاس چلے گئے تو ان سے لڑنے کھڑے ہو گئے، واللہ حسین یہ بات نہیں سمجھ کر اس انبوہ کثیر میں ان کے خلص ساتھی بہت تھوڑے ہیں“

”ان کے بقیہ اہل خاندان نے بھی ان کے قتل کا الزام کوفیوں پر ہی عائد کیا عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی کوفیوں کی غداری کو ہی قتل کا موجب بتایا اور اس وقت کی پوری پہلائی دینا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی؟“

(”داستانِ کربلا“ ص ۴۴، ۴۵)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جو تقریر ”داستانِ گو“ صاحب نے نقل کی ہے غور فرمائیے! اس میں کہاں یہ ذکر ہے کہ ”آپ کو انہی ساٹھ کوفیوں نے شہید کیا ہے جو آپ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے گئے تھے“ کیا ان ساٹھ افراد کے علاوہ کوفہ میں اور کوئی متنفس نہیں بتاتا تھا؟ کیا کوفہ کی آبادی بس ان ہی ساٹھ نفوس پر مشتمل

تھی؟ کیا یزیدی لشکر جس کی نفری چار ہزار تھی اور جو عمر بن سعد کی سرکردگی میں ابھی زیاد کے حکم سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے آیا تھا کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا اس فوج کے افراد کوفہ کے رہنے والے نہ تھے؟ کیا شمر کوئی نہ تھا؟ کیا عمر بن سعد کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا عبید اللہ بن زیاد اس وقت کوفہ کا گورنر نہ تھا؟

یہی کوئی تو تھے جو ابن زیاد کی ترغیب و تحریص پر عمر بن سعد کے

زیرکمان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے لئے آئے

یہی ان پہتر نفوس کے قاتل ہیں جن میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے اہل بیت اور وہ ساٹھ کوئی شامل ہیں جو حضرت ممدوح کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ "داستان گو" صاحب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہل بیت کرام کے خون کا الزام خلیفہ یزید، اس کے باعہال عمال اور یزیدی دستہ فوج کی بجائے جو تمام ترکو فیوں پر مشتمل تھی اور جس کو ابن زیاد نے زور و زبر سے رام کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا، ان کوئی شہیدان کربلا پر ڈالنا چاہتے ہیں جنہوں نے بڑی بہادری کے ساتھ برضا و رغبت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی جانیں قربان کیں، ظاہر ہے جو شخص جوٹ بولنے سے ذرا نہ شرماتا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت جوڑنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متہم کرے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو عجبی سازش کا نتیجہ قرار دے کر اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور افرادِ بنی ہاشم کو ملوث کرے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بلوائیوں کو کسانے اور ان کی قیادت کرنے کا الزام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عائد کرے

اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ
 حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ان حضرات کے صاحبزادگان حضرات حسنین،
 حضرت محمد بن طلحہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذمہ وار ٹھہرائے اس
 سے اس کے سوا اور کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ خود "شہدار کربلا" کو حضرت حسین
 اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتلائے ایسا شخص جتنا بھی جھوٹ
 بولے کم ہے! افسوس ان سادہ لوح حضرات پر ہے جو اس مجلس کے جلسوں کی
 صدارت کرتے ہیں، اس کے کتا پتھوں پر تقریظیں لکھتے ہیں، ان کی مالی امداد کر کے
 اس کے ان کتا پتھوں کو جو جھوٹ کی بوٹ میں چھپواتے ہیں اور پھر ان کو خرید کر بانٹتے
 اور تقسیم کرتے ہیں۔

فان كنت لا تدري فلك مصيبة وان كنت تدري فالمصيبة اعظم
 (اگر تم جانتے نہیں تو یہ مصیبت ہے اور جو جانتے ہو گئے (ایسا کرتے ہو) تو پھر بہت
 ہی بڑی مصیبت ہے۔)

"داستان گو" صاحب کو اتنا بھی یاد نہ رہا کہ میں پہلے یہ لکھ آیا ہوں کہ
 "بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خاندان علی کی لاشوں کو اکٹھا کیا، ان کی
 نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا۔۔۔۔۔
 خاندان علی کے بچے کچے افراد و خواتین کو کوفہ لا کر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی
 ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعان علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات
 کی اپنی ہمدردیاں بتائیں، انھیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا

لے "داستان گو" کی اس افتراء پر دازی کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو رسالہ اکابر صحابہ پر بہتان
 ملاحظہ فرمائیں۔

کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے
 جنہیں زخمی کر کے کوئی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ
 گئے تھے اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد اور ثمر ذی الجوشن کی سر
 پرستی و دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے۔ فرمایا

”میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے
 ہی میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھ کر اور فریب دے کر ہلایا
 اور ان سے جنگ کر کے انہیں مار دیا، اے خدا رو! اے
 مکارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے
 قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا، میرے باپ اور میرے
 اہل خانہ ابھی کل تمہارے کمرے قتل ہوئے ہیں میں سے نہیں
 بھول سکتا ہوں۔“ (شیعہ کتاب، جلاء الیمون باب ۱۵ فصل ۱۵)
 یہی جواب سیدہ زینب نے دیا، آپ نے یہاں تک کہا
 کہ تم ہمارے پاس گریہ و ماتم کرتے ہوئے آئے ہو حالانکہ تم نے
 ہی ہمیں قتل کرایا ہے، جاؤ یہ مار کا وجہ اب روئے سے
 زائل نہیں ہو سکتا۔ (شیعہ کتاب، جلاء الیمون باب ۱۵ فصل ۱۵)

”فاطمہ بنت حسین نے بھی یہی زجر و توبیخ کی“ (داستان کربلا ص ۱۲، ۱۱، ۱۰)

”داستان گو“ صاحب اپنی بنائی ہوئی داستان پر غور کر کے ذرا یہ بتائیں کہ حضرت

زین العابدین، حضرت زینب اور حضرت فاطمہ بنت حسین رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس کوفہ میں

جو بعض شیعیان علی خفیہ طور سے ملاقات کے لیے آئے، اپنی ہمدردیاں جتائیں اور

انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ چلے جائیں“ اور جن کے غلط مشورے

اور ہمدردیاں جتانے سے ان تینوں حضرات نے برہم ہو کر ان سے یہ گفتگو کی جو داستان گو

صاحب نے "جلار الیعون" کے حوالہ سے نقل کی ہے، کیا یہ وہی مرد ہے تھے جو دوبارہ زندہ ہو کر ان حضرات کے پاس آ گئے تھے جن کو بقول ان کے ابھی کل شام گھر گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر عربی سعد اور شمر ذی الجوشن اور ان کے لشکریوں نے قتل کر ڈالا تھا اور ان کے دستہ کے بعض سواروں نے ان کی و شعل کو پامال بھی کیا تھا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، یعنی وہی ساٹھ کو فی "شہداء کربلا" (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ جن کو "قاتل گو" صاحب حضرت حسین اور ان کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتاتے ہیں یا یہ وہ لوگ تھے جو عید اللہ بن زیاد کے دباؤ میں آ کر عمر بن سعد کی کمان میں اور شمر کی معیت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ہاتھاروں سے لڑنے آئے تھے اور جو واقعی حضرات "شہداء کربلا" کے اصل قاتل تھے اور اس لیے بجا طور پر زجر و توبیخ کے مستحق اور لعن طعن کے قابل تھے، اس لیے ان کو جتنی بھی سرزنش کی جاتی کم تھی۔

اب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تقریر کے اصل الفاظ بھی پڑھ لیجئے جس کو احمد حسین کمال نے مؤرخ طبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس پر غور کیجئے کہ یہ صاحب زبیر داستان کے لیے صورت واقعہ کو مسخ کرنے میں کیا کمال دکھاتے ہیں۔ تاریخ طبری کی عبارت درج ذیل ہے

لما قتل الحسين عليه السلام جب حضرت حسین علیہ السلام قتل کر دیے گئے
قام ابن الزبير في اهل مكة تو حضرت ابی زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اہل
وعظم مقتله وعاب اهل انكوفة خاصة ولام اهل العراق
عامة، فقال بعد ان حمد الله و
اشنى عليه وصلى على محمد صلى
الله عليه وسلم ان اهل العراق
کہ کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی اور ان کے
قتل کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا، اہل کوفہ کا خصوصیت
کے ساتھ عیب بتایا اور عمومی طور پر اہل عراق
کو عمت کی، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد
و ثنا کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

خُذْزُ فُجْرًا اَلْقَلِيلَ وَاَنْ اَهْلُ
 الْكُوفَةِ شَرَارُ اَهْلِ الْعِرَاقِ وَاَنْهُمْ
 دَعَوْا حُسَيْنًا لِيَنْصُرُوهُ وَاَنْهُمْ
 عَلَيْهِمْ ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِ ثَارُوا
 اِلَيْهِ ، فَقَالُوا لَهُ اَمَّا اَنْ تَضُمَّ يَدَكَ
 فِي اَيْدِيْنَا فَنُبْعَثَ بِكَ اِلَى ابْنِ زِيَادٍ
 بِنَ سِمِيَّةٍ سَلَمًا قِيَمَ فَيَكُ
 حَكَمُهُ وَاَمَّا اَنْ تَحَارِبَ ، فَرَأَى
 وَاللّٰهُ اَنَّهُ هُوَ وَاَصْحَابُهُ قَلِيلٌ
 فِي كَثِيرٍ ، وَاَنْ عَانَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ
 لَمْ يَطْلَعْ عَلَى الْغَيْبِ اَحَدًا اَنَّهُ
 مَقْتُولٌ ، وَلَكِنَّهُ اخْتَارَ الْمَيْتَةَ
 الْكَرِيْمَةَ عَلَى الْحَيَاةِ الذَّمِيْمَةِ
 فَرَحِمَ اللّٰهُ حُسَيْنًا وَاَخْزَى ،
 قَاتِلَ الْحُسَيْنِ ، لَعَمْرِي لَقَدْ كَانَ
 مِنْ خِلَافِهِمْ اِيَّاهُ وَاَنْ
 غَضِبَانَهُمَا عَانَ فِي
 مَثَلِهِمْ وَاَعْظَمَ وَاَنَّهُمْ
 وَ لَعْنَةُ مَا حَمَّرَ نَازِلٌ
 وَاِذَا اَسْرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا لَّنْ
 يَدْفَعُ اَفْبَعْدَ الْحُسَيْنِ

بھیجنے کے بعد فرمایا کہ اہل عراق میں قلیل تعداد کو
 مستثنیٰ کر کے اکثر غدار اور بدکار ہیں اور کوفہ والے
 تو اہل عراق کے بدترین لوگ ہیں، انھوں نے
 حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے بلایا
 تھا کہ ان کی مدد کریں گے اور ان کو اپنا والی بنائیں
 گے، پھر جب وہ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان
 کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے مقابلہ
 کرنے لگے کہ یا تو آپ اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں
 پکڑا دیں تاکہ ہم آپ کو گرفتار کر کے بخیریت ابن
 زیاد بن سمیہ کے پاس پہنچا دیں اور وہ اپنا حکم
 آپ پر چلائے ورنہ آپ جنگ کے لیے تیار
 رہیں، سو سیدہ احسن نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان
 کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں آپ کی اور آپ کے
 اصحاب کی تعداد قلیل ہے اور گو اللہ عزوجل
 نے کسی کو غیب کی خبر نہ دی کہ وہ ضرور قتل ہو کر
 رہے گا، تاہم آپ نے عزت کی موت کو ذلت
 کی زندگی پر ترجیح دی، اللہ تعالیٰ حسین پر رحمت
 نازل فرمائے اور ان کے قاتل کو رسوا کرے
 بجا ان میں ان لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ
 عنہ جیسے شخص کی جس طرح سے مخالفت اور
 نافرمانی کی وہ ان کے طرز عمل سے نصیحت پکڑنے

نظمّن الى هؤلاء القوم و
نصدق قولهم و نقبل
لهم عهداً ! لا ولا
نراهم لذالك اهلا
اما والله لقد قتلوه ،
طويلاً بالليل قيامه
كثيراً في النهار صيامه
احق بما هم فيه منهم
واولى به في الدين و
الفضل ، اما والله ما
كان يبدل بالقرآن
القنأ ولا بالبكار من خشية الله المدا ،
ولا بالصيام شرب الحرام ، ولا
بالمجالس في حلق الذكر
الركض في تطلاب الصيد
يعرض بيزيد فسوف
يلقون غيأ .

(تاریخ الطبری ج -

ص ۴۴۵ ، ۴۴۶)

اور ان سے روکنے کے لیے کافی تھا لیکن جو تقدیر
میں ہوتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے اور جب اللہ
تعالیٰ کسی معاملہ کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کو
ہرگز ٹالا نہیں جاسکتا، سو کیا اب حسین کے بعد
بھی اس حکمران قوم پر اطمینان کریں ان کے قول
کی تصدیق کریں اور ان کے عہد کو قبول کریں نہیں
نہیں ہم ان کو اس کا اہل نہیں سمجھتے، خدا کی قسم
انہوں نے اس حسین کو قتل کیا جو رات کو دیر
تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت
سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا
ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دینی
اور فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے، بخدا
وہ تلاوت قرآن کی بجائے گانے بجانے اور
خوف الہی سے رونے کی بجائے نغمہ اور سرود
کا شغل نہیں رکھتے تھے، نہ روزوں کی بجائے
شراب خواہی میں مصروف رہتے تھے، نہ ذکر
الہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے
کو ایڑ لگایا کرتے تھے، یہ سب باتیں یزید پر ظن
تھیں، سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی
دیکھیں گے۔“

اس تقریر کو پھر پڑھیے، یہ یزید اور اس کی کوئی فوج کا بیان ہو رہا ہے، یا حضرت

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی "شہداء کربلا" کا، یہ شغل مے نوشی، یہ سیر و شکار کی مصروفیت، یہ نغمہ و سرود کے مشغلے کس کے کردار پر طعنے ہیں، کیا یزید کے کردار پر نہیں؟ جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر سن کر عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنایا اور پھر ابن زیاد نے کوفیوں کو ترغیب و تہمیب سے حضرت ممدوح سے فدا رمی پر آمادہ کیا اور عمر بن سعد کو سالار لشکر بنا کر آپ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ اسی حکومت اور اس کے کارندوں کے بارے میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں پر ہم کیونکر اطمینان کریں اور ان کی باتوں کو ہم کس طرح سچ جانیں اور ان کے عہد و پیمان پر کس طرح اعتماد ہو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت کو تو شہید کر دیا اور یزید جیسے بدکردار کے تابع فرمان ہیں، کیا اس تقریر میں قتل حسین کی ذمہ داری یزید پر نہیں ڈالی گئی؟ مگر "داستان گو" صاحب داستان سمرانی میں مصروف اور افسانہ نویسی میں گم ہیں۔

یزید کی برارت کے سلسلہ میں داستان سمرانی (۴) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سانحہ

شہادت پر یزید اور یزیدی حکومت کے خلاف آپ کے یوم شہادت سے لے کر آج تک جو احتجاج ہوا اس سے پوری اسلامی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے مگر "داستان گو" صاحب ابھی تک اس سے انجان بنے ہی نحر پر فرماتے ہیں

"اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے بھی خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی" (داستان کربلا ص ۲۵)

حالانکہ خود بدولت ہی اپنے پہلے کتابچہ "حضرت عثمان کی شہادت کیوں اور کیسے؟"

میں یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ

”حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی دینی، سیاسی اور تاریخی عظمت سجا اور ان کے عظیم ترین کارنامے و فتوحات تسلیم، لیکن حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی شہادت کے جس سازشہ پس منظر میں خلافت کا عہدہ سنبھالا تھا اور اندرونی طور پر حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبید اللہ کے قتل کرنے کے اندرونی دباؤ اور مطالبہ سے دوچار ہونا پڑا تھا، جس کے مان لینے سے امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو سکتی تھی، جیسا کہ واقعہ قتل حسین کے بعد ہو گئی“ (ص ۳۰)

تعب ہے کہ یہ مان لینے کے بعد بھی کہ
”واقعہ قتل حسین کے بعد امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو گئی“

داستان کربلا کہنے بیٹھے تو سب کچھ فراموش کر کے بالکل اسحاق بن گئے سچ ہے
دروغ گور حافظہ نباشد

اب ذرا کمال صاحب اپنے حافظہ پر زور ڈال کر سوچیں کہ امت یزید اور اس کے بد اعمال عمال حکومت کے خلاف ہو گئی ہے یا ان ساٹھ کو فی ”شہداء کربلا“ کے کہ جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت میں درجہ شہادت پر فائز ہو کر داخل جنت ہوئے۔
خاندان حسینی کے وظائف مقرر کرنے کا افسانہ (۷) اور ”داستان گو“

صاحب نے جو یہ بات

بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہے کہ

”خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کے طریقہ کے مطابق حضرت صاحب کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد

خاندان کے پیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔
(”داستان کربلا“ ص ۱۲)

اگر یہ بات صحیح ہے تو ”داستان گو“ صاحب ذرا بتائیں کہ یہ پیش بہا وظیفے یزید نے اپنی ذاتی اور خاندانی جاگیر سے مقرر کیے تھے یا حکومت کے بیت المال سے، اگر بیت المال سے مقرر کیے تھے تو حضرت زین العابدین اور دوسرے افراد خاندان ان پیش بہا وظیفوں کے مستحق بھی تھے یا نہیں، اگر مستحق تھے تو پہلے سے کیوں مقرر نہیں کیے اور اگر غیر مستحق تھے تو یزید کو مسلمانوں کے بیت المال میں بے جا تصرف کرنے کا کیا حق حاصل تھا جو اس نے اپنی طرف سے ان کے پیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

یزید کی جانشینی کی نرالی توجہ (۸) ”داستان گو“ صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں یہ داستان

گڑھنے کے بعد اس کے پس منظر میں واقعات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ
”حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہل مدینہ سے مشورہ واستصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔“

چونکہ مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل تھا اور اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا کوئی فرد ہو یزید بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعویٰ نے

نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دئے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا، اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول اللہ ﷺ کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کے امیرِ نزیہ کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی

اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؑ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آکر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے حضرت معاویہؓ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ

”میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے

درپے ہوں“ (اخبار الطوال)

سنہ ۴۰ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی، آپ کے بعد امیرِ نزیہ جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسین کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ

”مجمع عام میں بیعت کی جائے، وہیں میں بھی بیعت کر لوں گا“

(طبری۔ اخبار الطوال)

لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے، آپ کے ہمراہ آپ کی ہمیشہ گانِ اُم کلثوم، زینب، آپ کے برادرانِ ابوبکر، جعفر اور عباس اور آپ کے برادر زادگان یعنی فرزدانِ حضرت حسن بھی تھے، البتہ آپ کے

ایک بھائی محمد بن حنفیہ اور بہت سے اہل خاندان ساتھ نہیں گئے، مدینہ کے کوفہ اور حکام نے کوئی تعرض نہیں کیا اور حضرت حسین کو ان کے اہل خانہ کے ساتھ مکہ چلے جانے دیا، راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ جواب دیا مکہ جا رہا ہوں، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعیان علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اُسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آئیے گا۔ (اخبار الطوال)

کوفہ کے شیعیان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کے بغیر مدینہ سے مکہ آگئے ہیں تو انہوں نے سلیمان بن صرد کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سلع ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسین کو بھیجا کہ

”آپ کوفہ آئیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہے نکال دیں گے“

حضرت حسین کے پاس صبح یہ دونوں قاصد پہنچے اور شام کو مزید دو قاصد پہنچے پچاس پچاس خطوط جن پر دو دو چار چار اشخاص کے دستخط تھے لے کر پہنچ گئے مضمون ایک ہی تھا کہ کوفہ تشریف لائیے اور بیعت لیجئے، غرضیکہ ہر روز صبح و شام کوفہ سے آنے والے قاصدوں کا تانا بندا گیا، حضرت حسین نے ان تمام خطوط کو بحفاظت رکھا اور اپنے بھائی مسلم بن عقیل کے ذریعہ ایک خط اہل کوفہ کے نام جواب میں بھیجا کہ ان آمدہ خطوط کی تصدیق ہو جائے۔ (اخبار الطوال)

بعد کے واقعات اور انجام آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں داستانِ کربلا (۲ تا ۲۴)

”داستان گو“ صاحب کو ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کرنے میں ذرا باک نہیں چنانچہ جہاں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ

”بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعویٰ نے نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنایا تھا (ص ۲۱)

اسی کے ساتھ بلا توقف یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ

”اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے حوام سے استصواب کر کے امیر زبید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی“ (ص ۲۱)

نیز یہ کہ حضرت معاویہ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہل مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے زبید کی جانشینی کی بیعت عام لے لی“ (ص ۲۱ و ۲۰)

ناظرین! جائے غور ہے جب بقول ان کے ”نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات ہی معدوم تھے“ تو یہ ”ان ہونی“ کیسے ہوئی اور زبید کے بارے میں استصواب عام کیوں کر ممکن ہوا؟ ایسی صورت میں اصحاب رسول و ازواج رسول (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور پوری مملکت کے حوام سے استصواب کی آخر کیا صورت ہوئی؟ اور اگر استصواب عام ممکن تھا جیسا کہ بقول ”داستان گو“ کے زبید کی بیعتی کے سلسلہ میں ہوا بھی بلکہ زبید کے مرجانے پر بھی اس کے بیٹے معاویہ نے خلافت کا مسئلہ استصواب ہی پر رکھا، چنانچہ خود ”داستان گو“ کا بیان ہے کہ

” خلیفہ یزید کے بعد ان کے صاحبزادہ معاویہ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کرنا چاہی، معاویہ نے مجلس شوریٰ سے کہا کہ وہ خود کو اس منصب کے لیے اہل نہیں پاتے، اس لیے مسلمان باہم مشورہ سے کوئی بہتر شخص منتخب کر لیں

(ص ۱۶۶)

تو پھر یزید کی ولی جہدی کی بیعت لینے کی بجائے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر بھی یہی طریق کار اپنایا جاتا تو آخر اس میں کیا قباحت تھی کہ اسٹ مشورہ عام سے جس شخص کو چاہتی خلافت کے لیے منتخب کر لیتی آپ خود ہی سوچیں کہ معاویہ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ طرز عمل لائق ستائش ہے یا یزید کی بے وقت کی ولی جہدی کی بیعت جس کی توجیہ میں ”داستان گو“ صاحب سرگرداں میں مگر کوئی بات بنائے نہیں بنتی (۹) چنانچہ کتاب وسنت سے یزید کی ولی جہدی کا کوئی معقول جواز پیش کرنے کی بجائے ”داستان گو“ صاحب اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے کہ ”چونکہ مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلا و عجم پر مشتمل تھا اور اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا فرد ہو۔۔۔ اسیلئے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دیا مناسب خیال فرمایا“

(ص ۲۱۶)

واقعی یزید کی ولی جہدی کی جناب نے بہت ہی عمدہ وجہ بیان کی

ع پبلی پٹرک اٹھی نگہ انتخاب کی۔

جناب کی تصریح سے واضح ہو گیا کہ ”اہل عجم“ کی اطاعت کی خاطر یزید کی ولی جہدی کا مسئلہ کھڑا ہوا اور اس بار سے میں ”اہل عجم“ کا اتنا پاس و لحاظ کیا گیا کہ امور سلطنت میں بھی بالکل انہی کا طریقہ اپنایا گیا۔

تعجب ہے کہ آپ کے مدد و ح یزید کی ولی عہدی کے بارے میں تو اہل عجم کا اتنا خیال رکھا جائے، مگر ”مجلس حضرت عثمان غنی“ ان ہی ”اہل عجم“ کے اتنے خلاف ہو کہ ان کے کفر و زندہ و لفاق کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اس کا قیام عمل میں لائے چنانچہ ”داستان کربلا“ کے آخر میں مجلس کے تعارف اور پروگرام کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ

”چونکہ اولین اہل قلم عموماً انہیں عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں جن کی شوکت و حکومت اور چودھراہٹ مخالفتِ اسلام کے سبب الی ہی مقدس صحابہ کرام کے ایمان عزم و ہمت اور فطرتی ہاتھوں پیوند خاک ہوئیں بنا رہیں انھوں نے اپنے کفر و زندہ اور جذبہ انتقام کو لفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدر اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محدثین امت کے حسین کردار اور حقیقی خد و خال پر مفتریات و کمزوبات کی گہری تہیں بیٹھ گئیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاصل زندگی منظور نظر اور اسلام کی ریڑھ کی ہڈی کہنا چاہیے۔“ الخ (ص ۳۰، ۳۱)

اب خود ہی سوچ لیجئے کہ کیا انہی اولین اہل عجم کی خوشنودی کے لیے ”یزید“ کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی تھی؟ اور کیا الی ہی کی اطاعت کی خاطر ان کے رسم و رواج کو اپنایا گیا تھا، خوب جناب نے یزید کی ولی عہدی کی تحتیق کا حق ادا کیا۔ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

(۱۰) یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ پہلے ”داستان گو“ صاحب اس بات پر طنز کر چکے ہیں کہ

”حضرت علی کی وفات اور تدفین کے بعد لوگ حضرت حسن کے پاس مسجد میں

جمع ہو گئے اور ان کی بیعت کی“ (داستان کربلا ص ۱۷)

چنانچہ ان کے الفاظ ہیں کہ

”حضرت علیؑ کے بعد ان شیعیان نے حضرت علیؑ کے بڑے صاحبزادے

حضرت حسن کو ان کا جائزین خلیفہ بنا کر باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی

کی رسم قائم کی“ (دستاویز کربلا ص ۱۵)

غور فرمائیے! یزید کی ولی عہدی کے لئے تو توجہیں گڑھی جاتی ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولی عہدی پر طنز کیا جاتا ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر حضرات صحابہ و تابعین برضا و رغبت بیعت کر لیں اور تمام اہل سنت والجماعہ بجا اختلاف ان کو خلیفہ راشد مان لیں، تو یہ بات قابلِ نکیر ہے کہ باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم قائم ہوتی ہے، لیکن اگر یزید کو اپنے باپ کی ہی زندگی میں ولی عہد بنا دیا جائے تو لائقِ تحسین ہے، قرینِ مصلحت ہے، کیونکہ ”مجلس عثمان غنی“ کے شیعیان اموی کی نظر میں ایسی صورت میں باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم یا تو سرے سے وقوع پذیر ہی نہیں ہوتی یا پھر عین صواب ہے پھر یہ کہنا بھی غلط کہ ”ولی عہدی کی رسم قائم کی“

ولی عہد اور خلیفہ میں جو فرق ہے سب کو معلوم ہے ”دستاویز کو“ صاحب کو علم نہ ہو تو اور بات ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی کا ”ولی عہد“ نہیں بنایا گیا تھا بلکہ حضرت مدوح سے ماضی نے بیعت خلافت کی تھی اور باتفاق اہل سنت و جماعت جب تک کہ آپ نے عہدہ حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض نہیں کیا آپ کا شمار خلفاء راشدین میں ہے آپ کا زمانہ ولی عہدی تو اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے زمام حکومت سونپی اور اس وقت آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی عہد نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی عہد تھے، یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد اٹھا ہے، اب ہم پوچھنا چاہتے

ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات اور یزید کی ولیعهدی کی بیعت کے دوران
 جتنا عرصہ گزرا اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں آخر بادشاہی
 وہ کوئی فتوحات ہوئیں جن کی بنا پر مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت
 والا حصہ اب بادشاہی پر مشتمل ہو گیا؟ جو اس سے پہلے نہ تھا۔ نیز اگر یہ بات صحیح ہے
 کہ ”اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو، اس کا بیٹا ہو
 یا اس کے خاندان کا فرد ہو“ تو اس میں یزید بن معاویہ ہی کی کیا خصوصیت تھی؟ کیا خلفاء
 راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد و امجاد حکمرانوں کی
 اولاد نہ تھی؟ کیا تاریخ اسلام میں بس پہلے حکمران حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 ہی ہوئے ہیں؟ مزید یہ کہ ”داستان گو“ صاحب تو یزید کے بعد مرغان ہی کو خلیفہ
 مانتے ہیں کیا مردان کے والد بزرگوار و حکم بھی کسی زمانہ میں عالم اسلام کے حکمران رہے
 تھے؟ عوام کو اس طرح گمراہ کرنے سے فائدہ!

بنی ہاشم پر افتراء (۱۱) اور جناب نے بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی

طرف جو خلافت کے استحقاق کے ادعا کا دعویٰ منسوب

کیا ہے، اس کا تاریخی ثبوت کیا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمرانی سے
 پہلے بنی ہاشم میں دو خلیفہ ہوئے ہیں، ایک حضرت علی دوسرے ان کے صاحبزادے
 حضرت حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور دونوں کا انتخاب خلافت کے لیے ارباب
 حل و عقد نے کیا تھا، ان میں سے خود کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ نہیں کیا
 اور دونوں اہل سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں، ان دونوں کے علاوہ یزید کی ولیعهدی
 کے زمانہ تک بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ کیا ہو تو ذرا اس
 کا نام تو بتائیے! خلفاء راشدین کے بارے میں غلط بیانی سے کوئی فائدہ انیز باقرض
 یہ مان بھی لیا جائے کہ ”بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق

کا دعویٰ کیا گیا ،، تو اس سے کوئی قیامت ٹوٹ پڑی، خلافت کا حق قریش کے لیے نص سے ثابت ہے کیا بنی ہاشم جو خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہیں قریش سے خارج ہیں۔ کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں صرف بنی امیہ ہی کے لیے الاٹ کر دی گئی تھی، اور بنی امیہ میں بھی صرف بنو حرب کے لیے جو یزید کی ولی جہدی ضروری پٹھری؛ واپس بھی بنو ہاشم کے بارے میں تو جناب کی معلومات قابلِ واد ہیں کہ آپ نے حضرت عبید اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی ”شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے“ میں جو نام بنی ہاشم میں شمار کیا ہے (ص ۱۳۱) حالانکہ وہ قطعاً ہاشمی نہیں۔ بلکہ قریشی اسدی ہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ روافض خلافت کو بنی فاطمہ کا حق سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل بعض نو اصحاب بنی امیہ کا، چنانچہ علامہ ابن خرم نے ”الفصل“ میں لکھا ہے، کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اردن میں ایک شخص نے جو اس امر کا قائل تھا کہ منصب خلافت پر فائز ہونا امیہ کے علاوہ اور کسی کے لیے روا نہیں اس موضوع پر ایک مستقل مایع بھی مدون کی ہے۔ (ج ۴ ص ۹۰)

حضرت حسین کے بارے میں افسانہ تراشی (۱۲) اور داستان گو“ نے جو یہ لکھا ہے کہ

”اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے، حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے پلے ہوں“

سو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو ان کو یہ افسانہ تراشا ہی چاہیے کہ قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا کیونکہ وہ نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے برادر بزرگوار حضرت حسن اور ان دونوں کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں ملوث کرنا چاہتے ہیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ خود یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ :-

”حضرت حسن فوت ہو چکے تھے“ اور ان کی وفات ۳۹ھ یا ۳۸ھ میں ہوئی ہے اور اسی ”داستان کربلا“ میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ :-

”امر خلافت جو حضرت عثمان کی شہادت کے

بعد ۳۵ھ کے آخر سے معطل ہو گیا تھا اور مسلمان دو حصوں میں بٹ

گئے تھے، حضرت حسن کے اس اقدام سے کہ انھوں نے حضرت معاویہ

کے ہاتھ پر بیعت کر لی (۳۵ھ کے شروع میں ۵ سال بعد پھر کمال

ہو گیا اور امت ایک ہی خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

سربراہی میں متحد ہو گئی“ (ص ۱۹)

غرض ۳۵ھ سے لے کر ۳۹ھ یا ۳۸ھ تک پورے نو، دس برس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام قلمرو اسلامی کے بلا شرکت غیر سے مطلق فرمانروا تھے اور اس لیے ”داستان گو“ ہی کے قول کے مطابق اس وقت

۱۔ کیونکہ شیعان مروان ”مجلس عثمان غنی“ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں نہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سے ان کے عقیدہ کے مطابق امر خلافت معطل رہا۔

”حضرت معاویہ قاتلین عثمان..... اور فتنہ بازوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیفر کردار تک پہنچانے لگے۔“
(ص ۲۰)

پھر ”قاتلین عثمان“ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت سے کیونکر بچ گئے شاید وہ یہ جواب دیں کہ

”حضرت معاویہ کے در سے قاتلوں کے بہت سے ساتھی روپوش ہو گئے۔“
(”داستان کربلا“ ص ۲۰)

تو پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہے گا کہ خود ان کے ہی لکھنے کے مطابق ”کوفہ میں رہنے والے“ قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتحال پر متنبہ کیا الخ

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معاملہ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو کیوں متنبہ کیا؟ جب ان کو ان باتوں کا پتہ چل گیا تھا تو پھر ان ”قاتلان عثمان“ کو کیوں کیفر کردار تک نہ پہنچایا کہ نہ رہے بالنس نہ بنجے بنسری۔ ”داستان گو“ صاحب جھوٹ سے بات کہیں بنا کرتی ہے! معاملہ اور الجھ جاتا ہے!

غلط حوالہ دینے کی تو ”داستان گو“ صاحب سے شکایت ہی کیا، وہ تو ان کی پرانی عادت ہی بنے بھری کے حوالوں کی تصحیح ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہے کہ ”داستان گو“ صاحب نے کس طرح سچ میں جھوٹ ملا کر صورت کو مسخ کیا ہے، یہاں بھی وہی کارروائی فرمائی اور ان اشراف کوفہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور حلیل القدر صحابی حضرت جبر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو جبر بن الادبر، جبر الخیر کے نام سے معروف ہیں) کے قتل کیے جانے کی خبر لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تھے، ”قاتلان عثمان“ کی تہمت لگادی ہے، حضرت جبر بن عدی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان اشرف کو فدہ کا قتل عثمان سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، یہ سب ”داستان گو“ صاحب کی بنائی ہوئی بات ہے، اہل علم ”الاجار الطوال“ سے جس کا ”داستان گو“ صاحب نے حوالہ دیا ہے مراجعت کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت حسین کو مطعون کرنا (۱۳) اور بیعت یزید کے سلسلہ میں جو ”داستان گو“

صاحب کا یہ بیان ہے کہ

”سلسلہ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی، آپکے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسینؑ کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ ”مجمع عام میں بیعت لی جائے میں بھی وہیں بیعت کر لوں گا“ (طبری - اخبار الطوال)

”لیکن دوسرے دن آپ کہہ کے لیے روانہ ہو گئے“ (ص ۲۲)

اس کا مقصد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلط گوئی اور وعدہ خلافی سے متہم کرنا ہے ”تاریخ طبری“ اور ”الاجار الطوال“ میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گورنر مدینہ سے یہ کہا ہو کہ ”میں بیعت کر لوں گا“ یہ بات ”داستان گو“ صاحب نے اپنے جی سے بنائی ہے، واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا، تو اس کو سب سے پہلے اس بات کی فکر تھی کہ ان لوگوں سے کس طرح بٹا جائے، جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہی میں یزید کی ولیعهدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، چنانچہ فوراً ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نام جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا ایک چھوٹے سے پرچہ پر جو بقول مؤرخ طبری ”چو ہم کے کان“ کے برابر تھا (کانہما اذن فادۃ) یہ فرمان لکھ کر بھیجا

اما بعد بیعت کے سلسلہ میں، حسین عہد اللہ

اما بعد فخذ حسیناً و عہد اللہ

بن عمر و عہد اللہ بن الزبیر بالبیعة

بن عمر و عہد اللہ بن الزبیر بالبیعة

ساتھ پکڑو اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کریں

اخذاً شدیداً لیسیت فیہ رخصۃ

حتی یایعوا والسلام - انہیں رخصت نہ ملنے پائے

(تاریخ الطبری ص ۲۳۸) والسلام -

ولید کو یزید کا یہ حکم ملا تو وہ فتنہ کے خوف سے گھبرا آیا، مروان اور ولید میں ان بنی تھی، لیکن معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر اس نے مروان کو مشورہ کے لیے طلب کیا اس شقی نے آتے ہی جو مشورہ دیا وہ سننے کے قابل ہے۔

علیک بالحسین بن علی وعبد اللہ بن الزبیر، فابعث الیہما الساعۃ فان یایعوا والا فاضرب اعناقہما قبل ان یعلن الخبر (الاجار الطوال ص ۲۲۷)

تم پر لازم ہے کہ اسی وقت حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر کو بلوا لو اگر وہ دونوں بیعت کر لیں تو خیر ورنہ دونوں کی گردنیں مار دو، یہ کام معادیہ کی خبر مرگ کے اعلان سے پہلے پہلے ہو جانا چاہیے۔

ولید نے مروان کے مشورہ کے مطابق عبد اللہ بن عمر بن عثمان کو ان دونوں حضرات کو بلانے کے لیے بھیج دیا، جو اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ولید کا پیام پہنچا تو ان حضرات نے عبد اللہ سے فرمایا تم چلو ہم آتے ہیں، وہ چلا گیا تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ ”اس بے وقت کی طلبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

لے ابو صفیہ دینوری کے الفاظ میں ظہور ذلک علی الولید فقطع بہ وخاف الفتنۃ (الاجار الطوال ص ۲۲۷) جب ولید کے پاس یہ حکم پہنچا تو وہ گھبرا گیا اور اسے فتنہ کا اندیشہ ہوا۔

اسے یہ بھی واضح رہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ جمل میں مروان کی جان بخشی کی تھی۔ اس ناسپاس نے اس کا یہ بدلہ دیا۔

”میرا گناہ ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا اس لیے بیعت کے لیے ہمیں بلا بھیجا ہے“ اسی زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا ”میں بھی یہی سمجھتا ہوں“ اس گفتگو کے بعد دونوں حضرات اپنے گھروں کو لوٹ آئے، گھر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلاموں اور موالیٰ کو جمع کر کے ”دارالامارۃ“ کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر ان کو ہدایت کی کہ دروازہ پر ٹھہرے رہو اور اگر اندر سے میری آواز سلو تو ”دارالامارۃ“ میں گھس جانا یہ فرما کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر تشریف لائے، ولید نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا فرمان دکھایا اور اس کی بیعت کے لیے کہا، اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعزیت کے بعد فرمایا کہ

أَمَّا سَأَلْتَنِي مِنَ الْبَيْعَةِ فَإِنْ
مِثْلِي لَا يُعْطَى بِبَيْعَتِهِ سِرًّا
وَلَا أَرَاكَ تَجْزِي بِهَا مَنِي
سِرًّا دُونَ أَنْ تَطْهَرَهَا مِنْ
رُؤْسِ النَّاسِ عَلَانِيَةً۔

بیعت کے بارے میں جو تم نے مجھ سے کہا
ہے تو مجھ جیسا آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتا
اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی میری خفیہ بیعت کو
کافی نہیں سمجھتے جب تک کہ تم بر ملا لوگوں
کے سامنے اس کا اظہار نہ کرو۔

ولید نے کہا اجل (ہاں ہاں)۔ اس پر آپ نے اس سے فرمایا۔
فَاذْخَرِجْتَ إِلَى النَّاسِ وَدَعَوْتَهُمْ إِلَى
الْبَيْعَةِ دَعْوَتًا مَعَ النَّاسِ فَكَانَ امْرَأً
وَاحِدًا (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۲۹، ۳۳۰) ساتھ ہی بلا لینا، تاکہ معاملہ یکساں رہے۔
اس عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس کا ترجمہ یہ ہو کہ ”میں بیعت کر لوں گا“
بلکہ آپ معاملہ کو لوگوں کے اجتماع پر لانا چاہتے ہیں، پھر ابھی بیعت لینا شروع نہیں
ہوا۔ جیسا کہ ”داستان گو“ صاحب نے لکھا ہے بلکہ آپ کو بے وقت بلوا کر خفیہ
طور پر بیعت لینے کے لیے زور ڈالا جا رہا تھا، جس سے آپ نے حکمت عملی کے ساتھ

پہلو تہی فرمائی، بہر حال حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید کو قائل کیا تو اس نے آپ کو ”دار الامارۃ“ سے جانے کی اجازت دے دی، اس پر مروان نے پھر ولید سے کہا

واللہ ان فارقک الساعة خدا کی قسم اگر یہ اس وقت بغیر بیعت کیے ولید یمایع لا قدرت منہ تیرے پاس سے چلے گئے تو پھر کبھی بھی تو ان علی مثلہا ابدا حتی تکثر سے بیعت لینے پر اس وقت تک قادر نہ ہو القتلی بینکم و بینہ اجس سکے گا جب تک کہ تمہارے اور ان کے مابین الرجل، ولا یخرج من کثرت سے لوگ قتل نہ ہو جائیں اس شخص کو عندک حتی یمایع او تضرب کو قید کر اور جب تک کہ یہ بیعت نہ کر لے یا عنقہ۔ اس کا سر نہ قلم کر دیا جائے، یہ تیرے پاس سے نکلنے نہ پائے۔ (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسے ہی مروان کی زبان سے یہ سنا کو دکر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے باہر نکل آئے کہ یا ابن الزرقاء انت اوزرقاد (مروان کی ماں کا لقب) کے بچے تو تقنی ام ہو؟ کذبت مجھے قتل کرے گا یا یہ، خدا کی قسم تو جھوٹ بکتا واللہ واثمت۔ ہے اور گناہ اپنے سر لیا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح صحیح سلامت نکل جانے پر مروان بڑا برہم ہوا اور ولید سے کہنے لگا،

عصیتفی، لا واللہ لا تو نے میری بات نہ مانی، خدا کی قسم اب وہ یحکنک من مثلہا کبھی تجھ کو اس بارے میں اپنے اوپر قابو من نفسہ اہذا۔ نہیں دس گے۔

ولید نے مروان سے کہا ”مروان یہ زہر تو بیخ کسی اور کو کر تو میرے لیے وہ بات پسند کر رہا ہے جس میں میرے دیہی کی سراسر بربادی ہے

واللہ ما احب ان لی ما طلعت
علیہ الشمس و غربت عنہ من
مال الدنیا و ملکھا، وانی قلت
حسیناً، سبحان اللہ! اقل حسیناً
ان قال لا ابا یعر! واللہ انی لا ظن
امراً یحاسب بدم الحسین لخصیف
المیزان عند اللہ یوہ القیامتہ
(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)

خدا کی قسم حسینؑ کے قتل کے عوض اگر مجھ کو مشرق
و مغرب میں تمام دنیا کا مال اور اس کی سلطنت
بھی ملے تو پسند نہیں، سبحان اللہ! کیا میں
حسین کو صرف اس لیے قتل کر ڈالوں کہ وہ
کہتے ہیں ”میں بیعت نہیں کرتا“ بخدا مجھے
یقین ہے کہ جس شخص سے قیامت کے دن
اللہ تعالیٰ کے حضور میں حسین کے خون کا حساب
لیا جائے گا، میزان میں اس کا پلہ ہلکا ہو گا۔

اس پر مروان جھلا کر بولا، اچھا تمہاری یہی رائے ہے تو پھر تم نے ٹھیک کیا۔ یہ
ہے اس واقعہ کی تفصیل جو تاریخ طبری سے نقل کی گئی۔ ”الاخبار الطوال“ اور ”تاریخ طبری“
دونوں کا مضمون واحد ہے، فرق ہے تو بس اجمال و تفصیل کا۔ مورخ دینوری نے
بیان واقعہ میں اجمال سے کام لیا ہے اور مؤرخ طبری نے تفصیل سے، مگر ”داستان گو“
صاحب کو پوری داستان میں پس آنا ہی یاد ہے جو ان کی قلم سے نکلا اور پھر زیب
داستان کے لیے دونوں کتابوں کے حوالے سے واقعہ کا وہ المناقشہ کھینچا ہے جس
سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ کا پہلو عیاں ہو کیونکہ انہیں یزید و مروان سے
عقیدت ہے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیر۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کو ”بیعت ضلالت“ سمجھتے تھے
اس لیے وہ اس سے کیوں بیعت کرتے چاہو! ام ابن خزم ظاہری، ”الفصل فی الملل والاہوار
والنحل میں فرماتے ہیں

رأى انها بيعة ضلالة حضرت حسين رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے میں
(ج ۲۰ ص ۱۰۵ طبع ۱۳۲۱ھ) یزید کی بیعت ”بیعت ضلالت“ تھی۔
اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

انما انکر من انکر من الصحابة رضی صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم میں سے
اللہ عنہم ومن التابعین بیعة یزید بن جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید،
معاویہ والولید وسلیمان لانہم عاؤا سلیمان کی بیعت سے انکار کیا وہ اس
غیر مرخصین (ج ۲ ص ۱۶۹) لیے کیا کہ یہ اچھے لوگ نہ تھے۔
”داستان گو“ صاحب نے مؤرخ طبری کے حوالے سے جو کچھ نقل کیا ہے اس
کی تنقیح کے سلسلہ میں یزید کے برے کردار پر روشنی ڈالی جا چکی ہے، اس پر دوبارہ نظر
ڈال لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
نے اس کے بارے میں کیا اظہار خیال فرمایا ہے،
حافظ ابن حزم اندلسی نے بھی اپنی مشہور کتاب ”جمہرة النساب العرب“ میں یزید کے
کردار پر نہایت مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے، جو ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لیے درج ذیل
ہے فرماتے ہیں۔

ویزید امیر المؤمنین وہان قبیح اور یریا میر المؤمنین جس کے اسلام میں برے

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں یزید کو داعیانِ ضلال ہی میں شمار کیا ہے
چنانچہ ان کے الفاظ ہیں ودعاة الضلال یزید بالشام وختار بالعراق (ج ۲ ص ۲۱۲) اور کتاب کے آخر
میں فرماتے ہیں ومن القرون الفاضلة اتقا من هو منافق او فاسق ومنها الحجاج
ویزید بن معاویہ ومنتار د اور قرون فاضلہ میں بھی باجاء ایسے افراد ہو گزرے
ہیں جو منافق یا فاسق تھے جیسے کہ حجاج، یزید بن معاویہ اور مختار تھے۔

الانذار في الاسلام، قتل اهل
 المدينة وافاضل الناس وبقية
 الصحابة، رضي الله عنهم. يوم الحرة
 في آخر دولته، وقل الحسين رضي
 الله عنه واهل بيته في اول دولته
 وحاصر ابن الزبير رضي الله عنه
 في المسجد الحرام واستخف
 بجرمة الكعبة والاسلام فاماته
 الله في تلك الايام، وقد كان
 غزافي ايام ابيه القسطنطينية
 ومحاصرها (ص ۱۱۲ طبع مصر ۱۳۸۲ھ) محاصره بھی کیا تھا

واضح رہے کہ ”جہرۃ الناب العرب“ ”خلافت معاویہ ویزید“ میں محمود احمد عباسی
 کا بڑا اہم ماخذ ہے، عباسی صاحب نے بنو ہاشم وبنو امیہ کی باہمی قربتوں کو بیان کرتے
 ہوئے اکثر اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے، امام ابن خزم نے صاف تصریح کی ہے کہ حضرت
 حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل قاتل یزید ہے کہ اسی کے حکم پر، ان کی شہادت مکمل میں
 آئی اس دور کے ناصبی اب یزید کو خون حسین سے بری کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے
 ہیں اور طرح طرح کی افتراء پر دازی میں مشغول ہیں۔

کتاب کا غلط حوالہ (۱۴) اور ”داستان گو“ صاحب نے ”الاخبار الطوال“

کے حوالہ سے جو یہ ارقام فرمایا ہے کہ

ستہ میں حضرت عبداللہ بن عباس طے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ جواب

ہوں، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعان

علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؛ ان لوگوں نے آپ کے والد ادا آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آئیے گا
(اخبار الطوال) (۱۰) (استان کر بلا ص ۲۳)

وہ الاخبار الطوال میں کہاں ہے تصحیح نقل کرنا چاہیے، ہمارے پیش نظر الاخبار الطوال کا جدید طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۹۰ء میں قاہرہ سے شائع ہوا اور عبد المنعم عامر نے متعدد قدیم نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کی ہے اگر ”داستان گو“ صاحب کو اپنے دعویٰ کی صحت پر اب بھی اصرار ہو تو اصل عربی عبارت پیش کی جائے۔
صحابی رسول حضرت سلیمان بن صرد پر طعن (۱۵) اور یہ جو ”داستان گو“ صاحب نے الاخبار

اطوال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

”کوفہ کے شیعیان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسینؑ یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آگئے ہیں، تو انہوں نے سلیمان بن صرد کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبد اللہ بن سبیع ہمدانی اور عبد اللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسینؑ کو بھیجا کہ

”آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم انعمان بن بشیر کو جو انصاری ہیں نکال دیں گے“
(داستان کر بلا ص ۲۳) الخ

تو واضح رہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عظیم القدر صحابی ہیں حافظ ابن کثیر ”البدایہ والنہایہ“ میں لکھتے ہیں۔

وقد کان سليمان بن صرد الخزاعي حضرت سليمان بن صرد خزاعي رضي الله عنه

ابو مبلوہ نسخہ میں بلا حوت کی غلطی سے ”الخزاعي“ کی بجائے ”الخزرجی“ چھپ گیا ہے۔

صحابیاً جلیلاً نبیلاً عابداً زاهداً، جلیل القدر صاحب فضل و کمال، عابد و زاہد
 روى من النبى صلى الله عليه وسلم صحابی تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ
 احادیث فی الصحیحین وغیرہما علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں جو
 وشہد مع علی الصنفین۔ صحیحین وغیرہ میں منقول ہیں، صنفین کی

(ج - ۸)

(ص ۲۵۵)

ابن زیاد نے کوفہ میں آکر جس طرح دارگیر شروع کر رکھی تھی اور خوف و دہشت
 کا سماں پیدا کر کے ہر طرف سے جو ناکہ بندی کر دی تھی اس میں صحیح واقعات کا مخلصین
 کو بھی بروقت علم نہ ہو سکا جو وہ موقع پر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد
 کو آتے اور نہ اس امر کا پہلے سے اندازہ تھا کہ یہ اشیاء حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کو راہ ہی میں روک کر اس بیدردی سے شہید کر ڈالیں گے، جیسے کہ خود اہل مدینہ کو بھی حضرت
 عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اس طرح اچانک شہید کر دیے جانے کا خیال بھی نہ تھا،
 بہر حال کوفہ میں ایسے بہت سے مخلصین تھے جو دل سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے ہوا خواہ تھے، مگر انھیں بروقت آپ کی مدد کو پہنچنے کا موقع نہ مل سکا۔
 اپنی لوگوں میں یہ بھی تھے، لیکن بعد کو اس کوتاہی پر سخت نادم ہوئے اور ۱۵ھ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) مٹہ محمد احمد عباسی کی تاریخ دانی یا غلط بیانی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ حضرت
 سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو وہ ”سبائی لیڈر“ بتاتے ہیں اور مسلم بن عقبہ مری کو
 جس کے ہاتھوں مدینہ پاک کی حرمت خاک میں ملی اور سینکڑوں صحابہؓ تابعین کا قتل عام ہوا
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ”مصر صحابی“ حالانکہ سلف علماء جب اس مسلم کا ذکر کرتے
 ہیں تو سبجائے ”مسلم“ کے اس کو ”مصرف“ یا ”مجرم“ کے برے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

میں چار ہزار فدا ہونے والے لشکر کے خونِ حسین کا انتقام لینے کے لیے شامیوں کے مقابلہ میں نکلے۔ یہ لشکر تاریخ میں "توہین" کے نام سے موسوم ہے، امیر التوہین یہی حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ "عین الوردہ" کے مقام پر ۲۲ جمادی الاولیٰ ۳۵ھ کو عبید اللہ بن زیاد کے لشکر سے مقابلہ شروع ہوا اور تین دن تک دونوں لشکروں میں معرکہ کارزار گرم رہا، تیسرے روز ۲۴ جمادی الاولیٰ کو نہایت بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے انہوں نے جبارم شہادت نوش کیا، اس وقت ان کی عمر تیرانوے سال تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق انہوں نے تو ان کو کوفہ سے نکال دینے ہی کے لیے لکھا تھا، مگر ناصیوں کے ممدوح مروان نے تو اپنی حکومت کی ابتداء ہی حضرت موصوف کے قتل سے کی تھی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "جہرة انساب العرب میں رقمطراز ہیں

والنعمان بن بشیر اول مولود ولد فی الانصار بعد الهجرة، افتقر مروان دولته بقتله و سيق اليه رأسه من حمص، رضی اللہ عن النعمان ولا رضی من قاتله" (ص ۲۶۴)

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری ہیں پہلے صاحبزادے ہیں جو ہجرت کے بعد پیدا ہوئے مروان نے اپنی سلطنت کا افتتاح ان ہی کے قتل سے کیا، حمص سے ان کا سر کاٹ کر مروان کے پاس لایا گیا، اللہ تعالیٰ نعمان سے راضی ہو اور ان کے قاتل سے راضی ہو

یہ بھی صحابی ہیں، جنگ صفین میں جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے انھوں نے ابی کویین کا اور یزید نے کوفہ کا گورنر بھی بنایا تھا، یزید کے بعد چونکہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیعت کر لی تھی اور انھوں نے ان کو حمص کا والی بنا دیا تھا، اس لیے مروان نے ان سے جنگ کر کے ان کو قتل کر ڈالا۔

"داستان گو" صاحب "توہین" کے واقعہ سے انجان ہیں وہ اپنی داستان

اس وقوعہ کے تین ماہ بعد مختار ثقفی کے قصہ سے شروع کرتے ہیں

داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر (۱۶) چنانچہ "داستان گو" صاحب

نے واقعہ کربلا کے بارے میں جو داستان

تصنیف فرمائی ہے اس کا ڈراپ سین اس طرح ہوتا ہے۔

”خلیفہ یزید کی وفات سے حضرت مروان کے خلیفہ ہونے تک دو سال کی

مستبدتی ہے، اس مدت میں عبداللہ بن زبیر کا دعویٰ خلافت اور خوارج

کی جنگیں جاری رہیں، لیکن قتل حسین کے متعلق اس دوران بھی کوئی آواز ایسی

نہیں اٹھی، جس میں خلیفہ یزید یا بنی امیہ کو اس قتل کا ذمہ وار گردانا گیا ہو،

حالانکہ حضرت مروان کی خلافت کے قیام تک حضرت حسین کے قتل کے

واقعہ کو چار سال گزر چکے تھے، عبداللہ بن زبیر ابھی زندہ تھے اور اپنی خلافت

کے مدعی تھے۔ رمضان ۶۵ ہجری میں مختار ثقفی نامی ایک شخص کوفہ میں آیا

اور اس نے خون حسین کے انتقام کا خفیہ پروپیگنڈہ شروع کیا،.....

اس شخص نے رفتہ رفتہ خفیہ طور سے ایک گروہ اکٹھا کر لیا اور آخر کار

۶۶ھ میں حضرت حسین کے قتل کے ۶ سال بعد خون حسین کے انتقام کا

نعرہ اس نے بلند کیا۔ اب بھی الزام بنی امیہ اور خلیفہ یزید پر نہیں لگایا گیا بلکہ

موت خون حسین کے انتقام کا نعرہ بلند کیا گیا۔.....

خون حسین کے انتقام کا یہ سیاسی نعرہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے

بعد اموی حکومت کی مخالفت میں موڑ دیا گیا اور پھر جس گروہ یا جس شخص

نے سابق میں گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شہادت حسین کے

بعد یزید کی حکومت کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور قتل حسین کے سلسلہ میں اس پر نکیر کی تھی۔

نے بھی مسلمان حکومتوں میں خروج و بغاوت کے لیے کمر باندھی اس نے قتل حسین کے نعرہ کو ہی اپنا نشان بنایا، اس کے بعد ہی اس واقعہ سے متعلق وہ تمام قصے اور کہانیاں گھڑی گئیں جو آج تک شیعہ اور سنی فرقوں میں مشہور چلی آرہی ہیں، اگرچہ اہل سنت کے محقق علماء نے ہمیشہ ان گھڑے ہوئے قصوں کا رد کیا ہے اور بہت سے اہل علم و تحقیق شیعہ عالموں نے بھی ان قصوں کو جھوٹا اور من گھڑت بتایا ہے۔

بہر حال یہ ہے کہ بلا کی سچی اور تاریخی داستان ”داستان کربلا“ ۲۶ تا ۲۹ ہم اس کھلی ہوئی افتراء پر داری پر جس کو احمد حسین کمال ”سچی اور تاریخی داستان“ بتلاتے ہیں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ

اے کمال افسوس ہے، تجھ پر کمال افسوس ہے

بھلا اہل سنت کے محقق علماء میں سے کسی ایک عالم کا بھی نام لیا جاسکتا ہے جو اس بات کا قائل ہو کہ قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذمہ داری یزید کی ساموی حکومت اور اس کے بد اعمال عمال پر عائد نہیں ہوتی بلکہ آپ کے قاتل دراصل وہ آپ کے ساتھ کوئی رفقاء ہیں جو مکہ معظمہ سے لے کر کربلا تک آپ کے ہمراہ تھے اور جنہوں نے آپ ہی کی رفاقت میں میدان کربلا میں شہادت نوش کیا اور پھر آپ کی شہادت کے ٹھیک چھ برس بعد آپ کے خوئی ناحق کی جھوٹی تہمت ناکردہ گناہ خلیفہ یزید اور اس کی حکومت کے کارندوں کے سر تھوپ دی گئی اور پہلا شخص جس نے یہ تہمت طرازی کی اور پھر اس کا غلط پروپیگنڈہ کیا وہ مختار ثقفی ہے، چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک ساری ”امت مسلمہ“ مختار کذاب کے غلط پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اصل قاتلوں کی بجائے یزید بے چارہ کو برا بھلا کہتی چلی آتی ہے، اس جرات کے ساتھ غلط بیانی ہمارے نزدیک کسی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا، یہ الف

لیلہ کی کہانی نہیں، سبطِ پیغمبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان ہے اس میں افسانہ طرازی اور داستان گوئی، حد درجہ کی گستاخی اور خیرہ چٹمی ہے، ایسی نازیبا حرکت ساری اسلامی دنیا کی دل آزاری کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان ناصبیوں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

حضرت علیؑ و حسینؑ کی تحقیر و توہین (۱۷) "داستانِ کربلا" نکلے تھی تو قاعدہ کے مطابق "داستان گو"

صاحب کو اپنی داستان واقعات کربلا پر ہی ختم کر دینا چاہیے تھی، مگر جس طرح کسی رافضی سے موقع بے موقع خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرائیکے بغیر نہیں رہا جاتا، وہی حال ان کے مقتدی ناصبیوں کا بھی ہے کہ یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آلِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تبرائیکے بغیر نہیں رہ سکتے اور "داستان گو" صاحب نے ان ناصبیوں کے نقیب ٹھہرے، پھر بھلا وہ کیسے اس سے باز رہ سکتے تھے، اس لیے انہوں نے حادثہ کربلا کا "پس منظر" بیان کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیر و توہین میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی ہے اور دل کھول کر ان دونوں حضرات پر طعن و طنز کیا ہے۔ چنانچہ "داستان گو" کے الفاظ ہیں۔

"ان شیعیان علی نے حضرت علیؑ کو کبھی امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے لڑایا کبھی حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے خلاف کھڑا کیا اور پھر خود یہ شیعیان حضرت علیؑ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، آپ پر کفر کا فتویٰ عائد کیا، ہمدان پر حضرت علیؑ کے خلاف جنگ کی، حتیٰ کہ چھپ کر ایک دن حضرت علیؑ پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے حضرت علیؑ کی موت واقع ہو گئی،"

("داستانِ کربلا" ص ۱۳)

خاک بہن گستاخ کیا خوب گویا نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، خلیفہ راشد نہیں، علم نبوی کے حامل نہیں، فراست دینی سے بہرہ ور نہیں فقہی مسائل سے آشنا نہیں، محض غے نادان تھے نہ کچھ سمجھ رکھتے تھے نہ شعور جو ان شیعوں کے کہنے میں آکر کبھی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جالڑے اور کبھی ان کے بھکانے سے جناب معاویہ و عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے! اور ہاں ان ناصبیوں کے بڑے بھائی خارجیوں کا کچھ ذکر نہیں، شاید دنیا میں ان کا وجود ہی نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہروان کے مقام پر جن لوگوں نے جنگ کی وہ خوارج نہیں بلکہ ان لواصب کے پیش رو "شیعان علی" تھے، جن کی تقلید میں "مجلس عثمان غنی" نے جھوٹ بولنے پر کمر باندھ رکھی ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا قاتل عبدالرحمن بن ملجم مرادی قطعاً خارجی نہ تھا، جیسا کہ اسلامی دنیا آج تک باور کرتی چلی آئی ہے بلکہ مجلس کے "داستان گو" کی سچی اور تاریخی داستان کے مطابق "شیعان علی" کا ایسا فسوس تھا مآثر اللہ کیا کہنے اس داستان کوئی کے، داستان ہو تو ایسی ہو، کہ جس میں کہیں سج کا شائبہ بھی نہ نکلے۔

ایک نئی دریافت

(۱۸) اور سنیہ کی نئی دریافت ہے۔

”در اصل یہ شیعان علی، قاتلان عثمان کا ہی گروہ تھا جو حضرت علی کے گرد جمع ہو گیا تھا، آپ کو خلیفہ بنایا اور خلافت کا مرکز مدینہ سے فتنل کرا کر کوفہ لے آیا اور سجائے اس کے کہ حضرت علی کی خلافت کو مستحکم بننے دیتا، انھیں کبھی حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہؓ سے جالڑایا، جب حضرت علیؓ نے چاہا کہ صلح صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں، تو ان شیعان علی نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کردی اور بالآخر سازش کر کے ایک

دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ جان برباد ہو سکے۔

(داستان کربلا ص ۱۵)

(ا) معلوم ہوا، خاک بدین گستاخ (ونفوذ باللہ من ہذہ الخرافات) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "ان شیعان علی کے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں" کسی مسلمان نے ان سے خلافت کی بیعت ہی نہیں کی، لہذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ "مجلس عثمان غنی" کے نا جیلیوں کی طرح وہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ برحق ماننے سے انکار کر دیں۔ "داستان گو" صاحب نے اپنی داستان میں یہ وضاحت نہ کی کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس عقیدہ کے حامل تھے۔ اہل سنت کے عقائد رکھتے تھے یا اہل تشیع کے، جہاں انہوں نے تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی خلافت کے بارے میں یہ مفہومات و کمزوبات جمع کی تھیں، وہاں اگر وہ دو حرف اس سلسلہ میں بھی سپرد قلم فرمادیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا، امت کو ایک اور نئی بات معلوم ہو جاتی اور خود حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی شخصیت کے بارے میں بھی ان نا جیلیوں کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا۔

(ب) یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کوئی با اختیار خلیفہ نہ تھے بلکہ شیعان علی کے ہاتھوں میں جو دراصل قاتلان عثمان تھے بالکل بے بس تھے مگر اس کے باوجود اقتدار سے چپٹے ہوئے تھے، انہوں نے خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کر لیا اور یہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے آئے، حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو خیر باد کہہ دیا اور ذرا خیال نہ آیا کہ کیا کر رہے ہیں، یہ "شیعان علی قاتلان عثمان" جب چاہتے جس سے چاہتے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جاڑا تے تھے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہر وقت لڑنے کو موجود رہتے تھے کبھی انکار ہی نہیں کیا، جب ان لوگوں نے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لڑنے کو کہا ان سے لڑنے پہنچ گئے اور جب "صفین" میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑائی کو کہا تو

وہاں آکر لڑنے لگے، گویا باختر خلیفہ نہیں بلکہ ان شیعیان علی قاتلان عثمان کے ہاتھوں کٹھپالی بنے ہوئے تھے، (معاذ اللہ من ہذا الکاذیب)

(ج) یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اخیر زندگی میں حضرت ممدوح نے چاہا بھی کہ صلح صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں تو ان "شیعیان علی" نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے آپ جان برباد ہو سکے، "خمارچ" کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں کیونکہ وہ اراکین "مجلس عثمان غنی" کے بڑے بھائی تھے۔ یہ ناصبی تو صرف حضرت ممدوح کی تحقیق و تجسس پر قناعت کرتے ہیں اور وہ ان سے دو قدم آگے نعوذ باللہ حضرت کی تکفیر کے مرتکب تھے، لہذا "مجلس عثمان غنی" کا فرض ہے کہ اپنے ان محبوب و محترم بھائیوں کی جتنی بھی پردہ پوشی کی جاسکے کرے، کیونکہ ان کا نام لینے سے اندیشہ ہے کہ مسلمانان کے بزرگوں کی توہین کریں گے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے "مجلس عثمان غنی" کہ یہ بد باطن ناصبی کس کس طرح سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پرتبراً کرتے ہیں اور بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کو بھی شیعوں کی تردید ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ شیعوں کی تردید نہیں حضرت علی و حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اپنے بغض و عناد کا اظہار ہے۔

حضرت حسن کے بارے میں داستان سرائی

(۱۹) اب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں "داستان گو" صاحب نے جو داستان سرائی کی ہے وہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

"حضرت علیؑ کے بعد ان شیعیان نے حضرت علیؑ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؑ کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر، باپ کے بعد بیٹے کی دلی عہدی کی رسم قائم کی، پھر اس گروہ نے حضرت حسن کے ساتھ بھی سرکشی شروع کر دی، آپ کی اہانت کی، آپ کو زخمی کیا، آپ کا سامان لوٹا، جس پر سرگڑے تک نہ جکڑ

اتاریے حتیٰ کہ گھر میں عورتوں کے سامان و لباس تک پر دست درازیاں کیں ،
 بالآخر حضرت حسن نے یہی مناسب سمجھا کہ ان ”قاتلانِ عثمان“ سے جو شیعیان علیؑ
 بن کر ہماری آڑ میں اپنا تحفظ بھی کر رہے ہیں ، ہمیں ہمارے بھائیوں اور بزرگوں
 سے لڑانے میں بھی لگے ہوئے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہمارے ساتھ بھی بدسلوکی
 اور شرارت سے باز نہیں آتے چس نبجات حاصل کی جائے اور حضرت معاویہؓ
 کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں مسلمان امت کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ
 ”قاتلانِ عثمان“ کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں اور ان کی شرانگیزیوں سے امت
 کو بچائیں“ (داستانِ کربلا ص ۱۵، ۱۶)

حضرت علیؑ کے بعد یہ ہی سلوک ان شیعیان نے حضرت حسنؑ کے ساتھ
 کیا، پہلے آپ کو اپنے والد حضرت علیؑ کا جائیٹین بنا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت
 کی، پھر کچھ دن بعد آپ کی توہین کی، آپ پر حملہ کیا، آپ کی ران زخمی کر دی
 اور آپ کا سامان لوٹ لیا، چنانچہ حضرت حسنؑ نے اس طرزِ عمل سے
 بد دل و مایوس اور بیزار ہو کر اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 برادرِ سبستی کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر حسین
 اور اپنے تمام اہلِ خاندان سمیت بیعت کر لی۔ (داستانِ کربلا ص ۱۱۳)

معلوم ہوا حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی طرح حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 بھی خلافت کی بیعت کرنے والے یہی ”قاتلانِ عثمان شیعیان علیؑ“ ہیں، لہذا مسلمانوں کو چاہیے
 کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کو بھی خلیفہ راشد ماننے سے انکار کر دیں، اہل سنت خواہ مخواہ آج تک ان دونوں
 حضرات کو خلیفہ راشد مانتے چلے آتے ہیں۔

تیسرے جس طرح ان ”قاتلانِ عثمان شیعیان علیؑ“ نے نعوذ باللہ دروغ برگردن گستاخ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کھلونا بنا رکھا تھا کہ جس سے چاہتے تھے جب چاہتے تھے حضرت کو لڑا دیتے تھے اور حضرت بلا تامل لڑنے چلے جاتے تھے، اسی طرح انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنا آلہ کار بنانا چاہا۔ مگر صاحبزادے باپ سے زیادہ ذہین نیکے اور معاملہ کی تہ تک جلد ہی پہنچ گئے، لہذا ان سے نجات حاصل کرنے کی بس ایک ہی راہ سمجھ میں آئی کہ

”حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں مسلمانوں کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ وہ قاتلان عثمان کو کیفر کردار تک پہنچائیں اور ان کی شرانگیزیوں سے امت کو بچائیں“

لاحظہ فرمایا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اللہ تعالیٰ وجہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے بسی اور مجبوری کا اس نا صبی ”داستان گو“ نے کیا سماں باندھا ہے۔ واقعی ڈاکٹر صاحب نے داستان گوئی کا حق ادا کر دیا، کیا مجال جو کوئی سچی بات درمیان میں آنے پائے، اپنے بزرگ و محترم خارجیوں کے جرائم کو بھی جن کی معنوی ذریت یہ نا صبی صاحبان ہیں ان ”قاتلان عثمان شیعان علی“ ہی کے نامہ اعمال میں درج کر دیا، ان خارجیوں نے اگر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو شہید اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کیا تھا، تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی نہیں کیا تھا؟ کیا وہ ان کی زد سے بچ گئے تھے؟ پھر ان کا ذکر کیوں نہ کیا؟

حضرت حسین کی تحقیق (۲۰) بہر حال ”داستان گو“ صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

اس صورت حال سے کوئی سبق حاصل نہ کیا اور ”قاتلان عثمان“ کے ورغلا نے میں اگر ناحق اپنی جان گنوائی، جس کی تفصیل ”داستان گو“ صاحب کے الفاظ میں یہ ہے

”حضرت حسین جب شہید ہوئے تو ان کی عمر ۵۵ سال سے تجاوز کر چکی تھی

جوانی کا عہد گزر گیا تھا اور بڑھاپا آچکا تھا، حضرت حسین اس غدارانہ سلوک کو اچھی طرح دیکھ چکے تھے جو شیعیان علی نے ان کے والد حضرت علیؑ کے ساتھ کیا تھا۔ (ص ۱۲، ۱۳) حضرت علیؑ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن ان تمام حالات کو شروع سے دیکھتے چلے آ رہے تھے، قاتلان عثمان کے ارادوں سے واقف ہو چکے تھے (ص ۱۷) "قاتلین عثمان" کے گروہ کے زرعہ سے جو اپنے آپ کو "شیعیان علی" کہتے تھے، آپ نے خود کو اور اپنے اہل خانہ کو نکالا اور مدینہ منورہ جا کر قیام پذیر ہو گئے۔ (ص ۱۹) لیکن "قاتلین عثمان" مایوس نہیں ہوئے اور حضرت علیؑ کے اہل خاندان و بنی ہاشم کی نئی نسل کو خلافت کے مسئلہ پر اگسانے کی کوشش کرتے رہے۔ حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو، اپنی وفات سے پیشتر..... اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔ اس دوران کوفہ میں رہنے والے "قاتلان عثمان" کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؑ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسینؑ کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ (ص ۲۰، ۲۱)

سلسلہ میں حضرت معاویہؓ کی وفات ہو گئی آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی (ص ۲۲) کوفہ کے شیعیان علیؑ کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسینؑ، یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں تو انھوں نے اس مضمون کا خط حضرت حسینؑ کو لکھ بھیجا کہ آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے (ص ۲۳) حضرت حسینؑ کا قتل ان

کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے (ص ۲۴)

غرض جناب "داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے باوجود قاتلان عثمان کے درغلانے میں آکر اپنے والد بزرگوار کی طرح طلب خلافت میں جان دے دی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اگر وہ بھی اپنے برادر بزرگوار کی طرح "قاتلین عثمان" کے گروہ کے نفع سے اپنے آپ کو اور اپنے اہل بیت کو نکال کر مزید کی بیعت کر لیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ ہے وہ تاثر جو "داستان گو" صاحب مسلمانوں کو "داستان کر بلا" لکھ کر دینا چاہتے ہیں

قاتلان عثمان کے بارے میں ضروری تفسیح | (۲۱) یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیے کہ

"داستان گو" صاحب بار بار "قاتلان عثمان" اور "شیعان علی" کے الفاظ کی تکرار اس لیے کرتے ہیں تاکہ اہل سنت کے جذبات بھڑکا کر وہ اپنا التوسیہ ہا کریں۔ یاد رہے وہ ہر جگہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرات حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں غلط تاثر قائم کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"خليفة ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی المناک شہادت کے

سامنے امت مسلمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک حصہ ان مسلمانوں

پر مشتمل تھا جو حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے کیفر کر دیا تک پہنچانا

چاہتا تھا اور دوسرا حصہ ان مسلمانوں کا تھا جن میں قاتلین عثمان مل جل گئے

تھے اور انہیں مسلمانوں کے پہلے گروہ سے لڑاتے رہنے کی کاروائیوں میں

مصرف تھے، حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگوں کی اصل وجہ

یہی تھی" ("داستان کر بلا" ص ۱۶، ۱۷)

"داستان گو" کے اس فریب کو سمجھنے کے لیے اولاً "قاتلان عثمان" کے معاملہ پر غور

کیجئے، قاتلان عثمان کے سلسلہ میں اصل تنقیح طلب یہ امر ہے کہ واقع میں ”قاتلان عثمان“ ہیں کون؟ کیا وہ چند شریک جو اس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں داخل ہو گئے تھے اور جنہوں نے اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا تھا؟
 یادہ سب مظاہرین جو آپ سے مسند خلافت سے کنارہ کش ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے ظاہر ہے کہ شرعاً اور قانوناً آپ کے قتل کے مجرم وہی اشخاص ہیں جو براہ راست اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے خدا آپ پر حملہ آور ہوئے یا آپ پر حملہ کرنے میں مدد کی، ایسے لوگوں کی تعداد خود ”داستان گو“ صاحب کے بیان کے مطابق پانچ افراد سے زیادہ نہیں، جن کو وہ شیعوں کی ضد میں ”پنج تن“ کہہ کر پکارتے ہیں، ان پانچوں قاتلوں کے نام ”داستان گو“ صاحب نے یہ لکھے ہیں۔

(۱) محمد بن ابی بکر

(۲) کنانہ بن بشر

(۳) غانقی

(۴) عمرو بن حق

(۵) سودان بن حمران

بعد کو ”داستان گو“ صاحب نے کلثوم بن نجیب نامی ایک شخص کو بھی قاتل لکھا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا قاتل تھا۔ اگر اس کو بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دیتے ہیں تو ان کی ”پنجتن“ کی پھبتی غلط ہو جائے گی کیوں کہ اب قاتل ”پنجتن“ کی بجائے ”شش تن“ بن جائیں گے۔ بہر حال ان نامزدگان میں حضرت عمرو بن حق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لے ملاحظہ ہو ”داستان گو“ صاحب کا مجلس عثمان غنی“ سے شائع کردہ پہلا کتابچہ ”حضرت

توصحابی ہیں اور محققین محدثین کی تصریح کے مطابق کسی صحابی رسول کی شرکت قتل عثمان میں ثابت نہیں۔ اسی طرح محمد بن ابی بکر صدیق کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ وہ قتل کے ارتکاب میں شریک نہ تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈارھی ضرور پکڑی تھی، لیکن جب حضرت مدوح نے یہ فرمایا کہ بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ حرکت پسند نہ آتی یہ جملہ سُننے کے ساتھ ہی وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ پر دست درازی سے روکنے کی کوشش کی، لیکن کچھ بن نہ پڑا، یہ عجیب بات ہے کہ یہ ناصبی اپنے امام زید اور مروان کو تو ہر طرح بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکور ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ کو قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں شریک بنانے کے درپے ہیں صرف اس لیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے پاک تھے اور شیعہ بھی ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور ان پر ”قتل عثمان“ کی غلط تہمت جوڑتے ہیں، جو خلاف واقع ہے، ناصبیوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر بستی ہونے کی وجہ سے ”خال المؤمنین“ کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی ”خال المؤمنین“ کہا کریں اور ان کا ادب کیا کریں کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے۔

سودان بن حمران اور کلثوم تبیسی دونوں موقع پر ہی حسب تصریح حافظ ابی کثیر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اب صرف غافقی اور کنانہ بن بشر دو شخص رہ جاتے ہیں جو موقع واردات سے کسی طرح فرار ہو گئے تھے

بعد کو یہ بھی قتل ہوئے پنا سچہ ابن جریر طبری نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ قاتلین عثمان میں سے کوئی شخص بھی قتل ہونے سے نہ بچ سکا۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جب منذ آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ اسی واقعہ کی تحقیق تھی، لیکن وقت یہ تھی کہ نہ تو اولیائے مقتول میں سے کسی نے اس وقت دربار خلافت میں استغاثہ دائر کیا اور نہ قاتلین میں سے کوئی موجد تھا، نہ قتل کی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی، اب کاروائی کی جاتی تو کس کے خلاف کی جاتی، علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ

علیؑ کان معذوراً فی ترک قتلة - حضرت علی قاتلین عثمان کو قتل نہ
عثمان لان شروط کرنے میں معذور تھے کیوں کہ
الاستیفاء لم توجد - قصاص لینے کے لیے جو شرائط

(منہاج السنہ ص ۱۲۹ ج ۳)

ظاہر ہے کہ جب اصل قاتلوں کا پتہ ہی نہ چل سکے تو پھر قصاص کس سے لیا جائے یہ بات تو ہوئی ان لوگوں کے متعلق جو براہ راست اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے تھے۔ اب رہے وہ مظاہرین جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کیا تھا۔ ان کی حیثیت باغی سے زیادہ نہ تھی "داستان گو" نے بھی اپنے پہلے کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے" میں جگہ جگہ ان کو باغی لکھا ہے، باغیوں کے بارے میں فقہ اسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ بغاوت سے باز آ جانے کے بعد ان کو بغاوت کی پاداش میں سزا نہیں دی جائے گی، نیز آغاز بغاوت میں بھی جب تک وہ لوگوں کی جان و مال سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی ہمائش ہی کی جائے گی۔ سمجھایا جائے گا، ان کے شبہ کے ازالہ

کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ فساد و بغاوت سے باز آجائیں، ہاں اگر وہ زبانی فہمائش سے باز نہ آئے اور انہوں نے خوں ریزی میں پیش دستی کی یا باضابطہ لشکر کشی کر کے لڑنے کو موجود ہو گئے، تو پھر ان سے قتال واجب ہے اب حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں خلفاء راشدین کے طرز عمل پر نظر ڈال لیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عین محاصرہ کے وقت بھی باغیوں کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کے کوشش فرمائی۔ کیونکہ اس وقت تک ان کا معاملہ خلیفہ وقت کے خلاف مظاہرہ سے آگے نہ بڑھا تھا۔ اخیر میں چند شر پسند جنکی تعداد چار پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی، اچانک اشتعال میں آ گئے وہ چوروں کی طرح پڑوس کی دیوار سے آپ کی حویلی کی چھت پر کودے اور بالا خانہ میں اتر کر آپ کو شہید کر ڈالا، ان میں کچھ عین وقت پر مارے گئے، کچھ موقع پاکرات کے اندھیرے میں فرار ہو گئے بعد ازاں جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مدینہ کے تمام ہاجرین و انصار نے خلافت کی بیعت کی تو ان مظاہرین نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر کے آپ کی اطاعت اختیار کر لی، بغاوت فرو ہو جانے کے بعد اب ان باغیوں سے باز پرس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فقہاء نے تصریح کی ہے۔

توبة الباعی بمنزلة الاسلام	جان و مال کی حفاظت اور ان کے احترام کے
من الحربی فی افادة العصمة	سلسلہ میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر
والحرمة.	کے اسلام لے آنے کا ایک ہی حکم ہے و کاب
(البحر الرائق شرح کنز	دونوں کی جان اور مال سے کوئی تعرض نہیں
قائمی، باب البغاة)	کیا جائے گا

پھر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، کو ان باغیوں نے امام نہیں بنایا تھا، بلکہ حضرت ہاجرین و انصار نے آپ کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا تھا اور آپ کا استحقاق خلافت

تو درحقیقت اسی روز متعین ہو گیا تھا جس روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انعقاد ہوا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی وفات کے وقت خلافت کا مسئلہ چھ حضرات میں دائر کر دیا تھا اور ان حضرات نے حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دو حضرات کو اس کیلئے نامزد کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اس منصب جلیلہ کے لیے سب حضرات کی نظروں میں متعین ہیں، لہذا جس اجماع کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے لیے متعین ہوئے اسی اجماع نے اس منصب کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو متعین کیا یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عہدہ جلیلہ کو قبول کرنے کے لیئے اپنی رضا مندی ظاہر کی، مدینہ طیبہ کی آبادی آپ سے بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "الفصل فی الملل والہیود والنحل" میں فرماتے ہیں۔

ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما ادعی الی
نفسہ بعد قتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سارعت طوائف المهاجرین
والانصار الی بیعتہ۔

بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
کے بعد جب اپنے لیے حق خلافت کا
اظہار فرمایا تو ہا جیرین و انصار جو
درجہ آپ کی بیعت پر ٹوٹ پڑے۔

(ج-۳ ص ۱۰، ۱۱)

اور پھر آپ سے بیعت کرنے کے بعد ان حضرات ہا جیرین و انصار نے جس
جان نثاری کا ثبوت دیا اس کا اظہار امام موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے

اذ دعا الی نفسه فقامت
معه طوائف من المسلمین

جیسے ہی جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
اپنی طرف دعوت دی مسلمانوں کی بڑی

عظيمة و بذلوا دماءهم
دونه، و رأوه حينئذ صاحب
الامر والاولى بالحق
من نازعه -

(ج ۳ ص ۹۷)

اور آگے چل کر لکھتے ہیں

الذين بايعوه بعد ذلك اذ صار
الحق حقه، وقتلوا انفسهم
دونه - (ج ۳ ص ۱۰۱)

وہ حضرات جنہوں نے شہادۂ عثمان کے بعد آپ
سے بیعت کی، جبکہ خلافت آپ ہی کا حق تھا اور
پھر آپ کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

یہی حضرات ہاجرین و انصار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رفقاء و ہاں شہادت تھے
جن کو یہ ناصبی "شیعان علی" اور "قاتلین عثمان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شیعہ مخلصین کون ہیں

(۲۲) رہا "شیعان علی" کا مسئلہ تو واضح رہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ
وجہہ کے شیعہ مخلصین یہی حضرات اہل السنۃ و الجماعۃ ہیں، یہی آپ کو خلیفہ راشد مانتے
ہیں یہی آپ کی نسبت روحانی اور آپ کے علم کے حامل ہیں غور فرمائیے، تصوف اسلامی
کے اکثر و بیشتر سلسلے حضرت مجدد و روح ہی کی طرف منسوب ہیں، فقہ حنفی کا دار و مدار زیادہ
تر حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتاویٰ پر ہی ہے
اہل سنت کی کتب احادیث میں تمام فلفاء راشدین سے زیادہ آپ کی مرویات ہیں۔
غلاۃ شیعہ نصیریہ، اسماعیلیہ، اثنا عشریہ اور زیدیہ جو اپنے آپ کو "شیعان علی" کہتے ہیں
محض غلط ہے، ان لوگوں نے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ کیا، نہ
آپ کی تعلیم کو محفوظ رکھا اور نہ یہ آپ کی نسبت کے حامل ہیں نہ ان کا حضرت موصوف
سے کوئی تعلق تاریخ میں ثابت ہے اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو تحفہ

اثنا عشریہ مولفہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے مراجعت کرنی چاہیے تاکہ حقیقت حال معلوم ہو جائے۔

اس میں شک نہیں کہ شیعوں کے تینوں فرقے غالی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لغو و باطلہ خدا مانتے ہیں، رافضی تہرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فاسق و منافق سمجھ کر ان پر سب و شتم کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام معصوم سمجھتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی صاف تصریح کر دی تھی اور تفضیلی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل مانتے ہیں ان تینوں فرقوں کا آپ کے زمانہ خلافت میں ظہور ہو چکا تھا، جس طرح کہ خارج بھی جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافر سمجھتے ہیں اسی دور میں پیدا ہوئے تھے اور لواصب بھی جن کا کام صرف حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ وجہ اور آپ کے خاندان سے عناد کا اظہار ہے، لیکن امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب گمراہ فرقوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا وہ علامہ شیخ ابن

ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ (ص ۱) اور (ص ۲۱) پر فرماتے ہیں۔

شیعہ حقیقی مرقضی علی اہل سنت و جماعت اند کہ بروش آنجناب میروند و با کے بد میتند و ہر یک با نیکی یاد می کنند و در عقائد و اعمال اتباع قرآن و حدیث و سیرت آنجناب مینمایند۔ حضرت علی مرقضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی شیعہ تو اہل سنت و جماعت ہی ہیں کہ ان ہی کی روش پر چلتے ہیں اور کسی کے ساتھ برسر نہیں سب کو نیکی کیساتھ یاد کرتے ہیں اور عقائد و اعمال میں قرآن و حدیث کی اتباع کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقے پر چلتے ہیں واضح ہے کہ "شیعہ" کے معنی گروہ کہیں ہیں، اس لیے "شیعہ علی" کے معنی ہوئے حضرت علی کی جماعت اور ظاہر ہے کہ یہ صفت حضرات اہل سنت کی ہے نہ کہ "روافض" کی۔ ان کو "شیعہ علی" کہنا ایسا ہی ہے جیسے جوہر کو "دمن" کہنا یا خاک کو "دب" کہنا۔

تیمہ کی زبان سے سنئے۔

وقد عاقب علی بن ابی طالب طوائف
الشیعة الثلاثة، فانه حرق
الغالية الذين اعتقدوا الالهية
بالنار، وطلب قتل ابن سبار
لما بلغه انه يسب ابابكر و
عمر فهرب منه، وروى عنه
انه قال لا اوتى باحد يفضلي
علی ابی بکر و عمر الا جلدته
حد المفتری، و قد تواتر عنه
انه قال خیر هذه الامة
بعد نبیها ابوبکر ثم
عمر، ولهذا كان اصحابه
الشیعة متفقین علی تفضیل
ابی بکر و عمر علیه۔
(فتویٰ ابن تیمیہ ص ۴۹)

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے
شیعوں کی انی تینوں پارٹیوں کو منہ زور سے چٹا پنہ غالی
پارٹی کو جو آپ کی "لوہیت" کی قائل تھی زندہ آتش کیا،
اور ابن سبار کے بارے میں جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ
وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دیتا ہے
تو آپ نے اس کو قتل کرنے کے لیے طلب فرمایا،
لیکن وہ فرار ہو گیا اور آپ سے مروی ہے کہ آپ نے
ارشاد فرمایا جو کوئی شخص بھی میرے سامنے اس
خیال کا پیش کیا گیا کہ وہ مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت
دیتا ہو تو میں اس کو منہ زور سے (آتش کوڑے)
لٹاؤں گا اور یہ روایت تو آپ سے بہ تواتر ثابت ہے کہ
آپ نے ارشاد فرمایا "اس امت میں نبی کے بعد سب
سے بہتر ابوبکر ہیں اور پھر عمر" اسی لیے آپ کے شیعہ
اصحاب (مخلص رفقاء یعنی اہل سنت) اس امر
پر متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر حضرت علی سے افضل تھے

۱۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے ابن تیمیہ کے اس فتویٰ کو جو قلمی شکل میں محفوظ تھا، الجمع العلمیٰ
دمشق کے شمارہ ج ۲۸، جز ثالث و رابع میں تصحیح کے ساتھ شائع کیا تھا، جس کا اصل متن اور ترجمہ ابن
تیمیہ اکیڈمی کراچی نے ۱۹۶۴ء میں "یزید بن معاویہ از ابن تیمیہ" کے نام سے شائع کیا ہے، اس فتویٰ کے
مترجم جناب ڈاکٹر جمیل احمد صاحب صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی ہیں۔

اور خوارج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل عثمان و تفرق الناس
ظہر اهل البدع و الفجور، و
حينئذ ظهرت الخوارج فحفروا
علي بن ابي طالب و عثمان بن
عفان و من والا هما حتى
قاتلهم امير المؤمنين علي بن
ابي طالب طاعة لله ورسوله
و جهاداً في سبيله، و اتفق الصحابة
علي قتالهم لم يختلفوا في ذلك
كما اختلفوا في الجمل و صفين۔
اس بارے میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہ تھا۔

بہر حال حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا حضرات حسین رضی اللہ تعالیٰ
عنہما نے جتنے بھی سیاسی یا غیر سیاسی اقدامات کیے ان میں ان نام نہاد "شیعان علی"
کا کوئی دخل نہ تھا، ان سب حضرات کے اصل فدائی اور جان نثار اور ان کی واقعی غلطی
و قدر کرنے والے اور ان سے صحیح محبت رکھنے والے ہمیشہ سے حضرات اہل السنۃ والجماعۃ
چلے آتے ہیں اور وہی ان کے اصل پیرو ہیں، نا جھیلوں کو تو ان حضرات سے بغض ہے
اور ان نام نہاد "شیعان علی" کو ان کی محبت میں وہ غلو ہے جس کی شریعت اجانت
ہیں دیتی، نا جھبی اور رافضی دونوں جادۂ حق سے دور ہیں۔ اصل صراطِ مستقیم پر حضرات
اہل السنۃ والجماعۃ ہیں غرض یہ بات خوب یاد رکھیے اور "داستان گو" کے بار بار قاتلان
عثمان، اور "شیعان علی" کے الفاظ کی رٹ لگانے سے بالکل دھوکہ نہ کھائیے، اس

کا مقصد ان الفاظ کے بار بار دہرانے سے سوائے ابلہ فرسی کے اور کچھ نہیں ہے۔

باقی ”داستان گو“ صاحب نے جو بار بار یہ تکرار کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ”ان شیعان علی“ نے کبھی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہ سے جا لڑایا سو محض لغو ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جنگیں بغاوت کو فرو کرنے کے لیے کی تھیں وہ امام اشد تھے انہوں نے جو جہاد کیا ہے، کتاب و سنت کی روشنی میں کیا ہے، حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کو غلط فہمی ہوئی، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائل کیا انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اسی وقت میدان مصاف سے اپنی گھوڑے کی پاگ موڑ دی اور لشکر سے نکل کر چل دیے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جو ان کو جاتے دیکھا تو یہ بھی فوراً میدان جنگ سے ہٹنے لگے، لیکن مروان نے ان کو جاتے دیکھ کر ان کے گھٹنہ میں ایسا تیر مارا کہ ان کا کام تمام ہو گیا، تاہم ان میں ابھی زندگی کی رمت باقی تھی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک لشکری کے ہاتھ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کر کے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی، رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو جنگ جمل میں اپنے شریک ہو جانے پر اس قدر رو یا کرتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا، یہ سب باتیں کتب احادیث میں مصرح ہیں، صفین میں جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل ہوئے ان کے بارے میں احادیث متواترہ میں۔ ”فئة باغية“ کے الفاظ آتے ہیں، جس کے معنی باغی جماعت کے ہیں، غرض جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بغاوت کی وہ یا تو غلط فہمی کی وجہ سے کی جیسے کہ اہل جمل تھے یا پھر ان سے دانتہ یا نادانتہ طور پر غلطی ہوئی جیسے کہ ”بغاة شام“ بہر حال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تمام جنگوں میں برسرِ حق تھے اور ان کے مخالفین خطا پر، پھر اس میں یہ تاثر دینا کہ حضرت

علی کرم اللہ وجہہ اپنے شیعیان کے ہاتھ میں کھلونا بنے ہوئے تھے، ناصبیوں کی محض کجواس ہے۔ حافظ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔

ولو قدح رجل فی علی بن ابی طالب
بأنه قاتل معاویة و اصحابه و
قاتل طلحة و الزبیر لقیل له علی
بن ابی طالب افضل و اولى
بالعلم و العدل من الذین
قاتلوه فلا يجوز ان يجعل
الذین قاتلوه هم العادین
و هو ظالم لهم۔

(منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام

الشیعہ والقدریج ۳۔ ص ۱۹۰

طبع مصر ۱۳۲۲ھ)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

وہیں است مذہب اہل سنت کہ حضرت
امیر درمقاتلات خود برحق بود و مصیب
و مخالفان او بر غیر حق و مخطل۔

(ص ۲۱۹ طبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۵ھ)

ناحق پر اور خطا کار۔

ناصری جو چاہیں بکتے رہیں، حدیث نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس دور میں حضرت علی
کرم اللہ وجہہ اور ان کا گروہ اس امت کے بہترین افراد میں تھے، چنانچہ صحیحین میں خروج
کے سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

و یخرجون علی خیر فرقہ من الناس
 قال ابو سعید اشہد انی سمعت
 هذا الحدیث من رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم و اشہد ان علی بن ابی
 طالب قاتلہم و انا معہ۔
 (مشکوۃ المصابیح باب فی المہجرات
 الفصل الاول ص ۵۳۵)

یہ خارجی ان لوگوں کے خلاف اٹھیں گے
 جو سب سے بہتر جماعت ہوگی، ابو سعید خدری
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں
 کہ میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی زبان مبارک سے سنا ہے اور یہ بھی گواہی دیتا
 ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے
 ان سے جہاد کیا اور میں بھی اس جہاد میں آپ کے ہمراہ تھا

حضرت حسن کے بارے میں افتراء پر دازی

(۲۳)

حضرت حسن

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جن خیالات کا "داستان گو" نے اظہار کیا ہے وہ بھی صحیح
 نہیں، حافظ ابن حزم ظاہری نے "الفصل فی الملل والایہواء والنحل" میں تصریح کی ہے کہ
 و مع الحسن ازید من
 مائۃ الف عنان یمولون۔ زائد ایسے شہسوار تھے جو آپ کے آگے جان فدا
 کرنے کو تیار تھے۔ (ج-۴ ص ۱۰۵)

اور اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری" میں اس حدیث شریف کے ذیل
 میں جس میں یہ مذکور ہے کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بار خطبہ دے رہے تھے اسی
 آثار میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے آگئے تو آپ نے ان کو دیکھ کر برسرِ منبر
 ارشاد فرمایا

انہی ہذا سید، ولعل اللہ ان
 یصلہ بہ بین فئتين من المسلمین
 میرا یہ بیٹا "سید" ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ
 اس کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح
 کرادے گا۔ (ج-۱۳ ص ۵۷)

اس حدیث کے فوائد کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و فی هذه القصة من اس واقعہ میں جو فوائد ہیں ان میں ایک تو حضور علیہ
الفوائد، علم من اعلام الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی نشانی ہے (کہ آپ
النبوة، ومنقبة للحسن بن کی پیشین گوئی کا ظہور ہوا) دوسرے حضرت حسن
علی فانه ترك الملك لا لقلۃ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی منقبت معلوم
ولا لذلة ولا لعلۃ بل ہوئی کہ آپ بغیر کسی قسم کی کمی یا کسی طرح کی قلت
لرغبة فيما عند الله، لا رآہ کے یا کسی نوع کی علت کے، خالصتہً لوجه الله
من حقن دماء المسلمين سلطنت سے دستبردار ہو گئے کیونکہ آپ نے
فراعى امر الدين ومصلحة یہ محسوس کیا کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی خون
الامة۔ ریزی سے بچ جائیں گے، لہذا آپ نے

(ج ۱۳۰ ص ۵۷)

دین اور مصالحت امت کی رعایت فرمائی۔
نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت
باوجود باغی ہونے کے زمرہ مسلمین سے خارج نہ تھے، جیسا کہ خوارج یا روافض کا خیال
ہے یہ بھی واضح رہے کہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ روافض کی طرح کہ وہ اپنے ائمہ کو
معصوم سمجھتے ہیں کسی امتی کو معصوم نہیں سمجھتے بلکہ کسی صحابی سے بھی اگر کوئی غلطی ہو
جائے تو وہ غلطی کو غلط ہی کہتے ہیں اور ان کی اسلامی خدمات اور شرف صحابیت کی
بنادر پر ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں کرتے۔

جن لوگوں نے حضرت علی سے جنگ کی انکے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ

علامہ احمد بن علی مقریزی نے اپنی مشہور تصنیف "المخطوط والامار" میں اہل سنت کے عقائد کے
ترجمان امام ابوالحسن اشعری کا جو عقیدہ اس باب میں نقل کیا ہے اور جس پر تمام
اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے وہ یہ ہے۔

والأئمة مترتبون في الفضل ترتبهم في الإمامة، ولا أقول في عائشة وطلحة والزبير رضي الله عنهم إلا أنهم رجعوا عن الخطأ، وأقول إن طلحة والزبير من القشرة المبشرين بالجنة، وأقول في معاوية وعمر بن العاص أنهما بغيا على الإمام الحق علي بن أبي طالب رضي الله عنهم فقاتلهم مقاتلة أهل البغي، وأقول إن أهل النهروان الشراة هم المارقون من الدين وإن علياً رضي الله عنه كان علي الحق في جميع الأحوال، و الحق معه حيث داس

فضیلت کے اعتبار سے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں درجہ ترتیب ہے جس ترتیب سے وہ اس منصب رفیع پر فائز ہوئے اور حضرات عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان حضرات نے اپنی خطا سے (جو جنگ جمل میں شرکت کی بنا پر واقع ہوئی تھی) رجوع کر لیا تھا اور میں اس کا قائل ہوں کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دس حضرات میں سے تھے کہ جن کو چیتے جی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور میں معاویہ اور عمرو بن عاص کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو خلیفہ برحق تھے اور حضرت امیر المؤمنین نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرنی چاہیے اور میں یہی کہتا ہوں کہ اہل نہروان جو اس امر کے مدعی تھے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے وہ دراصل دین سے فراری تھے اور یہ بھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام حالات میں حق پر تھے اور آپ نے جو قدم بھی اٹھایا حق آپ کے ساتھ تھا۔

(ج ۲ ص ۳۶۰ طبع بولاق مصر ۱۲۷۰ھ)

نواصب تفتیہ سے باز آئیں

افسوس ہے کہ ”مجلس عثمان غنی“ کے ناصبیوں نے سچ کو اپنا شعار بنانے کی بجائے دُشمن کی اتباع کو پسند کیا اور جھوٹ اور نفاق کو اپنا شعار بنایا، یہ دونوں کتابچے ”شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے“ (۲)، داستانِ کربلا، ”کذب کا مرقع“ ہیں، نفاق تو ظاہر ہے کہ خود کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں، ان کی مسجدوں میں امام بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ شخصی آزادی کے اس دور میں ان کو تفتیہ کی چادر اپنے سر پر ڈالنے کی ضرورت نہیں، صاف کھل کر کہنا چاہیے کہ ہم یزید و مروان کی امامت کے قائل ہیں، یزید کو حسین سے، مروان کو عبداللہ بن زبیر سے اور معاویہ کو علی مرتضیٰ سے افضل مانتے ہیں، ہمارے نزدیک علی و حسین رضی اللہ عنہما پسندیدہ شخصیتیں نہیں، اس لیے ہم ان پر طعن و تیش کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں، جس طرح زوافض کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرّا کرنے کا حق ہے، اسی طرح علی و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان حضرات ثلاثہ پر تبرّا کرنے کا ہم کو بھی حق ہے، ہم نے علی و آل علی کے بغض و عناد کا جھنڈا نصب کر رکھا ہے، اس لیے ہم ناصبی ہیں، تاریخ میں ناصبیوں کا یہ لقب پہلے سے موجود ہے اس میں فراٹھانے اور جھکنے کی کوئی بات نہیں جرات کی ضرورت ہے، علاوہ کہنا چاہیے کہ مروان الحمار کے قتل پر جب مشرق سے اموی حکومت کا جنازہ نکل گیا تھا تو اس مکتب فکر کے لوگ ختم ہو گئے تھے، لیکن اب پھر بارہ سو برس کے بعد اسی مروان الحمار کی یادگار ہم لوگ بھی ہیں جو محمود احمد عباسی کی تحقیقات سے متاثر ہو کر اس کو اپنا ”امام و شیخ الاسلام“ سمجھتے ہوئے اس مکتب فکر سے وابستہ ہو گئے ہیں، لہذا ہمیں اسی نام سے جانا اور پہچانا چاہیے۔ اگر ان ناصبیوں نے ایسا ہی کیا اور جماعت کے ساتھ بر ملا اپنے تشخص کا اظہار کر دیا تو وہ اس نفاق سے بچ جائیں گے جس میں فی الحال وہ مبتلا ہیں اور مسلمان بھی ان کا اصلی چہرہ پہچان لیں گے۔

یزید کے کثوت حدیث کی روشنی میں

اب ہم اخیر میں شکوۃ شریف کی اس حدیث پر اپنی تنقید کو ختم کرتے ہیں جو "باب الایمان بالقدر" کی فصل ثانی میں بایں الفاظ مرقوم ہے۔

من عاتثة رضى الله حضرت ام المؤمنین عائشة صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
تعالی عنہا قالت قال سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ چھ آدمی ہیں جن پر میں
علیہ وسلم ستہ لعنتہم نے بھی لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی
و لعنتہم اللہ وکل نبی اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے (یہ چھ شخص
یحباب، الزائد فی کتاب یہ ہیں) اول وہ کہ جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے،
اللہ، والمکذب بقدر اللہ دوسرے وہ جو تقدیر الہی کا منکر ہو، تیسرے وہ جو
والمستلٹ بالجبروت ليعز جبر و ظلم سے مخلوق خدا پر مسلط ہو جائے تاکہ جس
من اذله اللہ و مذل کو اللہ تعالیٰ نے ذلت دی ہے اسے عزت بخشے
من اعزه اللہ والمستحل اور جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل
لحرم اللہ والمستحل من کرے، چوتھے وہ جو اللہ تعالیٰ کے حرم پاک کو
عقرتی ما حرم اللہ بے حرمت کرے، پانچویں وہ جو میری عزت کی اس
والتارک لسنتی رواہ حرمت کو خاک میں ملائے جو اللہ نے رکھی ہے چھٹے وہ
البيهقي فی المدخل ورزین جو میری سنت کا تارک ہو اس حدیث کو امام بیہقی نے
فی کتابہ۔ المدخل میں اور محدث مبین عبد رمی نے اپنی

(ص ۲۲)

کتاب میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں اب فرمایزید کی زندگی پر نظر ڈالیے آپ کو معلوم ہو گا کہ

اس میں بہت سی لغتی باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

(۱) اس کا فاسق و فاجر اور تارک سنت ہونا تو بہت ثوابت ہے جس طرح رستم کی شجاعت، حاتم کی سخاوت مشہور ہے اس سے زیادہ یزید کا ظلم و ستم اور اس کا فسق و فجور مشہور ہے۔

(۲) وہ جبر و زبردستی سے حکومت پر مسلط ہو گیا تھا، اس نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک خلعت کو ذلیل کیا اور ناحق ان کا خون بہایا۔

(۳) اس نے نہ صرف حرم کعبہ کی بے حرمتی کی اور اس پر فوج کشی کی؛ بلکہ حرم نبوی کو بھی تین دن کے لیے اپنی فوج کے لیے بالکل حلال کر دیا کہ وہ جو چاہے وہاں کرے، چنانچہ یزیدی لشکر نے تین دن تک حرم نبوی میں وہ فساد مچایا کہ پناہ نہ تھا، سینکڑوں صحابہ و تابعین کے علاوہ اولاد انصار و ہاجرین کا ناحق قتل عام ہوا، لوٹ مار اور قتل و غارت گاہیہ عالم تھا کہ تین دن تک مسجد نبوی میں کوئی نماز نہ ہو سکی، چنانچہ مشکوٰۃ ہی میں ”باب الکرامات“ میں منقول ہے۔

و عن سعید بن عبد العزيز قال
لما كان ايام الحرّة لو يؤذن
في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم
ثلاثاً ولم يقم. ولم يبرح
سعید بن المسيب المسجد و كان
لا يعرف وقت الصلوة الا
بمهمة يسميها من قبر
النبي صلى الله عليه وسلم۔

حضرت سعید بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ
فتنہ حرّہ کے دنوں میں مسجد نبوی میں تین دن
تک نہ اذان ہوئی نہ اقامت، بس اکیلے حضرت
سعید بن المسيب تھے جو مسجد ہی میں رہے،
یہ بھی نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے کہ اس
ہلکی سی آواز سے جو قبر نبوی (علیہ السلام)
الصلوة والسلام سے وہ سنا کرتے تھے
اس روایت کو امام دارمی نے نقل
کیا ہے۔

رواہ الدارمی (ص ۵۴۵)

(۳) اور عزت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کو جس طرح اس نے خاک

میں لایا وہ تو زبانِ زدِ خاص و عام ہے، یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ان کی مشہور و معروف کتاب ”تاریخ الخلفاء“ میں کربلاء کے حادثہ فاجعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔

لعن اللہ قاتله و ابن زياد
معہ و يزيد ايضا۔
اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے قاتل پر لعنت کرے اور اسی کے ساتھ ابن

(ص ۸۰ طبع مبینہ سنہ ۱۳۸۵ھ)
زیاد پر اور یزید پر بھی۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہماری اس حقیر سی کوشش کو شرفِ
قبولیت سے نوازے اور ایمان کے ساتھ اہل بیت و صحابہ کرام کی محبت پر ہمارا خاتمہ
فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

الہی بحق بنی فاطمہ
کہ بر قولِ ایمانِ کرم خاتمہ

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، ربنا تقبل منا انك انت
السميع العليم و تب علينا انك انت التواب الرحيم

محمد عبدالرشید نعمانی

پنج شنبہ ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ

یزید کی شخصیت

اہل سنت کی نظر میں

از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ

ناصبیت کا شجرہ خبیثہ جس کا بیج محمود احمد عباسی نے خلافت معاویہ و یزیدؓ لکھ کر بویا تھا۔ اب برگ و بار لا رہا ہے اور اس فتنہ سے متاثر لوگوں کی برأت کا یہ عالم ہے کہ خود پیش دستی کر کے اہل علم کو پھیرتے ہیں۔ ہماری نئی نسل میں جو لوگ تاریخ کے اسکار کھلاتے ہیں۔ عربی نہ جاننے کے سبب جو انکی رسائی اصل مآخذ و مراجع تک نہیں۔ اس لئے سب سے پہلے اس فتنہ سے ہی متاثر ہوئے۔ عربی مدرس کے طلباء و اساتذہ کی اکثریت بھی علم تاریخ سے نا آشنا ہے۔ اس لئے ان کی خاصی تعداد بھی اس فتنہ کا شکار ہو گئی اور اب کیفیت یہ ہے کہ عوام تو کیا بہت سے مولوی بھی اس فتنہ کے داغی بن چکے ہیں۔

ماہ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ ہجری میں مولانا مفتی ولی حسن خان صاحب کو انکی نے ہمیں یہ استفتاء دیکر فرمایا کہ اس کا مفصل جواب آپ تحریر کر دیجیئے۔ چنانچہ مولانا کے فرمانے کے مطابق بعجلت ممکنہ اس کا جواب قلم بند کر دیا گیا۔

چونکہ استفتاء میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے بھی ایک فتویٰ کے متعلق دریافت کیا گیا تھا۔ اس لئے ہم نے سائل کو لکھا تھا کہ وہ فتویٰ ہمیں بھیج دیا جائے۔ اس کے تقریباً ایک ماہ بعد ایک مطبوعہ پمفلٹ آٹھ صفحات پر مشتمل حضرت یزید بن معاویہؓ سے متعلق ایک اہم استفتاء اور اس کا جواب،، نامی ہمیں موصول ہوا

یہ پمفلٹ پہلے مجلس عثمان غنی کراچی ۲۱ سے شائع ہوا تھا۔ اور اب انجمن تحفظ ناموس لاہور سے شائع ہوا ہے۔ ہمارے پاس موصول شدہ قلمی استفادہ اور مطبوعہ پمفلٹ مضمون واحد ہے۔ البتہ سوالات میں بعض جگہ تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ اور کہیں کہیں الفاظ میں معمولی تبدیلی بھی مطبوعہ پمفلٹ میں مولوی محمد صابر، نائب مفتی دارالعلوم کراچی، نانک واڑہ کے نام سے ان بارہ سوالات کے جواب میں کل یہ چند سطور درج ہیں۔

» امیرِ ینیدِ نومن تھے۔ اور از روئے حدیث بخاری شریف: «خفوا ظہم» میں داخل ہیں۔ ان کو کافر کہنا اور لعن و طعن کرنا ہرگز جائز نہیں کسی مسلمان کو بلا دلیل شرعی کافر کہنے سے کہنے والے پر لڑتا ہے۔ اس سے سخت احتیاط کرنی چاہیے۔ ایسے نظریات رکھنے والے امام کے پیچھے بلاشبہ نماز جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم و عملہ اتم۔

اور پھر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے نام سے "الجواب صحیح" کے

الفاظ درج ہیں۔

پہلے قلمی استفادہ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ اور اس کے بعد بالتفصیل نمبر وار ہر سوال کا جواب پڑھتے جائیے۔ واللہ الہادی

محمد عبدالرشید نعمانی۔ ۶ صفر ۱۴۲۰ھ شرب جمعہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شخص مندرجہ ذیل حقائق پر مبنی نظریات رکھتا ہے۔

اول۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مدینۃ الروم قسطنطنیہ پر جہاد کر نیوالے لشکر کے لئے مغفرت ہے اور امیر ینید مرحوم اس لشکر کے کمانڈر تھے۔ لہذا اس مغفرت میں وہ بھی شریک ہیں۔

(الف) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَخْرُؤْنَ مَدِیْنَةَ قِیَصْرٍ مَغْفُورٌ لِّہُمْ۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۴۱۰)

(ب) قال محمود بن الربیع فحدثتھا قومًا فیہم ابوابُ الاِصرِ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوة التّی توفّی فیہا وینید بن معاویہ علیہم بِاَرْضِ الرُّومِ (بخاری شریف، ج ۱، ص ۱۵۸)

دوم۔ بہت سے صحابہ کرام نے امیر ینید مرحوم سے بیعت خلافت کی۔ اور اس پر قائم رہے منجملہ اُن کے (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۳) حضرت عبداللہ بن جعفرؓ (۴) حضرت نعمان بن بشیرؓ (۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ (۶) وغیرہم۔ اگر امیر ینید کافر یا فاسق و فاجر اور شرابی و زانی اور دشمن دین ہوتے۔ تو یہ حضرات صحابہ کرامؓ اُن کے ہاتھ پر ہرگز بیعت نہ فرماتے۔ اگر یہ بات نہ مانی جائے۔ تو ان صحابہ پر کفر و فسق نوازی اور فحشاء و بددینی کی سرپرستی و تعاون کا بڑا بھاری الزام آئیگا۔ اور یہ سراسر قرآن کریم کے بیان کردہ اس وصف کے خلاف ہے جو جماعت صحابہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَّہٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَوَّهَ الْاِيْمَانَ الْحَقِیْقَیْ

وَالْفُسُوقَ وَالْبَعْضِيَّانِ أُولَٰئِكَ هُمُ الدَّٰشِقُونَ (سورہ حجرات، پارہ ۲۶)

(ج) سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے امیرِ یزید کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے۔ إنا قد بايعناهذا الرجل على بيع الله ورسوله۔
(بخاری شریف، جلد ۲، صفحہ ۵۳، ۱۰)

سوم، حضرت محمد بن حنفیہ یعنی محمد بن علیؓ نے نہ صرف امیر موصوف کی بیعت کی بلکہ ان پر عائد کردہ الزامات شراب نوشی، ترک نماز، حدود الہی سے تجاوز کرنا وغیرہ الزامات پر زور دید فرمائی کہ میں خود امیرِ یزید کے پاس رہا ہوں۔ لیکن میں نے ہمیشہ انہیں اپنا نماز اور سنت رسول پر مضبوطی سے کاربند بھلائی اور مسائل فقہ کا جو یاں پایا۔

(د) وَقَدْ حَضَرْتُهُ وَأَقَمْتُ عِنْدَهُ قِرَآئَتَهُ مَوَاطِنًا عَلَى الصَّلَاةِ مَتَحَدِّثًا لِلْخَيْرِ يَسْأَلُ عَنِ الْفَقْهَةِ مَلَا زِمَانًا لِّلثَنَةِ (البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۳۳۳ بحوالہ النسخۃ ۲۸۱) بلکہ آپ نے الزام لگانے والوں سے بحث و مناظرہ کیا۔

۱۷۔ قدس سرہ: محمد بن الحنفیہ فی ذالک فامتنع من ذلک امتد الامتناع وناظرهم فی یزید ورد علیہم ما اتهموه من شرب الخمر وقرعک۔

بعض الصلوات (البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۲۱۸)۔

چہارم: سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کو جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی۔ اہلِ توان کے لئے دعا کی۔ اور پھر امیرِ یزید کو آپ کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی امیرِ یزید کی بیعت و اطاعت کا حکم فرمایا۔ اور خود بھی بیعت میں داخل ہو گئے۔
و: وان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکوا و اعطوا اطاعتکم و بیعتکم فمضى فبايع (بلاذری الامامۃ والسیاسہ، جلد ۱ صفحہ ۲۰۴)

پنجم: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد قاضی ابوبکر بن عربیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

کتاب الزُّہد، میں امیر یزید مرحوم و مغفور کا ذکر زُہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرے میں بیان فرمایا ہے۔ جن کے وعظ و فرمان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور امیر یزید کے خطبے کے چند جملے بھی نقل کئے ہیں۔ اور ساتھ ہی اُن لوگوں کو شرم دلائی ہے کہ آپ پر شراب نوشی اور فسق و فجور وغیرہ کا الزام لگاتے ہیں۔

وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى عَظِيمِ مَنَزَلَتِهِ عِنْدَهُ حَتَّى يَدْخُلُهُ فِي جُمْلَةِ الزُّهَادِ مِنْ بَعْدِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ يَقْتَدِي بِقَوْلِهِمْ وَيَسْرِعُونَ مِنْ وَعْظِهِمْ نَعَمْ وَمَا دَخَلَهُ إِلَّا فِي جُمْلَةِ الصَّحَابَةِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى ذِكْرِ التَّابِعِينَ فَإِنَّ هَذَا مِنْ ذِكْرِ الْمُتَدَخِّلِينَ لَهُ فِي الْخَيْرِ وَأَنْوَاعِ الْفُجُورِ لَا يَسْتَحْيُونَ الْعَوَامَ مِنَ الْقَوْمِ (صفحہ ۲۲۳)

شرم: حجة الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امیر یزید نے نہ تو سید حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا۔ اور نہ ہی اس پر رضا مند تھے۔ جو شخص اُن پر الزام لگائے۔ وہ حد درجہ اہل اور احمق ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ امیر یزید پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا صرف بھارت نہیں۔ بلکہ مستحب ہے۔ اور چونکہ مؤمن تھے۔ اس لئے ہر نماز میں مومنین کی مغفرت الی دعائیں شامل ہیں۔ (ج ۱، واما المترحمو عليه فاجاز بل هو مستحب بل هو داخل في قولنا لكل صلوٰۃ اللهم اعف عن المؤمنين والمؤمنات فإنه كان مؤمناً والله اعلم كتبہ الغزالی (تاریخ ابن خلقان، جلد ۱، صفحہ ۲۶۵)۔

۱۱۔ امیر یزید سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر علیہ السلام کے داماد ہیں۔ کیونکہ سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر اُن کے نکاح میں تھیں۔ اس رشتے سے آپ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیجہ داماد ہوتے ہیں۔ حجرۃ الانساب ابن حزم۔

۱۲۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی سیدہ ام مسکین بنت عامر بھی امیر موصی

کے جبالہ عقد میں تھیں۔ اس رشتہ سے آپ خلیفہ دوم کے پوت داماد ہوتے ہیں۔
 الاشراف، کتاب المعارف۔

نہم | سیدنا علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین کربلا کے واقعہ میں موجود تھے۔ وہیں سے
 دمشق گئے۔ اور امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور زندگی بھر اس پر قائم رہے۔ بلکہ واقعہ کربلا
 سے تین برس بعد واقعہ سرہ کے موقع پر امیر یزید کا حسن سلوک دیکھ کر ان کے حق میں ان الفاظ
 میں دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین یزید کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔ (بلاذری، طبقات
 ابن سعد)

دہم | واقعہ کربلا کے بعد علوی سادات کی رشتہ داریاں اموی سادات میں ہوتی رہیں
 انکی ان میں جس کے ثبوت سے کتب تواریخ و انساب پر ہیں۔

یازدہم | سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی کی وفات کے بعد کوفہ کے ان شریر النفس لوگوں نے
 سیدنا حسین رضی کو امیر یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا۔ جن کے نام مبارک عزائم و مقامات
 کبھی سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنی رضی کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوئے۔ اور کبھی
 جنگ جمل اور صفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰؑ
 کی شہادت اور حضرت حسنؑ کی توہین و تحقیر سے بھی انہیں کے نامہ اعمال سیاہ اور دامن
 و اغدار ہیں۔ اور جب سیدنا حسینؑ کو تقریباً چار ماہ کی مسلسل کوشش بصورت خط و راہ
 وفود کی بھرمار سے یہ باور کرا دیا کہ امیر یزید اُمت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں۔ بلکہ اُمت کی مستحق
 جماعت ان کی خلافت سے مطمئن نہیں۔ تو اب سیدنا حسینؑ نے کوفہ کا ارادہ فرمایا۔
 (۱) سیدنا عبد اللہ بن عباس (۲) عبد اللہ بن عمر (۳) عبد اللہ بن جعفر (۴) جابر بن عبد اللہ
 (۵) ابو واقد اللیثی، (۶) محمد بن الحنفیہ وغیرہم حضرات نے حضرت حسین رضی کو اس ارادہ سے منع
 فرمایا۔ کہ وہ ایسا ہرگز نہ کریں۔ اور اپنے والد اور بھائی کے ساتھ دھوکہ بازی کر نیوالے کوفیوں

کی بات مان کر امت میں افراق و انتشار کی راہ نہ کھولیں۔ اور اپنے آپ کو اس ہلاکت انگیز
الہام سے باز رکھیں۔ لیکن افسوس کہ آپ نے کسی کی نہ مانی۔ اور کوفیوں کے خطوط اور وفود
اور انکی طلب پر کوفہ روانہ ہو گئے۔ جب آپ کوفہ کے قریب پہنچے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان مدعیان
وفا داری نے وہی کچھ کیا۔ جو مذکورہ حضرات نے ماضی کی تاریخ کے پیش نظر آپ کو روکتے ہوئے
کہا تھا۔ جب آپ نے جان لیا۔ کہ امیر المؤمنین یزید کی بیعت پر تمام امت و ملت متفق ہے جس
کے فیصلے و عمل کا استخفاف ممکن نہیں۔ تو آپ اپنے ارادے سے دست بردار ہو گئے اور
پہلے موقف سے رجوع فرما کر فوج افسر عمر بن سعد کے ذریعہ کوفہ کے سامنے تین شرطیں
پیش فرمائیں۔

اول :- مجھے واپس جانے دیا جائے۔
دوم :- اسلامی سرحد پر جہاد کے لئے بھیج دیا جائے۔
سوم :- یا پھر مجھے دمشق بھیج دیا جائے تاکہ میں اپنے ابن عم (چچا زاد بھائی امیر شام) کے
ہاتھ میں ڈکے کر معاملہ کو اس طرح کر لوں جس طرح میرے بھائی حسنؓ نے حضرت امیر
معاویہ کے ساتھ کیا تھا۔ نامنع یدی فی یدہ (تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۳۵، البدایہ
والنہایہ، ج ۸، ص ۱۷۵، ابن اثیر، ج ۴، ص ۲۴، الاصابہ لابن حجر، ص ۱۷، تاریخ الخلفاء
للنیوطی، ص ۱۴۰، راس الحسین لابن تیمیہ ص ۲۰ وغیرہ)

دوازہم :- [سیدنا حسینؓ کے اس خروج کو بغاوت کا ہونا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک
اجتہاد فی سیاسی احتیاط تھی جس کا مدور ہر بڑے سے بڑے شخص سے ہو سکتا ہے۔ اور
اس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی اور ان کے جھوٹے دعوای پر اعتماد تھا۔
یہی وجہ ہے کہ سولے آپ کے خاندان کے چند نفوس کے کسی صحابی نے اس خروج میں
آپ کا ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ اس وقت ہر شہر میں نہاسی تعداد اصحاب کرام کی موجود تھی اور

اس لئے سیدنا حضرت حسینؑ نے حقیقت کھلنے پر امیر سیدی کی بیعت خلافت کا اعلان کیا
 وابستگی اختیار فرمائی۔ اب یہ کوئی سبائیوں کی سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ لڑائی میں پہل کر کے صلح
 پورا نہ ہونے دیا۔ اور امت کو اس عظیم سانحہ اور مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اب قیامت تک
 شاید ہی اس سے چھٹکارا مل سکے۔ الحاصل ان تمام امور کو دیکھتے ہوئے، امیر
 مرحوم پر احسن و طبعین کرنا۔ یا ان کی تکفیر و تفسیق کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اور نہ ہی انہیں
 واقعہ کربلا کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس عظیم سانحہ جانکاہ کی واحد ذمہ دار کوفہ کی وہ
 پارٹی ہے۔ جن پر سیدنا حضرت حسینؑ نے مشفقین اور محبتیں کے خیر خواہانہ مشورے
 چھوڑ کر اعتماد کیا۔ اب

سوال :- یہ ہے کہ یہ باتیں کہاں تک درست یا غیر درست ہیں قطع نظر غیر مستند روایات
 روایات کے کیا یہ مذکورہ امور بالا اپنی جگہ ناقابل انکار حقائق ہیں یا نہ
 سوال :- ایسے نظریات رکھنے والے شخص کی تکفیر یا تفسیق و تضلیل جائز ہے یا نہ
 سوال :- اگر کوئی شخص ان امور کو اسلاف کرام پر زبان دراز کئے بغیر درست ماننا
 تو اس کی امامت درست ہے یا نہیں۔

سوال :- معلوم ہوا ہے۔ اسی استفتاء کا جواب مذکورہ بالا امور کی تائید میں ۱۴ محرم
 ۱۳۸۵ھ میں دارالعلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (مرحوم) کی ماتحتی
 دیا جا چکا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ یقیناً بالادلہ لائل القطعیہ و توسیر و ابوالاجر العظیم

فقط والسلام

ابوالارشاد محمد اسماعیل جاردی خطیب جامع مسجد مدینہ طیبہ

سیکری۔ ۵۔ کورنگی نمبر ۶، کراچی۔

۱۴ صفر المظفر ۱۴۰۰، ہجری، ۲۳ دسمبر ۱۹۸۰ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد:-

استفتاء کا اجمالی جواب

اہل عدل سے محبت اور اہل جور سے بغض اہلسنت کا طریقہ ہے۔
امام شامی نے فقہاء ملت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے عقائد کو ایک

رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ جو "العقائد الطحاویہ" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ بہت سے علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ یہ رسالہ مصر اور ہندوستان میں بار بار طبع ہو چکا ہے۔ اور ہر جگہ دستیاب ہے۔ اور مملکت سعودیہ میں داخل در کس بھی ہے۔ اس میں ان حضرات ائمہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے

ونحب أهل العدل والأمانة
ونبغض أهل الجور والخيانة
اور ہم اہل عدل و امانت سے محبت کرتے ہیں۔ اور اہل جور و خیانت سے بغض رکھتے ہیں۔

یہ وہی عقیدہ ہے جس کے بارے میں حدیث پاک میں تصریح ہے
مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ
أَعْطَىٰ لِلَّهِ وَمَنْعَ لِلَّهِ فَقَدْ
استكمل الإيمان
جس نے اللہ کے لئے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھا۔ اور اللہ ہی کے لئے نہ دیا۔ اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔
(مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۲)

اسی ہدایت کے مطابق یہ عقیدہ طحاویہ، میں یہ بھی مصرح ہے کہ
وَمَنْ أَحْسَنَ الْقَوْلَ فِي
أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَزْوَاجِهِ
جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، آپ کی ازواج، اور آپ کی ذریات کے بارے میں اچھی رائے رکھے

وَذُرِّيَاتِهِ فَقَدْ بَرِيءٌ مِنْ
النِّفَاقِ ص ۸

اجمالی جواب | اب سائل نے حضرت حسین اور یزید کے مابین محاکمہ کر کے جو بارہ سوالات قائم کئے ہیں۔ اور پھر ان کو حقائق کا نام دے کر یہ پوچھا ہے کہ امیر یزید پر لعن و طعن کرنا درست ہے یا نہیں۔

اس کے بارے میں اجمالی جواب تو یہ ہے کہ حضرت حسینؑ اور جملہ اہل بیت نبوی سے محبت رکھنا۔ اور ان کی تعظیم و تکریم کرنا تقاضائے ایمانی ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ اجل عبدالحق محدث دہلویؒ "تکلیف الایمان" میں جو عقائد پر ان کی مشہور تصنیف ہے۔ فرماتے ہیں۔

وفاطمة، سیدۃ نساء اہل
الجنة والحسن والحسين
سیدۃ شباب اہل
الجنة

اور حضرت فاطمہؑ جنتی عورتوں کی
سردار ہیں۔ اور حضرت حسنؑ اور حضرت
حسینؑ جو انان جنت کے سردار
ہیں

ماہیں مسئلہ را علیحدہ در عقائد
ذکر کردہ ایم از جہت قطعیت وے
بر رعم اس نادانان کہ قطعیت بشارت
را مخصوص بعشرہ بشرہ دارند و
ہمچنان کہ علماء بر رعم رفضہ اہتمام
بشان عشرہ کردہ بہ تخصیص ذکر
کردہ اند۔ اگر بر رعم ناصبیہ اہتمام
بذکر اس سہ تن پاک و ذکر فضائل

ہم نے اس مسئلہ کو اس کے قطعی ہونے کی
بنیاد پر مستقل طور سے عقائد میں ذکر کیا ہے۔
ان نادانوں کے علی الرغم کہ جو صرف عشرہ
بشرہ ہی کے بارے میں جنتی ہونے کی
بشارت کو قطعی سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح
کہ علماء نے روافض کے علی الرغم عشرہ
بشرہ کے اہتمام شان کے پیش نظر بالتخصیص
ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اگر نواصب کے

اہل بیت نبوت کنند نیز مناسب علی الرغم ان تینوں حضرات کچھ بھی ذکر کا اہتمام
باشد۔ ہو۔ اور اہل بیت نبوت کے فضائل

(ص ۶۶، ۶۷ طبع مجتہائی دہلی) بھی ذکر کریں تو یہ بھی مناسب ہوگا۔
حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی التقیہات
الاہیہ میں عقائد اہل سنت والجماعت پر ایک چھوٹا سا رسالہ قلمبند فرمایا ہے
جس میں وہ فرماتے ہیں۔

وفشهد بالجنة والخير اور ہم جنت اور خیر کی شہادت دیتے
للعشرة المبشرة وفاطمة ہیں حضرات عشرہ مبشرہ اور حضرت فاطمہ
وخديجة وعائشة والحسن اور حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ اور
والحسين رضي الله عنهم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ
ونؤقرهم ونعترف بعظم عنہم کے حق میں۔ اور ان کی توقیر کرتے ہیں
محلهم في الاسلام اور اسلام میں جو ان حضرات کا بلند مرتبہ
ہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ (ج ۱، ص ۱۲۸)

اور یزید سے محبت نہ رکھنا۔ اور اس کے بُرے اعمال سے نفرت کرنا۔ یہ
بھی ایمان کا مقتضی ہے اور اہل سنت کا اسی پر عمل درآمد ہے۔ چنانچہ شیخ
عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "تکمیل الایمان" میں یزید کے بارے
میں فرماتے ہیں۔

وبالجملة وے مبغوض ترین مروم اور مختصر یہ کہ وہ ہمارے نزدیک تمام
است نروما، وکارہا کہ ایں بدبخت انسانوں میں مبغوض ترین ہے۔ جو کام کہ اس
وہے سعادت دین امت کر وہ بدبخت منحوس نے اس امت میں کئے ہیں
بیچ کس نہ کر وہ۔ بعد از قتل امام حسین کسی نے نہیں کئے حضرت امام حسینؑ

والہانت اہل بیت لشکر تخریب مدینہ کو قتل کرنے اور اہل بیت کی امانت کے
 مطہرہ و قتل اہل آنجا فرستادہ بعد اُس نے مدینہ پاک کو تباہ و برباد کرنے
 و بقیۃ از صحابہ و تابعین را امر بقتل اور اہل مدینہ کو قتل کرنے کے لئے لشکر
 کردہ و بعد از تخریب مدینہ امر بپہنہام بھیجا اور جو صحابہ اور تابعین وہاں باقی
 مکہ معظمہ و قتل عبد اللہ بن زبیر نہ کردہ رہ گئے تھے۔ اُن کو قتل کرنے کا حکم دیا
 وہم در اشنائے اس حالت از اور مدینہ طیبہ کو برباد کرنے کے بعد مکہ معظمہ کو
 دنیا بچہنم شتافتہ و دیگر احتمال منہدم کرنے اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ
 توبہ و رجوع اُور اُخدا و اند حق تعالیٰ کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور پھر اسی اثناء
 دلہائے مارا۔ و تمام مسلمانان را از میں جبکہ مکہ معظمہ محاصرہ کی حالت میں
 محبت و موالات و سے و اعوان و تھا۔ دنیا سے جہنم میں چلا گیا۔ باقی رہا یہ احتمال کہ
 انصار و سے و ہر کہ با اہل بیت نبوی شاید اس نے توبہ اور رجوع کر لیا ہو۔ یہ
 بد بودہ و بد اندیشیدہ و حق ایشان خدا جانے۔ حق تعالیٰ ہمارے اور سب
 را پائمال کردہ و ہا ایشان براہ محبت و مسلمانوں کے دلوں کو اس کی اور اس کے
 صدق عقیدت نیست و نبودہ نگاہدار اعوان و انصار کی محبت اور دوستی سے
 و مارا، و محبتان مارا در زمرہ محبتان ایشان بلکہ ہر اس شخص کی محبت اور دوستی سے کہ
 محشور گرداند۔ و در دنیا و آخرت بر جس کا اہل بیت نبوی سے بُرا بُراؤ رہا۔ یا
 دین و کیش ایشان دارد، بجرمۃ النبی جس نے بھی اُن کے حق میں بُرا سوچا۔ اور اُن
 والہ الامجاد بہتہ و کرمہ و ہوقریب کے حق کو پامال کیا۔ نیز جس کو بھی ان کے ساتھ
 محیب آمین محبت اور صدق عقیدت نہیں ہے۔ یا
 اص ۱۷ طبع مجتہبانی دہلی نہیں تھی۔ ان سب کی محبت اور دوستی
 سے محفوظ رکھے۔ اور ہمارا اور ہم سے

محبت رکھنے والوں، ان حضرات کے محبتیں
میں حشر فرمائے۔ اور دنیا اور آخرت میں
ان ہی حضرات کے دین و مذہب پر
رکھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپ کی اولاد امجاد کے طفیل اپنے فضل و
کرم سے ہماری یہ دعا قبول فرمائے بیشک
اللہ تعالیٰ قریب ہے۔ اور دعاؤں کو قبول
کرنی والا ہے۔ آمین

اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو حجتہ اللہ البالغہ، کے مسبحث فتن، میں
حدیث ”ثَوْبِيْنَا دُعَاةُ الضَّلَالِ“، کہ پھر گمراہی کی طرف دعوت دینے والے
پیدا ہوں گے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
ودعاة الضلال يزيد بالشام اور ضلالت کے داعی شام میں یزید اور
ومختار بالعراق عراق میں مختار تھے۔

اور بحث مناقب میں فرماتے ہیں۔

ومن القرون الفاضلة اور ”قرون فاضلة“، یعنی اُن صدیوں
اتفاقاً من هو منافق أو فاسق میں بھی کہ جن کی فضیلت حدیث میں وارد
ومنها الحجاج ويزيد بن ہے۔ بالاتفاق ایسے لوگ موجود تھے۔ کہ جو
معاوية ومختار منافق یا فاسق تھے۔ اور ان ہی میں حجاج
اور یزید بن معاویہ اور مختار کا شمار ہے۔

یہ تو ہوا حسبِ ممالی جواب، اور اب تفصیل سے نمبر وار اپنے شبہات کے جواب
ملاحظہ کیجئے۔

ماصبیوں کے شبہات کے تفصیلی جوابات

پہلا شبہ

جو مستفتی کو پیش آیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جنگ قسطنطنیہ کے سلسلہ میں بخاری شریف میں حسب ذیل دو روایتیں مذکور ہیں۔

الف) اقل جیش من اُمّتی
یخزون مدینة قیصر و مغفور
لہم۔

میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے
شہر پر حملہ آور ہوگا۔ اس کی مغفرت کر دی
گئی ہے۔

ب) قال محمد بن الربیع
فعدتھا قومًا فیہم ابویوب
النصاری صاحب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوة
التي توفي فیہ یزید بن معاویہ
علیہم بارض الروم

محمود بن ربیع کا بیان ہے کہ پھر میں
نے اس کا ذکر کچھ لوگوں کے سامنے کیا جن
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی
حضرت ابویوب النصاریؓ بھی تھے۔
یہ اس غزوہ کا واقعہ ہے کہ جس میں حضرت
ابویوب النصاریؓ کی وفات ہوئی اور
یزید بن معاویہ، روم میں اس وقت فوج
کا امیر تھا۔

عرض یزید جس لشکر کا کمانڈر تھا اس لشکر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے۔
اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اگر مستفتی دوسری حدیث پر غور کرتے۔
تو سرے سے یہ اشکال ہی پیش نہ آتا کیونکہ

اسی حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فان اللہ قد سخر علی کذاب
من قال لا الہ الا اللہ یتبعی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فریاء
کریشک اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر دوزخ
کو حرام کر دیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی

بِذَلِكَ وَجَّهَ اللَّهُ

رہنا جوئی کے لئے لا الہ الا اللہ، کہا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے کہ سداق دل سے لا الہ الا اللہ، کہنے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کرے۔ یہ نہیں کہ بس ایک مرتبہ اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ تو سو بخون معاف ہو جائیں۔ اب جو چاہے کہتا پھرے۔ تعجب ہے کہ مستفتی نے یزید کی منقبت میں اس حدیث کو کیوں نہیں پیش کیا حالانکہ عزوہ قسطنطنیہ کی حدیث میں تو صرف "مغفور لہم" کے الفاظ ہیں۔ اور اس حدیث میں صراحتاً دوزخ کے حرام ہونے کی تصریح ہے۔ پس جو تاویل یا تشریح حدیث مذکور اب کی ہوگی۔ وہی تشریح حدیث مذکور (الف) کی ہوئی چاہئے۔

احادیث کے تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے اعمال خیر پر مغفرت کی بشارت ہے۔ اور اس کا مطلب آج تک کسی عالم کے ذہن میں یہ نہیں آیا کہ بس اس عمل خیر کے بعد جنتی ہونا لازمی ہے۔ اور اب ظلم کی کھلی جھڑپ سے جو چاہے کرے جنت اس کے لئے واجب ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کسی شخص کا نام لیکر اُسے جنتی کہنا اور بات ہے۔ اور کسی عمل خیر پر جنت یا مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے۔ حضرات عشرہ مبشرہ اور سیدنا حسن رضا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کا نام لے کر آنحضرتؐ نے ان کو جنتی فرمایا ہے۔ لیکن یزید کا نام لیکر اس کو جنتی ہونے کی بشارت کہیں نہیں دی گئی۔ کسی روایت کے عموم میں داخل ہونا اور چیز ہے۔ اور کسی بشارت میں مخصوص طور پر نامزد ہونا اور بات ہے بیشک اس حدیث میں غازیانِ مدینہ قیصر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے جیسا کہ غازیانِ ہند کے لئے۔ لیکن اس سے ہر غازی کا اس وقت تک جنتی ہونا لازم نہیں آتا۔ جب تک کہ اس کی زندگی اعمال خیر پر ختم نہ ہو۔ ٹھیک ہے یزید عزوہ قسطنطنیہ

میں شریک ہوا۔ لیکن اس غزوہ میں شرکت کے بعد جب اس کو اقتدار نصیب ہوا تو اس کے بیشتر اعمال ایسے تھے جو لعنت ہی کے موجب تھے۔

ابن خوزینہ نے اپنی خوش فہمی سے حدیث کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ جب کلمہ طیبہ پڑھ لیا گیا۔ تو پھر گناہوں کی کھلی چھٹی ہے۔ اور جس طرح کفر کے بعد کوئی طاعت مقبول نہیں۔ اسی طرح ایمان کے بعد پھر کوئی معصیت مضر نہیں ہوتی یہی ”مرجسہ“ کا مذہب ہے۔ جو ایک گمراہ فرقہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ“ میں جہاں مسند احمد کی یہ دو روایتیں نقل کی ہیں۔

۱۱) یزید بن معاویہ اس لشکر کا امیر تھا۔ جس کے غازیوں میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ اور جب حضرت ابو ایوب انصاری کی وفات کا وقت قریب ہوا۔ تو یزید اپنی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: ”وہب میں مرجاؤں تو لوگوں کو میرا سلام کہنا۔ اور ان کو یہ بتا دینا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ

من مات لا یشرک باللہ
شیئاً دخل الجنۃ
جس شخص کی موت اس حال میں واقع ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا تو جنت میں داخل ہوگا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حماد نے وفات کے وقت فرمایا۔

قد كنت كتمت عنكم شيئاً سمعته
من رسول الله صلى الله عليه وسلم
سمعته يقول: لو لا احبكم
تذنبون لخلق الله قومًا يذنبون
فيغفر لهم
میں نے تم سے ابھی تک ایک حدیث چھپا رکھی تھی جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم پیدا کرتا کہ جو گناہ کرتی۔ اور پھر

حق تعالیٰ انکی مغفرت فرماتا

وہاں ان دونوں حدیثوں کے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

ان هذا الحديث والذي قبله
هو الذي حمل يزيد بن معاوية
على اطراف من الارحاء وركب
بسببه افعالا كثيرة انكرت
عليه كما سند ذكره في ترجمته
والله تعالى اعلم۔

یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث
جو گزری، اسی نے یزید بن معاویہ کو ارجاء
کی طرف ڈال دیا، اور اس کے باعث اس نے
ایسے بہت سے کام کر ڈالے جن کی بناء پر اس
پر نکیر کی گئی۔ جیسا کہ ہم اس کے تذکرہ میں
عنقریب ذکر کریں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ

خوب جانتا ہے۔ (ج ۸، ص ۵۹)

اب اگر سائل بھی یزید کی طرح اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور مرتد
کے مذہب میں داخل ہے۔ تو اس کو دوسری حدیث، ہی یزید کی فضیلت کے لئے
کافی ہے۔ کہ چونکہ وہ کلمہ گو تھا، اس لئے ایمان لانے کے بعد اب کسی گناہ پر اس کی
پکڑ نہیں ہو سکتی۔ سب گناہ معاف ہیں۔ شیعیان بنی امیہ کا بھی یہ مذہب تھا، کہ
وہ امام اور خلیفہ کے حسنات مقبول ہیں۔ اور گناہ سب معاف۔ اس کی اطاعت
طاعت و محصیت دونوں میں واجب ہے، اور اگر سائل اہل سنت میں داخل
ہے۔ تو جو تاویل اس حدیث کی ہوگی، وہی حدیث غزوہ فسططینیہ کی ہوگی

پھر حدیث اول میں غور کرنے کی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاد کے لئے
تصحیح نیت ضروری ہے۔ یعنی جو جہاد بھی کیا جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اعلیٰ
کلمہ اللہ کے لئے ہو۔ اور اپنے ذوق و شوق سے ہو۔ یہ نہیں کہ دوسرے کے دباؤ
میں آکر ناخوش دلی سے جنگ میں شریک ہو جائے۔ اور صرف امارت کے خیال
سے روانہ ہو جائے۔ یزید کے ساتھ یہی صورت ہوئی، کہ وہ اس جہاد میں شریک

ہونے کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ اور جہاں تک بن سکا۔ اس نے ٹال مٹول کی کوشش کی۔ بلکہ جب مجاہدین کرام محاذ پر تھے۔ اور وہاں مختلف قسم کی مشقتیں برداشت کر رہے تھے۔ وہاں اور فسط میں مبتلا تھے۔ تو یہ بڑے ٹھانڈے سے اپنے عشرہ تکدرہ میں بیٹھا ہوا اپنی بیوی کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا۔ اور مجاہدین کا مذاق اڑا رہا تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کو جب اس کی اس حرکت کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے سختی کے ساتھ حکم دے کر بجبر اس کو محاذ پر روانہ کیا۔ اس سارے واقعہ کی تفصیل تاریخ ابن خلدون (ج ۳، ص ۲۰) اور کامل ابن اثیر میں موجود ہے۔ چنانچہ حافظ مؤرخ ابن الاثیرؒ نے اس کے واقعات کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فی هذه السنة وقيل سنة خمسين
میر معاویہؓ جیشاً کثیفاً الی بلاد
الروم للغزاة وجعل علیہم سفیان
بن عوف وامر ابنہ یزید بالغزاة
معہم فتاقل واعتل فامسک
عنه ابوہ فاصاب الناس فی
غزائہم جوع ومرض شدید
فانشد یزید یقول:

شدید مرض کا شکار ہوئے۔ تو یزید نے یہ شعر کہے۔

ما ان ابالی بما لاقت جموعہم
بالغذ قد وند من حتی ومن موئم
مجھے کچھ پروا نہیں کہ غزوہ روم میں مسلمانوں کا فوجی کمپ (میں مسلم مجاہدین کے دستہائے فوج کو بخارا اور چچک کا سامنا ہے۔

۱۔ قسطنطینیہ کے قرب وجوار میں ایک مقام کا نام ہے۔

اِذَا اتَّكَاتُ عَلَى الْاَتْمَاطِ مَرْتَفَعًا بدیرمزان عندی اتم کلشوم
 جبکہ میں دیرمزان میں آندوں پر اونچے اونچے ٹکیوں کے سہارے بیٹھا ہوں۔ اور میرے
 سامنے اتم کلشوم ہے۔

وَمَ کلشوم امراتہ ہی ابنتہ عبد
 اللہ بن عامر فبلغ معاویۃ شعرہ
 فاقسم علیہ لیحِقَّنْ بِسَفِیان
 فی ارض الرُّومِ لیصیبہ ما اصاب
 الناس فصار رومہ جمع کثیر
 اضافہم والیہ ابوہ وکان
 فی ہذا الجیش ابن عباس
 وابن عمرو، وابن الزُّبیر وابن
 ایوب الانصاری وغیرہم۔ و
 عبد العزیز بن زُرارة الکلابی
 فاوغلوا فی بلاد الرُّومِ حتی
 بلغوا القسطنطینیۃ کمال
 ابن الاثیر جلد ۳، صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲)

اتم کلشوم یزید کی بیوی عبد اللہ بن عامر
 کی بیٹی تھی۔ حضرت معاویہ کو جب اس کے ان
 اشعار کی اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے اُس کو قسم
 دیکر بتا لیا کہ اُسے روم میں سفیان کے
 پاس پہنچنا ضروری ہے تاکہ وہ لوگ جس
 مصیبت میں گرفتار ہیں۔ یہ بھی گرفتار ہو اب
 جو یہ روانہ ہوا۔ تو اس کے والد ماجد نے ایک
 ابنوہ کثیر کا اس کے ساتھ اضافہ کر دیا۔ اسی
 لشکر میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ
 حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت ابوالیوب انصاریؓ وغیرہ
 بھی تھے۔ اور عبد العزیز بن زرارہ کلابی بھی۔
 چنانچہ یہ لوگ بلاد روم میں گھسے ہی چلے گئے
 تاکہ تیزی کے ساتھ طغار کرتے ہوئے
 قسطنطینیہ تک جا پہنچے۔

یہ ہے یزید کے غزوہ قسطنطینیہ میں شرکت کی حقیقت، واقعہ یہ ہے کہ یزید سیرد
 شکار، شعر و شاعری، غنا اور موسیقی کا متوالا تھا۔ وہ جہاد کے جھنڈے میں اپنے
 والد ماجد کی زندگی میں پڑنا چاہتا تھا۔ اور نہ اپنے ایام خلافت میں چنانچہ عہدہ
 خلافت کے سنبھالنے پر سب سے پہلا خطبہ جو اس نے دیا۔ وہ یہ تھا

ان معاویۃ کان یغزیکم فی
البحر وان لست حاملاً احداً من
المسلمین فی البحر وان معاویۃ
کان یشتیکم بارض الروم
ولست مشتباً الحدابا ررض
الروم : وان معاویۃ کان
یخرج لکم العطاء اثلاثاً وانا
اجمعہ لکم حکمہ

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۲۳)

بیشک معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحری جہاد کی مہم پڑھائی
گئی تھی مگر میں کسی مسلمان کو بحری مہم پڑھانے
کا روادار نہیں۔ اور بیشک معاویہ رضی اللہ عنہ کو روم
میں موسم سرما میں جہاد پر روانہ کیا کرتے تھے
مگر میں کسی کو سردیوں میں روم کی سرزمین پر
جہاد کرنے کے لئے نہیں بھیجوں گا اور بیشک
معاویہ رضی اللہ عنہ تمہیں تمہارا وظیفہ سال میں تین
قسطوں میں دیا کرتے تھے، میں تم کو اکٹھا
یکجا لے کر دیا کروں گا

بس پھر کیا تھا، یہ خوشخبری سن کر حاضرین، دربار یزید سے اس حال میں لوٹے کہ

وہم لا یفضلون علیہ احداً وہ یزید سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔

۱۰ اس آخری جملہ پر حیات سیدنا یزید کے مصنف نے جو حاشیہ چڑھایا
بے پڑھنے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں:

۱۱ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ — سیدنا یزیدؒ اپنے والد ماجد سیدنا
معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد، امیر المؤمنین کی حیثیت سے پہلا خطبہ
دیکر فارغ ہوئے۔ تو اجتماع میں موجود صحابہ اور ہم عصر تابعین کی
پسندیدگی کا یہ عالم تھا۔

فاfterق الناس عنه وهم لا یفضلون علیہ احداً۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۲۳)

۱۲ لوگ تقریر سن کر ان کے پاس سے گئے، تو ان کا یہ حال تھا کہ وہ سیدنا

یزیدؒ پر کسی دوسرے آدمی کو فضیلت نہیں دیتے تھے، (باقی آئندہ صفحات پر)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یزید کی شرکت عزوہ قسطنطنیہ میں کس بناء پر تھی۔ تاہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ وہ خالصاً مخلصاً اپنے شوق سے بغیر اپنے والد ماجد کے حکم کے اس عزوہ میں شریک ہوا۔ تب بھی یہ بشارتِ مغفرت اس شرط کیساتھ مخصوص ہوگی کہ پھر اس سے زندگی میں ایسے افعال سرزد نہ ہونے ہوں۔ کہ جن سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰

اسلامی خلافت کے مرکزی شہر - دمشق - میں اس عظیم اجتماع کے موقع پر سیدنا یزید کے ساتھ عوام و خواص کی جانب سے پسندیدگی و عقیدت کا یہ اظہار، صرف اس لئے تھا کہ حلم و عدل کے پیکر سیدنا معاویہؓ کی ابدی جُدائی پر الم انگیز تقریر کے الفاظ نے انہیں ایسا رقص پر مجبور کر دیا تھا۔ بلکہ اعتماد و محبت کا مظاہرہ کرنے والے یہ وہ حضرات صحابہ اور تابعین کرام تھے جنہوں نے سچپن سے لے کر جوانی کی موجودہ منزل تک امیرِ یزید کے شب و روز کا براہِ راست مشاہدہ کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دینی ماحول میں ہوش و سنبھالنے والا یہ باصلاحیت اور صاحبِ کردار نوجوان مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قیادت و امارت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد رکھتا ہے انہیں سیدنا یزید کی شخصیت میں ایک ایسے قائد اور خلیفہ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی جو فاعلِ عزم و ارادہ کے ساتھ متحد و مرتبہ قائدِ صلاحیت کے وہ غیرسانی نقوش ثبت کر چکا تھا جن کی یاد اور جذبہ تشکر نے چھوٹے بڑے تمام مبصرِ حضرات کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سیدنا یزید کی خدمت میں عقیدت و محبت اور اعتماد کا یہ بے مثال نذرانہ پیش کریں کہ لایفصلون علیہ اعداء۔

(۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰) شائع کردہ و مجلس عثمان غنی، کراچی۔

مغفرت کی سبجائے اُثالعت خداوندی میں گرفتار ہو جائے۔ کیونکہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ: "العبرة بالخواتیم"، یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے۔

اسی لئے شاد ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دو تراجم ابواب بخاریؐ میں فرمایا ہے کہ:

قوله "مغفور لهم" تمتلک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حدیث میں

ما شاء اللہ ما شاء اللہ چشم بد دورہ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔
اپنے سید ممدوح یزید کو جہاد کی معطلی پر صحابہ اور تابعین کرام کی زبان سے خوب مذاکرہ عقیدت پیش کر دیا اللہ ہی جڑا دے۔ "مجلس عثمان غنی" کے محققین کا ایک تحقیقی رنگ یہ بھی ہے۔

غور فرمائیے! یہ نا صبی اپنے سید یزید کی مسخ شدہ شکل و صورت کو اپنی خود ساختہ خرافات کے رنگ و روغن سے آراستہ کر کے کس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یزید نے اپنے پہلے خطبہ میں ہجری جہاد کو معطل کرنے کا اعلان کیا۔ سرمانی

جہاد کو موقوف کیا۔ سرکاری فوج کو جو وظیفہ سال میں تین قسطوں میں ملا کرتا تھا اب اکٹھا دینے کا وعدہ کیا۔ ظاہر ہے ان انعامات پر یزید کے وفادار فوجی جتنی بھی خوشحال مناتے کم تھیں۔ صحابہ کرام اور تابعین کو تو عبث بدنام کیا۔ وہ کب جہاد کی معطلی پر یزید کی تعریف کر سکتے تھے۔ اُن کے لئے تو یہ اعلان سوہانِ روح سے کم نہ ہوگا۔ یہ تعریف کرنے والے تو ویسی لوگ تھے جن کو نہ قبل حسینؑ میں کوئی باک تھا نہ انصاء مدینہ کلا سر قلم کرنے میں کوئی جھجک اور نہ حریمِ محترمین کی عزت کو خاک میں ملانے میں کوئی عار۔ ہاں، ہاں یزید پر تعریف کے یہ ڈونگرے برسانے والے وہی دین فروش سگانِ دنیا تھے جو سو سو دینار کے عوض بلکہ بعض روایات کے مطابق تو محض چار اشرفیوں کے بدلے مسندِ ہجری میں یزید کے حکم سے مدنیۃ الرسول

بعض الناس بهذا الحديث في نجات يزيد لأنه كان من جملة هذا الجيش الثاني بل كان رأسهم رئيسهم على ما يشهد به التواريخ والصحيح أنه لا يثبت بهذا الحديث إلا كونه مغفوراً له ما تقدم من ذنبه على هذه الغزوة

و مغفور لهم،، فرمانے سے بعض لوگوں نے یزید کی نجات پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ بھی اس دوسرے لشکر میں نہ صرف شریک بلکہ اس کا افسر و سربراہ تھا۔ جیسا کہ تاریخ شہادت دیتی ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس غزوہ سے پہلے جو اس نے گناہ کئے تھے وہ بخش دیئے گئے۔

لأن الجهاد من الكفارات ومثان الكفارات إزالة آثار الذنوب السابقة عليها لا الواقعة بعدها نعم لو كان مع هذا الكلام أنه مغفوره إلى يوم القيمة لدل على نجاته وأذليس فيس

کیونکہ جہاد کفارات میں سے ہے اور کفارات کا کام یہ ہے کہ وہ سابقہ گناہوں کے اثر کو زائل کر دیئے ہیں۔ بعد میں ہونے والے گناہوں کے اثر کو نہیں۔ ہاں اگر اسی کے ساتھ یہ بھی فرمادیا ہوتا کہ قیامت تک کے لئے اس کی بخشش کر دی گئی ہے۔ تو بیشک یہ حدیث

ایضاً ما شہد گئے ہیں

چڑھ دوڑے۔ اور نین دن تک اس پاک سرزمین پر قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا کہ پناہ بخدا۔ انصارِ مدینہ صحابہ کرام و تابعین کی ایک خلقت تہ تیغ کر دی گئی۔ سارا شہر لوٹ کھسوٹ کر رکھ دیا۔ اور پھر بھی جی ٹھنڈا نہ ہوا۔ تو کبے پر چڑھ دوڑے اس کا محاصرہ کیا۔ اور منجنیق سے اس پر گولہ باری کر کے اس کی بنیادیں ہلا دیں یہ ہے اس کتاب کی تحقیق کا ایک نمونہ۔ یزید پسند جیسے موذی کو جو لوگ دوستیانا،، کہتے ہیں۔ ان سے سچ بولنے کی توقع ہی فضول ہے۔

بل امره مفوض الى الله تعالى
 فيما ارتكبه من القبائح بعد
 هذه الغزوة من قتل الحسين
 عليه السلام وتخریب المدینة
 والاضرار علی شرب الخمر
 ان شاء عفا عنه وان شاء
 هدبه كما هو مطرد فی حق
 سائر العصاة علی ان الاحادیث
 الواردة فی شان من استخفت
 بالعترة الطاهرة والملحد
 فی الحرم والمبدل للسنة تبقى
 مختصات لهذا العموم لو
 فرض حتموله لجميع الذنوب
 (شرح تاجم: باب البخاری
 ص ۳۱، ۳۲) شائع کردہ کارخانہ تجارت
 کتب آرام باغ کراچی۔

اس کی نجات پر دلالت کرتی۔ اور جب یہ صورت
 نہیں تو نجات بھی ثابت نہیں بلکہ اس صورت
 میں اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اور
 اس غزوہ کے بعد جن جن برائیوں کا وہ مرتکب
 ہوا ہے۔ یعنی حضرت حسینؑ کو قتل کرنا، مدینہ
 طیبہ کو تاراج و برباد کرنا، مے خواری پر اصرار
 کرنا، ان سب گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ
 کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو معاف
 کر دے۔ اور چاہے تو عذاب دے۔ جیسا کہ
 تمام گنہگاروں کے بارے میں یہی طریقہ
 جاری ہے۔ علاوہ ازیں وہ احادیث جو ان
 لوگوں کے بارے میں آئی ہیں کہ جو حضورؐ
 کی حرمت طاہرہ کی نافذی کرتے۔ اور حرم
 کی حرمت کو پامال کرتے اور سنت نبویؐ کو
 بدل ڈالتے ہیں۔ وہ سب حدیثیں بالقرائن
 اس حدیث میں اگر دو معفرت عام، بھی
 مراد لی جائے جب بھی اس کے عموم کی
 تخصیص کے لئے باقی رہیں گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کا ذکر فرمایا ہے، وہ
 درج ذیل ہے۔

ستة لعنتهم ولعنهم الله
 چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے

وہل نبی مجاب الزائد فی
کتاب اللہ، والمکذب بقدر
اللہ تعالیٰ والمتسلط بالجبروت
فی عزیز الک من اذل اللہ و
یذل من اعز اللہ والمتعل لحرم اللہ والمتحل
من عترتی ملحد اللہ والتارک
لسنتی ات، ک، عن عائشہ
ک عن ابن عمر (الفتح
اللبیر فی ضم التزیات، الح
الجایع الصغیر) از یوسف نہہانی
(ج ۲، ص ۱۵۵، مطبوعہ مصر)

اور حق تعالیٰ نے بھی اُن پر لعنت کی ہے۔ اور
ہر نبی مستحارب ہے (۱) کتاب اللہ میں زیادتی
کرنی والا (۲) تقدیر الہی کی تکذیب کرنی والا (۳)
جبر و زور سے تسلط حاصل کر کے جس کو اللہ
تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے اُسے اعزاز بخشنے
والا اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے
اُسے ذلیل کرنی والا (۴) حرم الہی کی حرمت کو
پامال کرنی والا (۵) میری عترت کی جو حرمت اللہ
تعالیٰ نے رکھی ہے۔ اسکو حلال کر دینے والا
(۶) میری سنت کا تارک۔ اس حدیث کو امام
ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں حضرت
عائشہؓ سے روایت کیا۔ نیز حاکم نے اس کو
حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی نقل
کیا ہے۔

اسی حدیث کو مشکوٰۃ شریف میں بھی (باب الایمان بالقدر) کی دو فصل ثانی
میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے کہ۔
روا البیہتی فی المدخل و ردین اس حدیث کو بیہقی نے المدخل میں اور
ردین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے
فی کتابہ
یہ تو نہیں علوم کہ نیز یہ تقدیر کا بھی منکر تھا۔ یا نہیں مگر باقی چاروں عجیب اس میں
موجود تھے۔

(۱) وہو لنس و باؤ اور جبر و زور سے امت مسلمہ پر مسلط تھا۔ اہل بیت نبوی

صحابہ کرام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک معزز ترین غلائق ہیں۔ اُن کی توہین و تذلیل کرنے میں اُس نے کوئی کسر اٹھانہ رکھی مفسدین اور شریر لوگ جنہوں نے حرمین محترمتیں پر چڑھائی کی۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ جیسے علید اللہ بن زیاد، عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن، حجر بن عقیبہ، حصین بن نمیر وغیرہ ایسے خبیث اور ظالم افراد اس کے نزدیک مستزور و محترم تھے۔

(۲) اس نے حرم الہی کی حرمت کا کوئی پاس و لحاظ نہیں رکھا۔

(۳) عسرت پیغمبر علیہ السلام کی عزت کو خاک میں ملایا۔ اور

(۴) تارکِ سنت تو تھا ہی۔

بہر حال یہ اگر تسلیم بھی کرایا جائے کہ یہ اس بشارت میں شامل تھا جو غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والوں کے حق میں وارد ہے۔ تب بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے اب تک کے گناہ معاف کر دیئے گئے تھے، یہ غزوہ مؤرخین کے بیان کے مطابق ۱۵۹۰ء یا بعض کی تصریح کے مطابق ۱۵۹۱ء یا ۱۵۹۲ء میں ہوا تھا۔ اس غزوہ کے بعد یزید تقریباً ۱۲ - ۱۱ - ۱۰ اہل زندہ رہا۔ اور اس مدت میں اس نے جو جو برائیاں کیں۔ اور جس جہنم قباٹج کا ارتکاب کیا۔ ہے۔ اُن میں ۱۳ کی مے نوشی، شہدائے کربلا کا بے دردانہ قتل، مدینہ منورہ کی تاراجی، اور بڑی اور دار، صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل عام اور پھر ۱۴ کی فوجوں کی چڑھائی وغیرہ۔ ان سب گناہوں کے کفار کی آخری اسویرت ہونا، غزوہ قسطنطنیہ کے بعد یزید سے جو حرام نامائستہ سرزد ہوئی ہیں۔ اُن کا مختصر سا جائزہ امام ابوہریرہ رحمہ اللہ کی

کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:-

ويزيد امير المؤمنين وكان
قبيح الاثار في الاسلام قتل
اهل المدينة وفاضل
الناس وبقية الصحابة
رضي الله عنهم يوم الحرة
في آخر دولته - وقاتل الحسين
رضي الله عنه وأهل بيته
في اول دولته - وحاصر ابن
الزبير رضي الله عنه في
المسجد الحرام واستخف
بحرمة الكعبة والإسلام
فأما تـ الله في تلك الايام
وقد كان عزاً في ايام أبيه
القسطنطينية وحاصرها
البحر: انساب العرب ص ۱۱۲، مطبوعه
دار المعارف مصر ۱۳۸۲ھ

اور اپنی دوسری تصنیف ”اسماء الخلفاء والولاة وذكر مدہم“
میں اور تمام فرمایا ہیں۔

لہٰذا، اس مقام پر نام ہے جہاں انہ مارہ مدینہ اور یزیدی لشکر کے درمیان معرکہ لڑائی ہوئی تھی

زیويع يزید بن معاوية ؓ اذ
مات ابوہ: یکنی ابوالخالد
من بیعتہ الحسین بن علی بن
ابی طالب وعبد اللہ بن الزبیر
بن العوام: فاما الحسین علیہ
السلام والرحمة.

فنهض إلى الكوفة فقتل قبل
دخولها، وهو ثلثة مصحاب
الاسلام بعد امیر المؤمنین
عثمان اور ابیہا بعد عمر بن
الخطاب رضی اللہ عنہ ۱ و
خرومہ لان المسلمین

استضموا فی قتله ظلماً علانیة
واما عبد اللہ بن الزبیر فاستجار
بمكة فبقي هناك إلى ان اغتدی
یزید الجیوش الی المدینہ
حرم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم والی مکة
حرم اللہ تعالیٰ. فقتل بقایا
المہاجرین والا نصاریہ
الحق وہی ایضاً اکبر مصائب

یزید بن معاویہ سے اس کے والد کے انتقال
ہونے پر بیعت کی گئی۔ اس کی کنیت
ابوالخالد تھی۔ حضرت حسین بن علی بن ابی طالبؑ
اور عبد اللہ بن زبیر بن العوامؓ نے اس
سے بیعت کی۔ پھر حضرت حسین علیہ السلام
والرحمہ تو کوفہ کی طرف نہضت فرما ہو گئے
اور کوفہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی
آپ کو شہید کر ڈالا گیا۔ آپ کی شہادت
امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کی شہادت کے بعد اسلام میں تیسری
مصیبت اور حضرت عمر بن الخطابؓ کی
شہادت کے بعد چوتھی مصیبت اور
اسلام میں رخنہ اندازی ہے۔ کیونکہ حضرت
حسینؑ کی شہادت سے مسلمانوں پر عظیم
ظلم توڑا گیا اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ
رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ جا کر حواریہ
میں پناہ لی۔ اور وہیں مقیم ہو گئے۔
تو آنکہ یزید نے مدینہ نبوی حرم رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ معظمہ کی طرف
جو اللہ تعالیٰ کا حرم ہے۔ اپنی فوجیں لڑنے
کے لئے بھیجیں۔ چنانچہ سحرہ کی جنگ میں

الاسلام ونحرومه . لان اقال
 المسلمين وبقية الصحابة
 وخيار المسلمين من جلة
 التابعين قتلوا جبراً
 ظلماً في الحرب وصبوراً
 وجات الخيل في مسجد
 رسول الله صلى الله عليه
 وسلم وراقت وبالت في
 الروضة بين القبر و
 المنبر ولم تصل جماعة
 في مسجد النبي صلى
 الله عليه وسلم ولا كان
 فيه أحد حاشا سعيد بن
 المسيب فانه لم يفارق
 المسجد . ولولا شهادة عمر
 بن عثمان بن عفان
 ومروان بن الحكم
 عند مجرم بن عقبة الموي
 بانه مجنون لقتله . و
 اكرو الناس على ان يباحوا
 يزيد بن معاوية على

ہاجرین اور انصار جو باقی رہ گئے تھے۔
 ان کا قتل عام کیا۔ یہ حادثہ فاجعہ بھی
 اسلام کے بڑے مصائب اور اس میں
 رخنہ اندازی میں شمار ہوتا ہے۔ کچھ تک
 افاضل مسلمین، بقیہ صحابہ اور اکابر تابعین
 میں بہترین مسلمان اس جنگ میں کھلے
 دھڑے ظلماً قتل کر دئے گئے اور گرفتار
 کر کے ان کو شہید کر دیا گیا۔ یزیدی شتر
 کے گھوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی مسجد میں جولانی دکھاتے رہے۔ اور
 "ریاض الجنۃ" میں آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی قبر اور آپ کے منبر مبارک
 کے درمیان لید کرتے اور پیٹا بکرتے
 رہے۔ ان دنوں مسجد نبوی میں کسی ایک
 نماز کی بھی جماعت نہ ہو سکی۔ اور نہ ہی
 حضرت سعید بن المسيب کے وہاں کوئی
 فرد موجود تھا۔ انہوں نے مسجد نبوی کو
 بالکل نہ چھوڑا۔ اگر عمر بن عثمان بن عفان
 اور مروان بن الحکم (یزیدی)۔ الا لشکم
 مجرم (مسلم) بن عقبہ کے سامنے یہ شہادت
 نہ دیتے کہ یہ تو دیوانہ ہے۔ تو وہ ان کو بھی

انهم عبيد له ، ان شاء
 باع وان شاء اعتق ، و
 ذكر له بعضهم البيعة
 على حكم القرأت
 وسنة رسول الله صلى
 الله عليه وسلم فامر
 بقتله فضرب عنقه
 صبرا وهتك مسرورا
 او مجرم الاسلام هتكا
 وانهب المدينة ثلاثا
 واستخف باصحاب
 رسول الله صلى الله عليه
 وسلم ومدات اليمى اليهود انتهت
 دورهم وانتقل هؤلاء الخ
 مكة شرفها الله تعالى
 فحوصوت ورمى
 البيت بحجارة
 المنجنيق قولى ذلك
 الحصين بن قيس السكوني
 في جوش اهل الشام ،
 وذلك لان مجرم بن

ضرور مارڈالتا اور اس نے اس حادثہ میں
 لوگوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یزید بن معاویہ
 سے اس شرط پر بیعت کریں کہ وہ
 اس کے غلام ہیں چاہے وہ ان
 کو بیچے چاہے ان کو آزاد کرے
 اور جب ان کے سامنے ایک
 صاحب نے یہ بات رکھی کہ ہم
 قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے حکم کے مطابق بیعت
 کرتے ہیں تو اس نے ان کے
 قتل کا حکم دیا اور ان کو گرفتار کر کے
 فوراً قتل کر دیا گیا۔ اس مسرف
 یا مجرم مسلم بن عقبہ نے اسلام
 کی بڑی بے عزتی کی۔ مدینہ منورہ میں
 تین دن برابر لوٹ مار کا سلسلہ جاری
 رہا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم کے صحابہ کو ذلیل کیا گیا ان پر
 دست درازی کی گئی ان کے گھوس
 کو لوٹا گیا (مدینہ طیبہ کو تباہ و تاراج
 کرنے کے بعد) یہ فوج مکہ معظمہ
 شرفی اللہ تعالیٰ کی طرف چل پڑی

عقبۃ المری مات بعد
 وقعة الحرة بثلاث
 لیل وولی مکانہ
 الحصین بن نمیر، واخذ
 اللہ تعالیٰ یزید اخذ عزیز
 مقتدر فمات بعد الحرة
 باقل من ثلاثة اشهر
 وازید من شهرين
 وانصرف الجيوش
 عن مكة - ومات یزید
 فی نصف ربيع الاول
 سنة اربع وستين
 وله نيف وثلاثون
 سنة امه ميسون
 بنت بحدل الكلبية
 وكانت مدته ثلاث
 سنين وثمانیه اشهر
 وایا ما فقط - ۱ ص ۳۵۷

۳۵۸ طبع مصر

وہاں جا کر مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا
 گیا اور بیت اللہ پر منجینی سے
 سنگباری کی گئی۔ یہ کام حصین
 بن نمیر کی سرکردگی میں شام کے
 لشکروں نے انجام دیا جس کی وجہ
 یہ تھی کہ مجرم بن عقبہ مری کو تو جنگ
 حرۃ کے تین دن بعد ہی موت نے
 آدھو چاٹھا اور اب اس کی جگہ سالار
 لشکر حصین بن نمیر ہو گیا تھا اور اللہ
 تعالیٰ نے یزید کو بھی اسی طرح دھڑ
 پکڑا جس طرح وہ غالب قدرت
 والا پکڑا کرتا ہے۔ چنانچہ وہ بھی
 واقعہ حرۃ کے بعد تین ماہ سے کم اور
 دو ماہ سے زائد کی مدت میں موت
 کے منہ میں چلا گیا اور یزیدی لشکر
 کا معظمہ سے واپس چلے گئے۔ یزید
 کی موت ۱۵ ربيع الاول ۶۲۲ھ ہجری
 کو واقع ہوئی، اس وقت اس کی
 عمر کچھ اوپر بیس سال تھی اس کی ماں
 کا نام ميسون بنت بحدل کلبيہ تھا،
 یزید کی مدت حکمرانی کل تین سال

خلاصہ بحث یہ ہے کہ

اول تو یزید غزوہ قسطنطنیہ میں بخوشی خاطر شریک ہی نہیں ہوا، جو وہ اس بشارت کا مستحق ہو اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ وہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے خود دل سے اس غزوہ میں شریک ہوا تھا تب بھی اس بشارتِ مغفرت کا تعلق اس کے ان گناہوں سے ہوگا۔ جواب تک اس سے سرزد ہوئے تھے، اور جو معاصی اور جرائم اس "غزوہ قسطنطنیہ" میں شریک ہونے کے بعد اس سے سرزد ہوئے ہیں ان کی مغفرت کا اس بشارت سے کوئی تعلق نہیں وہ اس کے ذمہ باقی ہیں اور اگر کسی کج فہم کو اب بھی اس پر اصرار ہو کہ حدیث میں مذکورہ مغفرت کا تعلق اس کے تمام اگلے پچھلے گناہوں سے ہے، اور اس غزوہ میں شرکت کرنے والے ہر فرد کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں اور مذکورہ مغفرت سے ہر فرد کی مغفرت عام مراد ہے تو یہ محض غلط ہے اور اس مغفرت کے عمومی تفسیر کے لیے وہ حدیث کافی ہے جو ابھی آپ کی نظر سے گذری ہے۔ اور اس کی روشنی میں یزید کے سیاہ کار ناموں کی تفصیل بھی آپ پڑھ چکے۔ اب ایسے نابکار کے جنتی ہونے پر اصرار کرنا کس قدر شدید غلطی ہے۔ ناصبیوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ممدوح یزید کو خلیفہ راشد مانیں، اس کے جنتی ہونے کا اعتقاد رکھیں بلکہ جیسا کہ بعض جاہل ناصبیوں کا عقیدہ تھا اس کو صحابی سمجھیں یا اس کی نبوت کا اقرار کریں مگر لیکن

اہل حق میں سے کوئی شخص بحالتِ صحت ہوش و حواس یزید کے ان سیاہ کارناموں کے باوجود اس کے ختمی ہونے کی کیسے شہادت دے سکتا ہے۔

یزید جیسے فاسق کی سرکردگی میں بھی جہاد ہو سکتا ہے

ہاں علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ضرور نکالا ہے کہ ہر فاسق کی

سرکردگی میں جہاد ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس سے یہ ثابت ہوا کہ جہاد ہر حکمران

کی معیت میں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ

یہ حدیث غازیان شہر قیصر کی تعریف

پر مشتمل ہے حالانکہ اس غزوہ کا امیر

یزید بن معاویہ تھا۔ اور یزید تو یزید

ہی تھا۔ کہ اس کی نابکاری و فساداتی

وفیہ مشروعية الجهاد مع

کل امام لتضمنه الشاء علی

من خزا مدینة قیصر وکان

امیر تلك الغزوة یزید بن معاویة

ویزید یزید۔

(فتح الباری۔ جلد ۱۱ ص ۶۵)

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

فطائفة من الجہال یظنون

یزید هذا من الصحابة وبعض

خلائقہم یجعلہ من الانبیاء۔

رج۔ ۴ ص ۱۴۹ مطبع امیرہ بولاق مصر

(سنہ ۳۲۲ ہجری)

ناہبی جاہلوں کی ایک جماعت اس یزید کو

صحابی خیال کرتی ہے اور بعض غالی ناہبی

اس کو نبی بھی مانتے ہیں۔

غیبت ہے ہمارے دور کے ناہبی ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے بلکہ وہ یزید کو صرف

حیدر راشد سمجھتے ہیں اور سیدنا کہہ کر اس کی خدمت میں آداب بجالاتے ہیں۔

معلوم خاص و عام ہے

اور امام ابو بکر احمد بن علی ابی حنبلہ "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں :-

وقد كان اصحاب النبي

صلى الله عليه وسلم يغزون

بعد الخلفاء الاربعه

مع الامراء الفساق وغزا

أبو أيوب الأنصاري مع

يزيد اللعين -

(رج - ۳ ص ۲۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب
خلفاء اربعہ کے بعد فاسق امراء
کے ساتھ بھی جہاد میں شریک
ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت
ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ
نے "یزید لعین" کی معیت میں بھی
جہاد فرمایا ہے۔

"مدینہ قیصر" سے مراد قسطنطنیہ
نہیں، بلکہ حمص ہے۔

اور یاد رہے کہ ساری بحث اس
صورت میں ہے جب کہ ہم اس

حدیث میں جو "مدینہ قیصر" کے الفاظ آتے ہیں اس سے "قسطنطنیہ" ہی
مراد لیں ورنہ اگر "مدینہ قیصر" شہر مراد لیا جائے کہ جو اس وقت قیصر کا
دار السلطنت تھا کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک
پر بشارت کے یہ الفاظ تھے تو ساری بحث ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اس
صورت میں "مدینہ قیصر" سے مراد "قسطنطنیہ" نہیں بلکہ حمص ہے چنانچہ
شیخ الاسلام محمد صدر الصدور دہلی شریعہ میں فرماتے ہیں

اور بعض علماء کی تجویز یہ ہے کہ
"شہر قیصر" سے مراد وہی شہر ہے کہ ہاں
قیصر اس روز تھا کہ جس روز آنحضرت

و بعضے تجویز کنند کہ مراد مدینہ
قیصر "مدینہ" باشد کہ قیصر و آنجا بود
روزے کہ فرمود ایں حدیث را

نحضرت، وآن حص است کہ در
آل وقت دار مملکت او بود۔

واللہ اعلم

(شرح فارسی صحیح بخاری از شیخ الاسلام

مطبوعہ برعاشیہ قیسر القاری ج ۲۰ ص ۶۶۹

طبع علمی مکتبہ سہ ہجری

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے یہ
حدیث فرمائی تھی اور یہ شہر حص تھا
جو اس وقت قیصر کا دار السلطنت
تھا۔ واللہ اعلم۔

اب پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ اس وقت قیصر کا دار الملک "حص" نہیں
بلکہ قسطنطنیہ ہی تھا اور اس عہد میں جب بھی "مدینہ قیصر" کے الفاظ استعمال
ہوتے تھے اس سے مراد شہر قسطنطنیہ ہی جاتا تھا پھر اس دعویٰ کو ثابت کرنے
کے لیے لغت عرف، اشعار عرب اور آثار و احادیث سے سند لانا ضروری
ہے محض دعویٰ سے کام نہیں چلتا۔

صحیح بخاری میں نیز یہ
کی مذمت میں حدیثیں
یہ بھی واضح ہے کہ صحیح بخاری میں یزید کے بارے
میں بس یہی ایک حدیث نہیں ہے کہ جس کو مستفتی
نے استفہام میں درج کر دیا ہے بلکہ اور بھی متعدد روایات
موجود ہیں جن میں یزید کی بدکرداری اور بداطواری کی پوری طرح نشاندہی کر دی
گئی ہے، یزید کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت ان روایات کو بھی نظر میں رکھنا
چاہیے۔ یہ روایات حسب ذیل ہیں:-

پہلی حدیث

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

حفظت عن رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم وعائین

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے دو طرفہ علم یاد کیا ہے،

لم يثبت على الاحاديث التي
فيها تبين أسامي امراء
السوء واحوالهم وزمنهم
وقد كان ابو هريرة يكتفي
عن بعضه ولا يصرح به
خوفاً على نفسه منهم
كقوله: "اعوذ بالله من رأس
الستين وإمارة الصبيان"
يشير الى خلافة يزيد بن
معاوية لأنها كانت سنة
ستين من الهجرة و
استجاب الله دعاء أبي
هريرة فمات قبلها
بسنة.

فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۹۳ طبع میرٹھ

مصر ۱۳۰۰ھ

جس کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے اشاعت نہ کی ان احادیث
پر محمول کیا ہے جن میں امراء
(بدکردار و نابکار حاکموں) کے ناموں
کی تفصیل، ان کے حالات اور زمانے
کا بیان تھا حضرت ابو ہریرہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ ان نالائق صمرانوں میں
سے بعض کا ذکر اشارہ کنایہ میں کر دیا
کرتے تھے مگر صراحتاً ان کا نام نہیں
لےتے تھے کہ کیسے وہ ان کو جان سے
نہ مار ڈالیں، چنانچہ فرمایا کرتے تھے
کہ "ہیں اللہ تعالیٰ سے ستہ کے
شروع ہونے اور لوٹوں کی حکمت
سے پناہ مانگتا ہوں" یہ یزید بن معاویہ
کی بادشاہی کی طرف اشارہ تھا کہ وہ
ستہ ہجری میں قائم ہوئی اور حق
تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی دعا قبول بھی فرمائی چنانچہ
وہ یزید کے بادشاہ ہونے سے ایک
سال پہلے ہی دنیا سے رحلت فرما
گئے۔

دوسری حدیث | امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصحیح میں ایک باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہلاک امتی علی

یدی اُمّیلمۃ من قریش

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان کہ ”میری امت کی ہلاکت قریش کے

چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی“

اور پھر اس باب میں یہ حدیث نقل کی ہے:

عمر بن لُحَی بن سعید بن عمرو بن سعید

کہتے ہیں کہ مجھے میرے دادا جان

نے بتلایا کہ مدینہ شریف میں حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ

مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت

مروان بھی ہمارے ساتھ تھا کہ حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

میں نے صادق و مصدق صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے

سنا ہے کہ ”میری امت کی ہلاکت

قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہو

گی“ اس پر مروان کی زبان سے

نکلا ”خدا کی ان پر لعنت ہو، لونڈے

ہوں گے“ حضرت ابوہریرہ رضی

حدثنا موسیٰ بن اسمعیل

حدثنا عمرو بن یحییٰ بن سعید

بن عمرو بن سعید قال اخبرنی

جدی قال کنت جالساً مع

ابی ہریرۃ فی مسجد النبی

صلی اللہ علیہ وسلم بالمدينة

ومعنا مروان قال ابوہریرۃ

سمعت الصادق المصدق

يقول ”هککۃ امتی علی یدی

غلمۃ من قریش“ فقال

مروان لعنة اللہ علیہم

غلمۃ فقال ابوہریرۃ لو شئت

ان اقول بنی فلان

بنی فلان فعلت، فکنت

اخرج مع جدی الی بنی مران
 حین ملکوا بالشام فاذا
 رآهم غلمانا اُحدائاً
 قال لنا عسی هؤلاء
 یكونوا منهم قلنا انت
 اعلم -

اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ اگر میں بتانا
 چاہوں کہ فلاں فلاں کے لڑکے ہوں
 گے تو بتا بھی سکتا ہوں۔ (عمر و کا
 بیان ہے کہ) پھر میں اپنے دادا جان
 کے ساتھ جب بنی مروان کی حکومت
 شام پر قائم ہوئی تو ان کے یہاں جایا
 کرتا تھا اور دادا جان جب ان لوگوں
 لونڈوں کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ
 غالباً یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق
 حضرت ابوہریرہؓ نے بتایا تھا، ہم یہ
 سن کر کہتے آپ کو خوب معلوم ہے

میری امت کی تباہی قریش کے
 چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے
 فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ امام
 بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ مسند احمد
 اور سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یاسی الفاظ مروی ہے
 میری امت کی تباہی قریش کے
 چند بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں
 ہوگی۔

ان فساد اُجستی علی یدی
 غلبۃ سفہار من قریش -

(ج ۱۳ - ص ۸)

اس ہلاکت اور فساد کی تشریح جس کا
 ذکر صحیح بخاری کی ان حدیثوں میں

لونڈوں کی حکومت کی کیفیت

آپ کی نظر سے گذرا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت
میں جس کو علی بن ابی جعد اور ابن ابی شیبہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے، ان الفاظ میں
مذکور ہے۔

اعوذ باللہ من امارة
الصبيان۔ قالوا وما امارة
الصبيان؟ قال ان اطعتمهم
هلكتم، وان عصيتمهم
اهلكوكم۔

فتح الباری (ج - ۱۲ - ص ۸)

”میں اللہ کو نڈوں کی امارت سے پناہ مانگتا
ہوں“ حاضرین نے عرض کیا: لوندوں
کی امارت کیا معنی؟ فرمایا یہ کہ اگر تم نے
ان کی اطاعت کی تو ہلاک ہوئے کہ
دین برباد ہوا، اور اگر تم نے ان کی
نافرمانی کی تو وہ تمہیں ہلاک کر کے
چھوڑیں گے (یعنی تمہیں جان سے
مار ڈالیں گے یا تمہارا مال لوٹ لیں
گے یا تمہاری جان و مال دونوں تباہ
کر کے رکھ دیں گے)۔

۱۔ آپ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے، حافظ شمس الدین ذہبی نے
میزان الاعتدال میں شمر بن ذی الجوشن کا جو تذکرہ لکھا ہے وہ پڑھیے، فرماتے
ہیں۔

شمر بن ذی الجوشن أبو
السابقة الضبائی عن أبيه
وعنه أبو اسحاق السبيعي ليس
بأهل للرواية فانه أحد قتلة

شمر بن ذی الجوشن ابو السابقة ضبائی،
اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، اور
اس سے ابو اسحاق سبیعی۔ یہ اس کا اصل
نہیں کہ اس سے روایت لی جائے، کیونکہ
(بقیہ ائمہ صفحہ پر)

نیز ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ صفحہ)

الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وقد
تسلطت أَسْوَانُ الصَّخْتَارِ، روى
أبو بكر بن عياش عن أبي اسحق
ثان كان شمر يصلي معنا ثم
يقول: اللهم انك قتلتم أبا
شريف فاعفُ عني قتلتي.
كيف يعفُ الله لك وقد اعنت
على قتل ابن رسول الله صلى الله
عليه وسلم قال: ويحك فكيف
نصنع؟ إن أمراءنا هؤلاء
أمرونا بأمر فلم نخالفهم
ولو خالفناهم كنا مشركين من
هذه الحمر الشقاء -
قلت إن هذا العذر
قبيح فأنما الطاعة في
المعروف -

(ج - ۱ ص ۲۲۹ - طبع

مصر ۱۳۲۵ھ)

❖ ❖ ❖

یہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
قائلین کا ایک فرد تھا، شمر کو مختار کے زہر
سے قتل کیا، ابو بکر بن عیاش، ابو اسحاق
سے راوی ہیں کہ شمر ہمارے ساتھ نماز
پڑھتا اور پھر یوں دعا کرتا کہ "اے اللہ
تو جانتا ہے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں
اس لیے مجھے بخش دے اس پر میں نے
اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے کیوں بخشتے
لگا تو نے تو ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے قتل میں اعانت کی ہے
کنے لگا، تجھ پر اللہ کی لعنت پڑے گی
اور اگر ہم ان حاکموں نے
ہمیں ایک حکم دیا تھا ہم نے اس کی مخالفت
نہ کی، اور اگر ہم ان کی مخالفت کرتے
تو ان بد نصیب گدھوں سے بھی بدترین
بن جاتے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے

ہیں کہ یہ عسکرِ ربیب، اطاعتِ نور

نیک کام ہی ہوا کرتی ہے۔

ان ابھریۃ کان یمشی فی
انسوق ویقول اللہم لاتدرکنی
سنتہ ستین ولا یمارۃ
الصیبان -

فتح الباری ج ۱۳ ص ۸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بازار میں جاتے جاتے یوں دعا کرنے
لگتے "اے اللہ مجھے سنتہ کا زمانہ
نہ آنے پائے اور نہ لونڈوں کی ہمارت
کا"

امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں
میں یزید کس فرست ہے،

لکھتے ہیں :-

وفی ہذا اشارۃ الی أن اول
أمة غیلة کان فی سنتہ
ستین و شوکذا ان
فان یزید بن معاویۃ متخلف
فیہا وبقی الی سنتہ اربع
وستین فمات -

فتح الباری ج ۱۳ ص ۸

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی اس حدیث میں اس طرف اشارہ
ہے کہ ان لونڈوں میں سب سے
پہلا لونڈا سنتہ میں برسر اقتدار آیا
جو بالکل واقع کے مطابق ہے۔ کیونکہ
یزید بن معاویہ اسی سنتہ میں بادشاہ
بنا اور پھر سنتہ ۳۴ تک زندہ رہ کر مر گیا

اور پھر مزید افادہ یہ فرماتے ہیں کہ :

"اس روایت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
اس روایت کے عموم کی یہی تخصیص ہو جاتی ہے جس کو ابو زر عری
ان سے نقل کیا ہے اور جو باب علامات النبوة میں بایں الفاظ گزر چکی

مروان کا ان مفسد لونڈوں پر لعنت کرنا | نیز اس باب کے ختم پر حافظ ابن حجر عسقلانی

علیہ الرحمہ نے جو تنبیہ فرمائی ہے وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں۔

(تنبیہ) يتعجب من

لعن مروان الغلمة

المذكورين مع ان الظاهر

انهم من ولده فكأن

الله تعالى أجرى ذلك

على لسانه ليكون أشد

في الحجة عليهم لعلمهم

باعتقون ،

وقد وردت أحاديث

في لعن الحكم والد مروان

وما ولد أخرجوها

الطبراني وغيره غالبها

فيه مقال و بعضهما

جيد و لعل المراد

تخصيص الغلبة المذكورة

بذلك۔

(ج - ۱۳ ص ۹)

(تنبیہ) تعجب ہوتا ہے کہ مروان

نے ان مذکورہ لونڈوں پر لعنت

کی حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کی

اولاد ہی میں ہوئے ہیں۔ پس گویا

حق تعالیٰ شانہ نے یہ بات اس کی

زبان سے کسوا دی تاکہ ان لونڈوں

پر سخت حجت قائم ہو جائے اور شاید

اس بات سے وہ کچھ نصیحت کریں

اور ہاں مروان کے باپ حکم

اور اس کی اولاد پر حدیثوں میں لعنت

وارد ہوئی ہے ان حدیثوں کو طبرانی

وغیرہ نے روایت کیا ہے جن میں

سے اکثر روایات ہیں گفتگو کی

گنجائش ہے مگر ان میں سے بعض

روایات جید بھی ہیں اور غالباً لعنت

ان ہی لونڈوں کے ساتھ مخصوص ہے

جن کا ذکر حدیث بخاری میں آتا ہے

یزید کے دور میں صحابہ و تابعین پر مظالم | غرض قریش کے چند نوخیز
لوندے جن کے ہاتھوں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی ہے
ان سب میں اول نمبر یزید پلید کا ہے، چنانچہ اس کی ولی عہدی کی سلسلہ
جنبانی کے آغاز سے لے کر اس کے مرتے دم تک اس عہد کے اخبارات
صحابہ و تابعین پر جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور ان کی جس طرح توہین و تہلیل
کی گئی اور ان کے ساتھ قتل و غارت کا جو معاملہ ہوا۔ اس سے تاریخ اسلام
کے اوراق پڑھیں اور صحیح بخاری میں اس سلسلہ کے جو واقعات غمنا آگئے
ہیں وہ یہ ہیں :-

۱۔ حدثنا موسى بن اسماعيل
قال حدثنا ابو عوانة عن
أبي بشر عن يوسف بن ماهك
قال كان مروان على الحجاز
استعمله معاوية فخطب
فجعل يذكر يزيد بن
معاوية لى يبائع له بعد
ابيه، فقال له عبد الرحمن
بن أبي بكر شيئا فقال خذوه
فدخل بيت عائشة
فلم يقدرُوا، فقال
مروان ان هذا الذى

یوسف بن ماہک کا بیان ہے کہ
مروان، حجاز کا گورنر تھا، جس کو اہل
معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں
کا عامل مقرر کیا تھا اس نے خطبہ
دیا جس میں یزید بن معاویہ کے متعلق
ذکر کرنے لگا تاکہ اس کے باپ کے
بعد اس کے لیے بیعت لے لی جائے
اس پر حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مروان سے
کچھ کہا تو اس نے ابراہیم و خنہ جو کمر
اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس شخص
کو گرفتار کر لو ایہ سن کر حضرت عبد الرحمن

انزل فیہ " وَالَّذِي قَالَ
لِوَالِدَيْهِ أَفِ لَكُمَا
أَتَقِدَا رِبِّي ه فَقَالَتِ
عَائِشَةُ مِنْ حِوَارِ الْجَبَابِ
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِينَا شَيْئًا
مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنْ اللَّهُ
انزل عذری

(صحیح بخاری ج ۲۰ ص ۵۷)
کتاب التفسیر، سورہ اہقان

بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی بہن
ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فخریہ
اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں گھس گئے
اور مروان کی پولیس کا ان پر قابو نہ
چل سکا۔ اب مروان (جھلڑ کر) بولا
یہ وہی شخص تو ہے جس کے بارے
میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی
تھی " اور جس شخص نے اپنے ماں
باپ کو کہا میں بیزار ہوں تم سے کیا تم مجھ
کو وعدہ دیتے ہو؟ الخ حضرت
ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا
نے (جب مروان کی یہ غلط بیانی
سنی تو) پردے کے پیچھے ہی سے
جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مدت
میں تو قرآن پاک میں کچھ نازل نہیں
کیا ہے ماں اللہ تعالیٰ نے میری برت
اور پاکدامنی کی آیتیں ضرور نازل
فرمائی ہیں۔

امام بخاری کی اس روایت میں جو اجمال ہے اس کی تفصیل مستخرج
اسماعیلی " میں اسی سند کے ساتھ بایں الفاظ مذکور ہے :-
فأراد معاوية أن يستخلف معاوية رضي الله تعالى عنه في إرادته

یزید یعنی ابنہ فکتب
إلى مروان بذلك فجمع
مروان الناس فخطبهم
وذكر يزيد ودعا إلى
بيعته ، وقال إن الله
أرى أمير المؤمنين في
يزيد ماأيا حسنا وان
يستخلفه فقد استخلف
ابوبكر وعمر۔

کیا کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنائیں
تو مروان کو اس کے بارے میں لکھا
اب مروان نے لوگوں کو جمع کر کے
خطبہ دیا اس میں یزید کا ذکر کر کے
اس کی بیعت کی دعوت دی، اور کہنے
لگا اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کو یزید
کے بارے میں اچھی رائے سمجھائی
ہے۔ اب اگر وہ اس کو خلیفہ بناتے
ہیں تو ابوبکر و عمر بھی خلیفہ بنا چکے ہیں

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کا
مروان کو برسر منبر ٹوکنا
ظاہر ہے کہ اس لغو بیانی کا جواب
سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہی کو دینا چاہیئے تھا، چنانچہ حسب توقع انہوں
نے نہایت جرأت سے کام لے کر بڑی بے باکی سے سلطان حابر کے سامنے
کلمہ حق کی ادائیگی کے فریضے کو انجام دیتے ہوئے فرمایا:۔
ماہو الا هرقلية۔
یہ تو ہرقلؑ کی اتباع کے سوا کچھ
نہیں۔

اور حافظ اسماعیلی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں :-

فقال مروان سنة ابی
بکرو وعمر فقال عبد الرحمن
سنة هرقتل وقيصر

مروان کہنے لگا یہ ابو بکر اور عمر کی سنت
ہے ۔ اس پر حضرت عبد الرحمن رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (نہیں بلکہ)
ہرقتل و قیصر کی رسم ہے ۔

اور سند ابی یعلیٰ اور تفسیر ابن ابی حاتم میں عبد اللہ مدنی کی زبانی اس واقعہ
کی یہ تفصیل مروی ہے :-

كنت في المسجد حين
خطب مروان فقال ان
الله قد ادى أمير المؤمنين
رأيا حسنا في يزيد ، وان
يستخلفه فقد استخلف
ابوبكر وعمر ، فقال
عبد الرحمن هرقتل
ان ابا بكر والله ما جعلها
في احد من ولده ، ولا
في اهل بيته ، وما
جعلها معاوية الاكرامة
لولده ۔

جس وقت مروان نے خطبہ دیا میں
مسجد نبوی میں موجود تھا کہنے لگا اللہ
تعالیٰ نے امیر المؤمنین (معاویہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ) کو یزید کے بارے میں عہدہ
رائے بھائی ہے ۔ اگر اس کو خلیفہ بناتے
ہیں تو ابو بکر و عمر بھی بنا چکے ہیں ۔
اس پر حضرت عبد الرحمن رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو ہرقتل کا طریقہ
ہے واللہ ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
نے اپنی اولاد میں کسی کو خلافت
منہیں سونپی اور نہ اپنے خاندان میں
سے کسی کو خلیفہ بنایا ، مگر معاویہ تو
بس اپنے بیٹے کو اعزاز بخشا چاہتے
ہیں ۔

حضرت عائشہ کا مروان کو جھوٹا کہنا | ظاہر ہے اس حق بات کو سننے کی تاب مروان میں کہاں تھی،

فورا الزام تراشی پر اتر آیا اور ان کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا آخر جیسا کہ محدث اسماعیلی کی روایت میں آتا ہے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کتنا پڑا۔

کذب واللہ ما ازلت فیہ۔
واللہ مروان جھوٹ بکتا ہے یہ آیت
عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے
میں نازل ہی نہیں ہوئی۔

مروان کی حضرت عائشہ سے سخت کلامی | مسند ابویعلیٰ میں یہ بھی آتا
ہے کہ پھر مروان منبر سے
اُتر کر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سخت کلامی کرنے لگا اور آپ نے
بھی اس کو ویسے ہی جواب دیئے آخر واپس چلا گیا۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق | اب ذرا غور کیجئے، مروان کی یہ
تقریر کہاں ہو رہی ہے، منبر نبوی
معاویہ اور ابوسفیان سے افضل ہیں | سے، مسجد نبوی میں، روضہ رسول

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے، یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے لیے اس
پرافتراد پر داندی کا یہ عالم ہے کہ اس ولی عہدی کی رسم کو حضرات شخین رضی
اللہ تعالیٰ عنہما کی سنت بنلا رہا ہے۔ اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب
اس کو ٹوکتے ہیں کہ یہ ابوبکر و عمر کی سنت نہیں ہے بلکہ ہرقل اور قیصر کی رسم ولی

عہدی ہے تو گزرتا ہے الزام تراشی کرتا ہے، کتاب اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے، ذرا نہیں سوچتا کہ کہاں ہوں، کس مقام سے بول رہا ہوں، کس سے مخاطب ہوں یہ کس باپ کے بیٹے ہیں، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سگے بھائی تھے۔ یہ یزید تو کیا چیز ہے اس کے والد ماجد معاویہ اور جد امجد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی نہیں قرآن افضل ہیں، کیونکہ جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مولفۃ القلوب تھے فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے "طلقاً" میں ان کا شمار ہے۔ اور عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں فتح مکہ سے بہت پہلے مشرف بہ اسلام ہو کر ہجرت فرمائے مدینہ ہو چکے تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کی آمدنی میں سے ان کے لیے چالیس وستی سالا خراما کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ابن کثیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے "کان من سادات المسلمین" (یہ مسلمانوں کے اکابر ہیں سے تھے) اور "کان معظماً بین اہل الاسلام" (اہل اسلام میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے) اب جس کی ولی عہدی کے سلسلے میں اکابر صحابہ کی اس طرح توہین کی جائے اس کی بادشاہی کے دور میں کیا کچھ نہ ہوگا؟

عبدالرحمن بن ابی بکر کا معاویہ کی رقم کو واپس کر دینا | عاقل ابن کثیر نے زبیر بن بکاء

سے بسند نقل کیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ درہم حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں بھیجے مگر

حضرت مدوح نے یہ کہہ کر ان کے ہلنے سے انکار کر دیا کہ اب بے دینی بدنیای؟ کیا میں اپنی دنیا کے عوض اپنے دین کو بیچ ڈالوں؟
آخر کار اکابر صحابہ کے پر زور احتجاج کے باوجود ان کی مرضی کے برخلاف یزید راج سنگھاسن برحمان ہو جاتا ہے، اور امت محمدیہ پر ہلاکت کا طوفان امنڈ آتا ہے، وجہ ستمہ ہجری میں یزید بادشاہ بنا، اور اسی سال ماہ رمضان میں یزید اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو مدینہ منورہ کی گورنری سے معزول کر کے اس کی جگہ عمرو بن سعید اشقی کا تقرر کرتا ہے۔

یزید کا گورنر مدینہ کو اس لیے معزول کرنا کہ
اس نے حضرت حسین و ابن زبیر سختی نہ کی تھی

ولید کا قصور یہ تھا کہ اس نے بیعت کے معاملہ میں حضرت حسین و حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر وہ سختی نہ کی تھی جو یزید کو مطلوب تھی اس لیے یہ دونوں حضرات یزید کی بیعت کے بغیر مدینہ منورہ سے بچر و عافیت مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ حالانکہ یزید کا ان کے بارے میں ولید کو یہ فرمان آچکا تھا کہ

اما بعد حسین و عبد اللہ بن عمر اور
عبد اللہ بن زبیر کو بیعت کے لیے
سختی کے ساتھ پکڑو، اور جب
تک یہ لوگ بیعت نہ کر لیں ذرا
ڈھیل نہ ہونے پائے۔ والسلام

اما بعد فنخذ حسینا
وعبد اللہ بن عمر و
عبد اللہ بن الزبیر بالبیعة
اخذاً شديداً لیست فیہ خصة
حتى یبایعوا والسلام

مروان کا مشوہ کہ ان حضرات کا
سہ قلم کر دیا جائے

نہ کریں تو فوراً ان کا سر قلم کر دو مگر ولید نے مروان کی بات نہ مانی اس لئے اس
شاہی فرمان کی تعمیل میں کوتاہی کا لازمی نتیجہ معزولی تھا۔ حافظ ابن کثیر نے
جو اس کی معزولی کی وجہ میں "لتقریطہ" کا لفظ لکھا ہے وہ اسی حقیقت کا ترجمان ہے
حضرت ابو شریح کا گورنر مدینہ کو | چنانچہ اس کی جگہ گورنر ہو کر عمرو بن سعید اسی ماہ
حرم پر فوج کشی سے منع کرتا | میں مدینہ آگیا یہ مزاج کا بڑا فرعون اور بڑا متکبر

تھا، حافظ ابن کثیر کے اس کے بارے میں یہ الفاظ ہیں وکان متالها متکبرا
یہ اپنے آپ کو خدا کی جگہ پر سمجھنے والا بڑا ہی مغرور تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چونکہ ابھی تک یزید کی بیعت نہ کی تھی اور وہ حرم الہی
میں پناہ گزین تھے اس لئے اس نابکار نے ان کو گرفتار کرنے کے لئے مدینہ میں
آتے ہی حرم مکہ پر لشکر کشی شروع کر دی۔ اس کی اس ناشائستہ حرکت پر حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور و محترم صحابی حضرت ابو شریح خزاعی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے جس بہترین انداز میں اسے فہمائش کی وہ صحیح بخاری
میں اس طرح منقول ہے۔

یو تھکی حدیث | (۴) حدیثنا عبد اللہ بن
حضرت ابو شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لہ البدایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیر ج ۸ ص ۱۴۸ ایضاً مولانا مناظر احسن گیلانی
مرحوم نے امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی میں اس واقعہ کو عبد الملک بن مروان کے عہد خلافت
کا گمان کیا ہے جو صحیح نہیں یہ واقعہ یزید بن معاویہ کے زمانہ حکمرانی میں ہوا ہے ملاحظہ ہو
"البدایہ والنہایہ" ترجمہ یزید بن معاویہ اور "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" ترجمہ حضرت ابو شریح
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یوسف قال حدثنا اللیث
 قال حدثنی سعید هو
 ابن ابی سعید عن ابی
 شریح انه قال لعمر و
 بن سعید - وهو یبعث
 البعوث الی مکه اذن
 لی ایها الامیر احدثک
 قولاً قام به رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم الغد
 من یوم الفتر سمعته
 اذ نای ووعاه قلبی و ابصرته
 عینای حین تکلم به احمد
 اللہ و اثنی علیہ ثم قال
 ان مکه حرمها اللہ ولم
 یحرمها الناس فلا یحل
 لامریئ یومن باللہ و الیوم
 الآخر ان یفسد بها دماً
 ولا یعضد بها شجرة فان
 اُخذ ترخص لقتال رسول
 اللہ فیہا فقولوا ان اللہ
 قد اذن لرسوله ولم یذن

نے عمر و بن سعید کو جب کہ وہ مکہ
 معظمہ پر چڑھائی کے لیے فوج کے
 دستے بھیج رہا تھا فرمایا: اے امیر
 اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کے
 سامنے وہ حدیث بیان کروں جس
 کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے
 ہو کر بیان فرمایا تھا اور جس کو میرے
 دونوں کانوں نے سنا اور دل نے
 یاد رکھا اور جس وقت آپ اس کو
 بیان فرما رہے تھے تو میری دونوں
 آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں
 آپ نے حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد
 فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم
 بنایا ہے، لوگوں نے اس کو حرم
 نہیں بنایا لہذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ
 اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس
 کے لیے یہ حلال نہیں کہ مکہ معظمہ میں
 کسی کا خون بہائے اور نہ وہاں کا
 کوئی درخت کاٹے، پھر اگر کوئی
 شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لکم وانما اذن لی فیہا
ساعة من فہار شہ
عادت حرمتہا الیوم
کحرمتہا بالامس ویبلغ
الشاہد الغائب، فقیل
لابی شریع ما قال عمرو
قال إنما انا علم منک
یا ابا شریع لا تعید عاصیا
ولا فارا بدم ولا فارا بخربة
(صحیح بخاری کتاب العلم
باب لیبلغ الشاہد الغائب)

کے وہاں قتال کرنے کی وجہ سے اس
امر کی رخصت چاہیے تو اس کو بتا دو
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو
اس کی اجازت دی تھی مگر تم کو اس
کی اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی
گھڑی بھر دن کی اجازت تھی پھر آج
اس کی حرمت اسی طرح عود کر آئی
جس طرح کہ کل اس کی حرمت تھی
اور جو شخص یہاں حاضر ہے اس کو
چاہیئے کہ جو شخص غائب ہے اس
تک یہ بات پہنچا دے۔ اس پر
ابو شریح سے دریافت کیا گیا کہ عمرو
نے پھر کیا جواب دیا۔ فرمایا، اس
نے کہا اے ابو شریح میں تجھ سے
زیادہ جانتا ہوں مگر نہ کسی عاصی کو
پناہ دیتا ہے اور نہ کسی ایسے شخص کو
جو خون کر کے وہاں بھاگ جائے
اور نہ اس شخص کو جو چوری کر کے وہاں
فرار ہو جائے۔

گورنر مذنبہ کا صحابی رسول کے
سامنے اپنی علمیت بگھارنا

غور کیجئے: صحابی رسول حضرت ابو شریک
رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرم الہی پر فوج کشی
سے روکنے کے لیے یزید کے گورنر کو

حدیث رسول بیان کرتے ہیں اور یہ بد نخت ان کے سامنے اپنی علمیت بگھارنا
ہے، اکتا ہے "میں تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں" امام ابن حزم اپنی مشہور تصنیف
المحلی کی کتاب الجنايات "میں بالکل صحیح لکھتے ہیں:-

لا کرامة للطیمة الشیطان

اس لطیمہ الشیطان، پولیس میں فاسق

الشرطی الفاسق یرید ان

کی بھی یہ وقعت ہے کہ وہ رسول اللہ

یکون اعلم من صاحب

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بھی زیادہ عالم بننے کا دعویٰ کرے۔

وهذا الفاسق هو العاصی

اعاصی ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

لہ ولم رسولہ، ومن

نہیں بلکہ یہی فاسق اللہ اور اس کے

والہ اوقدہ۔ وما حامل

رسول کا عاصی تھا اور وہ شخص جس نے

المخزی فی الدنیا والاخرۃ

اس سے دوستی کی یا اس کے کلمے پر

الاهو ومن امرہ۔

چلا اور دنیا اور آخرت میں ذلت

اٹھانے والا یہی تھا اور وہ (یزید)

جس نے اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔

اور شیخ الاسلام محمد صدر الصمد

دہلی شرح بخاری میں رقمطراز

ہیں۔

حضرت ابن زبیر کے خلاف گورنر کی
ہرزہ سرائی قابل قبول نہیں۔

عہد لطیمہ الشیطان کے معنی ہیں جس کو شیطان نے چیت لگایا ہو، یہ عمرو بن سعید شقی کا لقب ہے۔

وایں دعویٰ مجرّد است و مردود
 بروے ، زیدراچہ عبد اللہ بن زبیر
 صحابی است متعبد ، جامع صفات
 حمیدہ ، و کارے نکرده کہ بدان
 مستحق قتل باشد بیرون حرم
 و نہ خروج کرده براحدسے ،
 و نہ خواند مردم را بہ بیعت خود
 بآنکہ ناخوش بودند از یزید
 اہل حسدین و مبادرت نکردند
 بہ بیعت دے جز اہل شام بہار
 تولیہ پدرش معاویہ ، و اقلناع
 آورد عبد اللہ و غیروے از بیت
 آل ناہل کہ مسرف در معاصی
 و مرتکب کبائر بود و پناہ گرفت
 از شر دے در گوشہ حرم ، پس
 تعین کرد لشکر بالقتال ابن زبیر
 بمکہ ۔

(ج - ۳ ص ۳۲۲ طبع مطبع

علوی مکھنوالہ ۱۳۰۶ھ)

اور یہ دگور نر مدینہ ، عمرو بن سعید کا
 خالی خولی دعویٰ ہے جو مردود ہے
 کیونکہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ
 عنہما ایک عابد صحابی تھے ، صفات
 حمیدہ کے جامع ، انہوں نے کوئی
 کام ایسا نہ کیا تھا جس کی بنا پر بیرون
 حرم وہ قتل کے مستحق ٹھہرتے ، اور
 نہ کسی کے خلاف انہوں نے خروج
 کیا تھا ، نہ لوگوں کو (ابھی تک) اپنی
 بیعت کی دعوت دی تھی ، حالانکہ
 اہل حسدین یزید سے خوش نہ تھے
 اور یزید کی بیعت پر جز اہل شام
 کے کسی نے جلد بازی سے کام نہ
 لیا ، اور اہل شام نے اس لئے جھٹ
 پٹ بیعت کر لی کہ اس کے باپ
 معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس
 کو اپنا ولی عہد بنادیا تھا اور حضرت
 عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر
 حضرات نے اس ناہل کی بیعت کمنے
 سے اس لیے سختی سے انکار کر دیا کہ
 معاصی میں حد سے بڑھ گیا تھا اور

کہا اگر کامر تکب تھا۔ حضرت عبداللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کی
شر سے بچنے کے لیے حرم محترم کے گوشہ
میں پناہ لے رکھی تھی لہذا اس نے مکہ
مظفرہ میں ان سے جنگ کرنے کے لئے
فوجوں کو روانہ کیا۔

اور شیخ نور الحق محدث دہلوی تیسیر القاری مشرح صحیح بخاری میں انعام
فرمایا ہے:-

کلام میں مفسد حجت رانہی شاید
از آنکہ خلاف مستدرہ
اہل دین است، در روایت
امام احمد آمدہ کہ گفت ابوشریح
گفتم عمرو را من حاضر و تو
غائب بودی، وہ بموجب امر
آنحضرت رساندم ترا، و این
مشعر است مانکہ ابوشریح
قبول گفتہ عمرو نکرده و او
را بوسے گزاشتہ از بہت
عجز و عدم قدرت بہمت شوکن
و غلبہ او۔

اس مفسد (عمرو) کی بات حجت کے
لائق نہیں کیونکہ یہ اہل دین کے دستور
کے خلاف ہے، مسند احمد کی ایک
روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو
شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا
میں نے عمرو کو جواب دیا تھا کہ جب
محمود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد
فرمایا تھا میں اس وقت حاضر تھا او
تو عنائے راس لئے تو حدیث
کا مطلب کیا جالے، میں نے آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد
کے مطابق تجھے تبلیغ کر دی۔ اس سے
معلوم ہوا کہ حضرت ابوشریح رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے عمرو کی اس بات کو نہیں
 مانا، مگر چونکہ عمرو کو شوکت اور غلبہ
 حاصل تھا اور آپ اس کے مقابلہ سے
 عاجز تھے اور اس کی طاقت نہیں
 رکھتے تھے اس لیے زبیری
 فہمائش کے بعد آپ نے اس کو اسی
 کے حال پر چھوڑ دیا۔

مروان نے جو معاملہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ
 کیا وہ آپ پر ٹھہ چکے ہیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند
 اکبر تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے نواسے ہیں ان کے
 خلاف حرم محترم پر صرف اس لیے فوج کشی کی گئی کہ انہوں نے یزید علیہ السلام سے بیعت
 نہیں کی تھی۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی
 جلالت شان کا اندازہ لگانا ہو تو حضرت
 ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے الفاظ

حضرت ابن زبیر کے فضائل
 حضرت ابن عباس کی زبانی

پڑھئے:

ان کے والد ماجد یعنی حضرت زبیر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کے حواری تھے اور
 ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رفیق غایب تھے

أما أبوه فحوار
 النبي صلى الله عليه وسلم
 يزيد الزبير - وأما
 جده فصاحب الغار
 يزيد أبابكر - وأما

أَمَهُ فذات النطاق
يريد أسما - وأما
خالتة فأم المؤمنين
يريد عائشة - وأما
عمته فزوج النبي صلى
الله عليه وسلم - يريد
خديجة - وأما
عمة النبي صلى الله
عليه وسلم فجدته
يريد صفية - ثم
عفيف في الإسلام
قارئ القرآن -

صحیح بخاری باب قولہ

لَمَّا نِيَّ الْأَكْثَبِينَ إِذْ بُهَّانِي أَنْفَارُهُمْ

مصاحف عثمانی کی کتابت
میں حضرت ابن زبیر کی شرکت

اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسما
رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذات النطاق
اکہ جنہوں نے ہجرت کے وقت
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زاد
سفر اپنے چٹکے سے باندھا تھا اور ان
کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کی پھوپھی
دان کے ابا کی پھوپھی سراح ہیں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت
خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان
کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکہ
محترمہ ہیں اور پھر وہ خود اسلام میں
پاکباز اور قرآن پاک کے بکثرت پڑھنے
والے ہیں ۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ قرآن کریم
جو اس وقت امت کے ماتحتوں
میں ہے اور جس کو شب و روز ہم

پڑھتے ہیں اس کی نقیص حضرت امیر المؤمنین عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے اپنی نگرانی میں کراکر ممالک محروسہ میں روانہ کی تھیں ۔ ان مصاحف
کی کتابت کے لیے حضرت امیر المؤمنین نے جن چار حضرات کو نامزد فرمایا

ان میں سے ایک یہ بھی تھے کہ

حضرت ابن زبیر کے فضائل
احادیث کی روشنی میں،

صحیح بخاری میں ان کی والدہ ماجدہ
حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی
اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب وہ

ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئیں تو ان دنوں یہ شکم ماور میں تھے، اور وضع حمل کی
مدت قریب تھی چنانچہ قبا کے زمانہ قیام ہی میں ان کی ولادت ہوئی فرماتی ہیں
ثم انیت به النبی

تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
ہوئی تو آپ نے ان کو اپنی گود میں

لے لیا اور آپ نے ایک کجور منگوالی اور
اس کو چبا کر پھر ان کے منہ میں ڈال دی

چنانچہ ان کے پیٹ میں پہلی چیز جو داخل
ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا، پھر
آپ نے کجور کو ان کے تالو پر مل دیا

اور ان کے لیے برکت کی دعا کی،
اور یہ پہلے بچے تھے جو اسلام میں

ہجرت کے بعد مہاجرین میں پیدا

صلی اللہ علیہ وسلم فوضعه
فی حجرة ثم دعا بتمرۃ
فمضغها ثم قفل فی
فیه فكان اول شئیء
دخل جوفه رقیق
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ثم حنکھ بتمرۃ ثم
دعاه و برك علیہ رکان
اول مولود ولد فی الاسلام
(باب هجرة النبی صلی
اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی

المدینہ

ہوئے

اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے الفاظ ہیں

پہلا بچہ جو اسلام میں (ہجرت مدینہ

کے بعد مسلمانوں میں پیدا ہوا وہ

عبد اللہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ

عنها تھے ان کو زان کے گھر والے

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ

نے ایک کھجور مسکوا کر پہلے اس کو

اپنے دہن مبارک میں چھایا اور ان

کے منہ میں اس کو اٹھیل دیا چنانچہ

ان کے پیٹ میں پہلی چیز جو پہنچی وہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لعاب

دہن تھا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں آتا

ہے کہ

پھر حضور علیہ السلام نے ان کے سر

پر ہاتھ پھیرا، ان کے لیے دعا خیر

کی اور ان کا نام عبد اللہ رکھا،

پھر جب وہ سات یا آٹھ برس کے

ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اول مولود ولد فی الاسلام

عبد اللہ بن الزبیر اقربہ

النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فأخذ النبی صلی اللہ علیہ

وسلم تمرة فدخل کھاثم

ادخلها فی فیہ فأول ما

دخل فی بطنہ ربیع

الذنبی صلی اللہ علیہ وسلم

اصحیح بخاری

باب مذکور

اضافہ اور آتا ہے :

ثم مسحہ وصلی علیہ

وسماه عبد اللہ ثم جاء

وهو ابن سبع سنین او

ثمان یبایع رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم وامره

بِذَلِكَ الْمَزِيْرُ فَتَبَسَّمُ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ
رَأَاهُ مُقْبِلًا إِلَيْهِ فَبَسَّمَ
بِإِيَّاهُ -

(باب استجاب تحنیک

المولود عند ولادته)

سے بیعت کرنے کے لیے حاضر خدمت
ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ
عنه نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
کو اپنی طرف آتے دیکھ کر تبسم فرمایا
اور پھر ان سے بیعت لے لی۔

امام نووی، اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وقد هذا الحديث
مناقب كثيرة لعبد الله
بن الزبير رضي الله عنه
منها أن النبي صلى الله
تعالى عليه وسلم مسح عليه
وبارك عليه ودعاه و
أذل شئاً ودخل جوفه
ريقه صلى الله عليه وسلم
وانه أكل من ولده
الاسلام بالهدية والله
اعلم -

(شرح صحیح مسلم از امام نووی باب مذکور)

اور مستخرج اسماعیلی ہیں "صحیح بخاری" کی اس روایت میں "فی الاسلام"
کے بعد یہ اضافہ بھی ہے۔

اس حدیث میں حضرت عبد اللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بہت
سے مناقب ہیں، منجملہ ان کے ایک
یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، (۲) ان کے
لیے برکت طلب کی (۳) ان کے
حق میں دعائے خیر فرمائی (۴) اپنی
چیز جو ان کے پیٹ میں پہنچی وہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا لعاب دہن تھا (۵) یہ اسلام
میں پہلے بچے ہیں جو مدینہ طیبہ میں
(ہجرت کے بعد) پیدا ہوئے۔

ففرح المسلمون فرحاً
شديداً الآن اليه ود
كانوا يقولون سحرناهم
حتى لا يولد لهم

(فتح الباری ج ۷، ص ۱۹۲)

یہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بڑی ہی
خوشی ہوئی کیونکہ یہودی کہا کرتے
تھے کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو
کر دیا ہے اب ان کے یہاں ملا
نہیں ہوگی۔

عبرت کا مقام ہے مسلمانوں کو جس مبارک بچے کی ولادت پر بڑی خوشی
ہوتی یزید اور اس کا گورنر و اشترق اسی کے قتل کرنے کے درپے ہوں،
اور اسی کی موت میں اپنی خوشی سمجھیں۔

تغویر تو اسے چرخ گردن تغو

یزیدی گورنر کی مذمت حدیث میں واضح رہے کہ یہ یزیدی گورنر
ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ

روایت آتی ہے:

سمعت رسول الله صلى
الله تعالى عليه وسلم يقول
ليعرفن علي منبري
جبار من جبابرة بني
أمية حتى يسيل رعانه
قال فاخبرني من رأى عمرو
بن سعيد بن العاص وعف
علي منبر من رسول الله صلى الله

میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرمایا
سنا کہ "یقیناً بنی امیہ کے ستمگاردوں میں
ایک ستمگارد کی میرے منبر پر اس طرح نکیر
پھوٹ کر رہے گی کہ بسنے لگ جائے
گی" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ بھر مجھ سے
اس شخص نے بیان کیا جس نے عمرو
بن سعید بن العاص کو اس حال میں

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
حتی سأل ما حافم -

(البدایہ والنہایہ - از حافظ

ابن کثیر ج - ۸ ص ۳۱۱)

دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے منبر پر اس کی نکیر اتنی
پھوٹی کہ وہ منبر پر بہنے لگی۔

کربلا کے دن بنی امیہ نے
اپنے دین کو ذبح کر کے رکھ دیا

غرض یزید کی ولی عہدی کی ابتدا
حضرت صہبئ اکبر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی اولاد کی امانت سے

سہوٹی اور اس کی بادشاہی کا آغاز ان کے نواسے پر حرم الہی میں فوج کشی سے
اور ابھی سال جلوس ختم نہیں ہوئے پایا تھا کہ دو دمان نبوی کے گل ہر سبد
کو مسل کر خاک میں ملا دیا اور اپنی دانست میں خاندان نبوت کا چراغ گل کر کے
رکھ دیا، محرم اللہ ہجری کے یوم عاشورا میں اہل بیت رسالت
پر یزیدی لشکر کے اٹھوں جو قیامت ٹوٹی اس کے بارے میں جس نے
بھی یہ کہا سچ کہا کہ:

ضحی بنو امیہ یوم کربلا
بالدین

کربلا کے دن بنو امیہ نے اپنے
دین کو ذبح کر کے رکھ دیا۔

قرابت رسول اللہ کا پاس لحاظ
باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ

ہیں "باب مناقب قرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم"
یعنی "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے فضائل کا بیان"

نہ اور اسی طرح انتقام بھی، لہذا تاریخ الخلفاء از امام سیوطی، ترجمہ یزید بن عبد الملک بن مروان۔

اور پھر اس باب کے تحت حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا :

اسمقبوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فی اہل بیتہ ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کا پاس و لحاظ رکھو ۔

یعنی "نہ تو کسی معاملہ میں ان کو اذیت پہنچے اور نہ ان حضرات کے ساتھ کسی قسم کا بُرا برتاؤ ہونے پائے" اور اسی باب میں حضرت ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں ۔

والذی نفسی بیدہ
لمرابۃ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم أحب
الیّ انْ اُصل من قرابتی
قسم اس ذات عالی کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے اہل قرابت کی صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے ۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کا اس قدر پاس و لحاظ تھا کہ جب کبھی ان کے عہد میں قحط سالی ہوتی اور دعا استغاثہ کی ضرورت پڑتی ، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعا کرتے ، اور خود ان سے دعا کراتے ، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے ۔

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت

اللہ عنہ کان اذا قحطوا
استسقی بالعباس ابن
عبد المطلب فقال اللهم
انا کنا فتوسل الیک نبینا
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
فتسقینا وانا نتوسل الیک
لعم نبینا فاسقنا قال
فیسقون

(باب سوال الناس الامام

الاستسقاء اذا قحطوا)

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس
بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے توسل سے بارش کی دعا کرتے
اور یوں عرض کرتے کہ اے ہم اپنے
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل
سے تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے،
پھر تو ہم پر بارش برساتا تھا اور اب
اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
توسل سے تجھ سے مانگتے ہیں تو ہم
پر مینہ برسا دے، راوی کا بیان ہے
کہ پھر لوگوں پر مینہ برسنے لگتا تھا

حدیث میں قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مراد ہے اس
کے بارے میں شارحین صحیح بخاری لکھتے ہیں :-

مراد از قرابت پیغمبر خدا کسی کہ منتسب
است لعبد المطلب و مومن است
چنانکہ علی مرتضیٰ و ابنا کے اور صلی
اللہ عنہم - زبیر القاری ج ۳ .
ص ۲۵۰ طبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۲ھ

پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
قرابت " سے مراد وہ مومن حضرات
ہیں کہ جن کا سلسلہ نسب خواجہ عبد المطلب
سے ملتا ہے جیسے حضرت علی
مرتضیٰ اور ان کے صاحبزادگان صلی
اللہ تعالیٰ عنہم۔

شیخ نور الحق محدث دہلوی نے "تیسیر القاری" میں جو کچھ لکھا ہے وہی
علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

”من ينسب لعبد المطلب هو منّا كعلي وبنيه“ اور شارحین نے جو کچھ لکھا ہے وہی مطلب امام بخاری کا ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اثر کو باب مناقب الحسن وعلیٰ میں پھر دوبارہ روایت کیا ہے، مافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں باب مناقب قرابتہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحت ان تمام حضرات کو نام بہ نام گنوا یا ہے جو اس وقت خواجہ عبد المطلب کی اولاد میں بقید حیات تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا شرف حاصل تھا، ان میں حضرت مسلم بن عقیل کا نام بھی ہے جو شکی و صورت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے عون اور محمد کا بھی۔

پھر یزید نے ”قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پاس و لحاظ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔“

عبد اللہ بن زیاد جس کو یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوٹہ آنے کی خبر سن کر دہاں کا گوزر بنا کر بھیجا تھا اس کی سنگدلی اور قسادت قلبی کا اندازہ کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس شقی کے سامنے جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو چھڑی سے آپ کے سر مبارک کو چھڑنے اور آپ کے من پر طعن کرنے لگا، اس پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو تنبیہ کی کہ کیا کرتا ہے؟

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی مشابہ تھے۔

کان استبھم برسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح بخاری)
(باب مناقب الحسن وعلیٰ)

اور مسند بزار میں ایک دوسری سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ

فقلت له إني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يثتم حيث تضع قضيبك قال فانقبض -
 میں نے اس سے کہا جہاں تو اس وقت اپنی چھتری رکھ رہا ہے وہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے دیکھا ہے یہ سن کر وہ شقی گھٹ کر رہ گیا۔

رفع الباری باب مذکور

اور بحکم طبرانی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

فجعل يجعل قضيباً في يده في عينه وانفه . فقلت ارفع قضيبك فقد رأيت فم رسول الله صلى الله عليه وسلم في موضعه .
 ابن زیاد بنہاد کے ہاتھ میں چھتری تھی اس کو وہ شقی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چشم مبارک اور بینی مبارک میں داخل کرنے لگا تو میں نے اس سے کہا اپنی چھتری ہٹا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک کو اس جگہ رکھے ہوئے دیکھا ہے جس جگہ تیری چھتری اس وقت ہے۔

رفع الباری باب مذکور

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کا پاس و لحاظ جس کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ ارقبوا معجداً

فی اہل بیتہ“ اور جس کا ترجمہ حضرت شیخ نور الحق بن عبدالحق محدث دہلوی نے ایک جگہ ان الفاظ میں کیا ہے:-

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت سے معاملہ ہو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر میں رکھو اور آپ کا پوری طرح خیال کرو، یعنی آپ کی حرمت و تعظیم آپ کے اہل بیت کے اعزاز میں ہے۔

گفت ابو بکر نگہدارید و محافظت کنید محمد را در اہل بیت او، یعنی حفظ حرمت محمد و تعظیم او در گرامی داشتن اہل بیت اوست۔

(تیسیر القاری ج ۳-

ص ۲۵۱)

اور دوسری جگہ ان الفاظ میں:-

گفت ابو بکر صدیق نگہدارید عزت و شرف محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در نگداشت حرمت و تعظیم در حق اہل بیت آنحضرت“

”تیسیر القاری“

(ج ۳ ص ۲۶۲)

پھر بزریدی لشکر نے کر بلا کے میدان میں جو انان اہل بیت پر جو تعظیم و ستم ڈھایا اس کے بارے میں شیخ نور الحق محدث دہلوی نے تیسیر القاری میں شرح صحیح بخاری میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ: در شرح این قضیہ جانگزا جگر آب شدہ اس قضیہ جان گسل کو بیان کرنے میں

وقلم از دست افتاد از حوصلہ
طبع مسلمانے بیرون است کہ اشارتے
باں نوال نمود۔

(رج - ۳ ص ۶۴)

جگر پانی پانی ہو گیا اور قلم ہاتھ سے
گر پڑا کسی مسلمان کے حوصلہ
سے یہ باہر ہے کہ اس کی طرف اشارہ
بھی کر سکے۔

یزید کی تشقاوت | اور علامہ عبد اللہ بن محمد بن عامر شبراوی شافعی
کتاب الاستحاف بحب الاشراف میں فرماتے
ہیں۔

لاریب ان الله سبحانه
قضى على يزيد بالشقاوة
فقد تعرض لآل البيت
الشریف بالاذی فارسل
جنده لقتل الحسين
وقتلہ و سبی حریمہ و اولادہ
و هم اکرم اهل الارض
حينئذ علی الله سبحانه
(ص ۱۸ طبع مصطفیٰ بابی حلبی مصر)

لاریب حق تعالیٰ سبحانہ نے یزید
تشقاوت مسلط کی کہ اس نے آل بیت
شریف انہوی کے کستانے پر کمر
باندھی قتل حسین کے لیے اپنی سپاہ
بھیجی ان کو شہید کیا ان کی حریم اور
ان کی اولاد کو اسیر بنایا حالانکہ یہ
حضرات اس وقت اللہ تعالیٰ سبحانہ
کے نزدیک روئے زمین پر نہ تھے
بسنے والوں سے زیادہ معزز تھے

ابن زیاد کا طرز عمل صحابہ کے ساتھ

حضرت معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا | امام بخاری نے الجامع
الصغیر میں ایک

باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں "باب من استوعب رعیۃ فسلم
ینصح" یعنی جس نے رعیت کا والی بنایا جائے اور پھر وہ رعیت کی خیر خواہی نہ
کرے اور پھر اس باب میں یہ دو حدیثیں بیان کی ہیں :

(۱) عن الحسن ان عبید اللہ بن زیاد عاد معقل بن یسار
فی مرضہ الذی مات فیہ
فقال لہ معقل انی محدثک
حدیثاً سمعته من النبی
صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما
من عبد یتستر عیہ اللہ
رعیۃ فلم یحطہا بنصیحة
لم یجد من اللہ الجنة
(۲) حضرت حسن بصری سے روایت
ہے کہ عبید اللہ بن زیاد حضرت
معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
مرض الموت میں ان کی عبادت کے
لیے آیا تو حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک
حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میں
نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سے سنا ہے میں نے نبی کریم صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے
سنا ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کسی رعیت

کی نگرانی سپرد فرما سے اور پھر وہ
پوری طرح ان کی خیر خواہی نہ کرے
تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔
(۲) نیز حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے
کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لیے ہم ان
کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اتنے
میں عبید اللہ بن زیاد بھی آگیا۔
حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث
سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہے
آپ نے ارشاد فرمایا جو حکمران بھی
مسلمانوں کی کسی رعیت کا ماکہ ہو
اور پھر اس حال میں مرے کہ وہ
ان کے ساتھ دغا بازی کرتا تھا تو
اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر
دے گا۔

(۳) وعن الحسن أتینا معقل
بن یسار نعوده فدخل
عبید اللہ بن زیاد فقال
اے معقل احدثك حدیثا
صحت من رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم فقال من
والی یلی رعیت من
المسلمین فی موت و
هو غاش الا حرم
اللہ علیہ الجنة۔

صحیح مسلم "میں حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں اتنا

اضافہ اور ہے۔

اگر میں یہ سمجھتا کہ یہی ابھی زندگی باقی

لو علمت ان لی حیاة ما حدثک

ہے تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان
ہی نہ کرتا۔

(ج ۲ - ص ۱۲۲)

اور دوسری روایت میں ہے:

لَوْلَا أَنِّي فِي الْمَوْتِ لَمْ أَحْدِثْكَ
بِهِ - (باب فضيلة الامير

العاقل وعقوبة الجائر)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں موت
کے منہ میں ہوں تو یہ حدیث تم سے
بیان بھی نہ کرتا۔

یہ حدیث صحیح مسلم "بہ کتاب الایمان" میں بھی ہے اور کتاب الامارہ
میں بھی، صحیح مسلم کے ایک طریق میں اس روایت کے آخر میں بھی ہے کہ اس
حدیث کو سن کر ابن زیاد حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا:

أَلَا كُنْتَ حَدَّثْتَنِي هَذَا

قَبْلَ الْيَوْمِ ، قَالَ مَا

حَدَّثْتُكَ أَوْ لَمْ أَكُنْ

لَا حَدَّثْتُكَ -

یہ حدیث آپ نے مجھ کو آج سے

پہلے کیوں بیان نہیں کی، فرمایا:

بس میں نے تم سے بیان نہ کی یا میں

تم سے بیان کرنے والا نہ تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں حدیث بیان نہ کرنے کی وجہ
یہ بیان کی ہے:-

كَانَ يَخْشَى بَطْشَهُ فَلَمَّا

تَرَى بِهِ الْمَوْتَ أَسْرَدَ أَنْ يَكُنْ

بِذَلِكَ بَعْضُ شَرِّهِ عَنِ

الْمُسْلِمِينَ -

وہ ابن زیاد بدنہاد کی سخت گرفت

سے ڈرتے تھے، جب موت کا

وقت آگیا تو چاہا کہ اس طرح ہی

مسلمانوں پر سے اس کی شر کو کچھ دفع

کیا جائے۔

(ج ۱۳ - ص ۱۱۳)

ابن زیاد کی حضرت عبداللہ بن مغفل کے ساتھ بدتمیزی

یہ حضرت معتل بن یسار مزی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں
یاد رہے کہ ان سے پہلے بھی اسی

قبیلے کے ایک دوسرے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مغفل مزی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آ چکا ہے جس کی تفصیل امام طبرانی
کی المعجم الکبیر میں ایک دوسری سند سے باہر الفاظ مروی ہے۔

(۲) عن الحسن قال لما قدم

علینا عبید اللہ بن زیاد

أمیراً أمرنا علیاً معاویہ

عندما سئلہا یسعد

لما رسفنا شدیداً

رفینا عبد اللہ بن مغفل

المس فی قدخل حلیہ ذات

یوم فقال له انتدع

اذاک تصنع فقال له وما

انت وذاک قال ثم خرج

فی المسجد فقلنا لہ ما

کنت تصنع بکلام ہذا لہ

علی ماوس النیرانی قال

انہ کان علیاً علیاً فاجبت

ان لا اموت حتی اقول

حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے
کہ جب ہمارے پاس عبید اللہ بن
زیاد امیر بن کر آیا، اس کو مرادہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم پر والی بنا کر
بھیجا تھا یہ ایک بے وقوف چھوٹا
تھا جو نہایت بے دردی سے لوگوں
کا خون بہا کرتا تھا اس زمانے
میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی
اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں زندہ تھے وہ
ایک روز اس کے پاس تشریف
لے گئے اور اس سے فرمانے لگے
کہ جو کچھ میں تمہیں کرتے دیکھ رہا
ہوں اس سے باز آ جاؤ، اس نے
اس نصیحت پر حضرت ممدوح کو یہ
جواب دیا کہ تم اس سے منہ کرنے

بہ علی رؤس الناس، ثم
قام فمالأبتان مرضی
الذی قوفی فیہ فأتاہ
عبید اللہ بن زیاد یعودہ
فذكرنحو حدیث
اباب۔

فتح ابابری

رج ۱۳، ص ۱۱۳

والے کون ہوتے ہو؟ پھر حضرت
ممدوح مسجد میں تشریف لائے تو
ہم نے ان سے عرض کیا آپ ہر
عام اس بے وقوف کے منہ لگ کر
کیا کریں گے؟ فرمایا میرے پاس
علم تھا سو مجھے یہ پتا چلا کہ جب تک اس
کو ہر سر عام بیان نہ کروں موت
کے منہ میں نہ جاؤں، پھر آپ جیسے
ہی اٹھے مرض الموت نے آپ کو
آلیا، اسی بیماری میں عبید اللہ بن
زیاد بھی آپ کی عیادت کے لیے آیا
اور آپ نے اسی مضمون کی حدیث
اس کو بیان کی جو اس باب میں
مذکور ہے۔

(۱۳)

ابن زیاد کی حضرت عائذ بن عمرو کے ساتھ بدتمیزی | اسی سلسلہ

کا ایک اور واقعہ صحیح مسلم میں یہ ہے کہ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ایک مرتبہ ابن زیاد کو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہا تو اس بد نساؤ نے بجائے
اس کے کہ ان کی نصیحت کا کچھ اثر لیتا تھا ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔
یہ واقعہ حسب ذیل ہے۔

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ

إن عائذ بن عمرو، وكاتب

من اصحاب رسول الله
صلى الله عليه وسلم - دخل
على عبيد الله بن زياد
فقال اي بني اني سمعت
رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول ان شر المراءاة
الحطمة ، فاياك ان
تكون منهم ، فقل
له : اجلس فانما انت
من نخالة اصحاب
محمد صلى الله عليه
وسلم : فقال دهن كانت
لهم نخالة فما كانت
النخالة بعدهم
وفي غيرهم

اج ۲ ص ۱۲۲

عنه نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اصحاب میں سے تھے ، عبيد اللہ
بن زياد کے پاس آکر فرمایا بیٹے !
میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے :
حکمرانوں میں سب سے بڑا وہ ہے
جو لوگوں کو پیس مارے " تو تم اپنے
آپ کو ان میں شامل کرنے سے بچتے
رہو ، یہ سن کر وہ کہنے لگا ابرٹے
میلے ! بیٹھ جاؤ ، تم تو رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب
کی بھوسی ہو ! یہ جواب سن کر حضرت
عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صحابہ
میں بھی بھوسی بھٹی ، بھوسی تو بعد میں
آنے والوں میں ہے اور ان میں کہ
جو صحابی نہیں ہیں ۔

(۴) ابن زیاد کا حضرت ابو بزرہ کا مذاق اڑانا
اور اسی نوع کا ایک

اور واقعہ سنن ابوداؤد میں یہ منقول ہے ۔

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا
کہ ہمیں ابو طاووس عبد السلام بن

حد ثنا مسلم بن ابراہیم
نا عبد السلام بن ابی حازم

أبو طالت قال شهدت
 أبا برزة دخل على
 عبيد الله بن زياد فحدثني
 فلان سماه مسلم - وكان
 في السباه - قال فلما را
 عبيد الله قال ان محمداً
 هذا الدحداح "نفهها
 الشيخ فقال "ما كنت
 أحسب أني أبقي في
 قوم يعيرون بصحبة
 محمد صلى الله عليه
 وسلم" فقال له عبيد الله
 ان صحبة محمد صلى
 الله عليه وسلم للزین
 غیر شین "ثم قال انما
 بعثت اليك لا سلك
 عن الحوض سمعت
 رسول الله صلى الله عليه
 وسلم يذكر فيه شيئاً

ابی ہازم نے بتلایا کہ میں اس وقت موجود
 تھا جب حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ عید اللہ بن زیاد کے
 پاس کے تشریف لے گئے تھے چنانچہ
 مجھ سے فلاں صاحب نے بیان کیا
 ابو داؤد کہتے ہیں ہمارے استاد سلم
 نے تو ان کا نام بھی بیان کیا تھا مگر
 میرے ذہن سے اُتر گیا اب اس
 وقت مجلس میں موجود تھے ان صاحب
 کا بیان ہے کہ جیسے ہی عید اللہ
 کی نظر حضرت پر پڑی کہنے لگا ابو
 "تمہارا محمدی ٹھکانا موٹا" (آگیا)۔
 شیخ (حضرت بنی ال کی بابت
 سمجھی تو فرمانے لگے "میں نہیں سمجھتا
 تھا کہ میں اس قوم کے وجود میں
 آنے تک باقی رہوں گا کہ جو مجھے
 حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کی صحبت پر غار دلائے گی" اب
 عید اللہ نے ربات بدل کر ان سے

قال ابو برزة نعم
لامرة ولا ثنتين
ولا ثلاثا ولا اربعاً
ولا خمسة فمن
كذب به فلا سقاء
الله منه ثم خرج
مغضباً۔

اكتاب السنة
باب في الحوض

کہا "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
صحبت تو آپ کے لیے زینت
ہے باعث عیب نہیں" پھر کہتے
لگائیں نے آپ کی طرف اس لیے
بھیجا تھا کہ آپ سے حوض کے بارے
میں سوال کر دے کہ کیا آپ نے اس
کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ فرماتے ہوئے
سنا ہے، حضرت ابو بزرہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں ہاں۔ ایک
دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ
نہیں، چار دفعہ نہیں، پانچ دفعہ
نہیں، جو حوض کا انکار کرے اللہ
تعالیٰ اس کو حوض سے کچھ نہ پلائے
اس کے بعد آپ غصہ کی حالت میں
اس کے پاس سے چلے آئے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری "بذل الکھود فی عمل ابی داؤد" میں فرماتے
ہیں کہ ۱۔

"عبید اللہ بن زیاد فساہی میں سے تھا، اس لیے اس نے
بطور تمسخر آپ کو "دھراج" یعنی ٹھکنا موٹا کہا تھا، مگر آپ نے
اپنے بارے میں تو اس کے اس طنز پر التفات نہ فرمایا،

البتہ اس نے محمدیؐ کہہ کر جو آپؐ کا مذاق اڑایا، اس پر آپؐ کو
غصہ آگیا کیونکہ اس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ات
عالی کی امانت نکلتی ہے۔

اج - ۵ ص ۲۲۶ طبع دہلی ۱

یہ خطا ابن زیاد کا طرز عمل صحابہ کرام کے ساتھ اور عترت پیغمبر صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم پر اس نے جو ظلم و ستم ڈھایا وہ معلوم خاص و عام ہے۔
ان سب باتوں کے ساتھ ابن زیاد کی ایک خصوصیت
ابن زیاد بد نہاد تھا یہ بھی حقیقی کہ اس کا باپ زیاد بن سمیہ ثابت النسب
نہیں تھا، بلکہ ولد الزنا تھا جس کے یہاں پیدا ہوا اس کی بجائے دوسرے کو
اپنا باپ بتاتا تھا۔ بہت سے صحابہ اوتھلے بن گئے اس کے اس فعل پر تمکیر بھی
کی نہ ان میں خود زیاد کے ماں شریکی بھائی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی
تھے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں
حضرت ابو عثمان ندی سے روایت ہے۔

لما ادعی زیاد لقیۃ ابا
بکرۃ فقلت له ما هذا
الذی صنعتہ؟ انی
سمعت سعد بن ابی
وقاص یقول سمع اذ قال
من رسول اللہ صلی اللہ علیہ
رہو یقول من ادعی ابی
بنی الاسلام خیر ابیہ یم

جب زیاد کے بارے میں دعویٰ کیا
گیا کہ وہ ابوسفیان کی اولاد ہے
تو میں اس کے ماں جائے بھائی
حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
آکر ملا اور ان سے کہا کہ تم لوگوں نے
یہ کیا کیا مطلب ان کے مخالفانوں سے
تھا، میں نے تو حضرت سعد بن ابی
وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے

أنه غير أبيه فالجنة
عليه حرام . فقال
ابوبكر وأنا سمعته
من رسول الله صلى
الله عليه وسلم

رج ۱ ص ۵۵ کتاب الایمان

باب بیان حال من رغب

عن ابیہ وہو یعلم

وہ فرماتے تھے کہ میرے دونوں کانوں
نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے
کہ اسلام میں جو شخص اپنے باپ
کے علاوہ دوسرے کو باپ بتائے
حلال کہ اسے معلوم ہے کہ اس کا باپ
یہ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام
ہے تا یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے لگے کہ خود میں
نے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اس سے یزید کی مردم شناسی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ظالم اپنے مظالم
کا نفاذ کرنے کیلئے کیسے بدستدرت لوگوں کا انتخاب کیا کرتا تھا، یزید کو تجربہ
ہو چکا تھا کہ اس کا خاص چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان، مروان
کے ترغیب دلانے کے باوجود قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آمادہ نہ ہو سکا
اس لیے اس نے اس کام کو سارا انجام دینے کے لیے اس شقی ازلی ابن زیاد
بدنہاد کا انتخاب کیا اور آخر اس نے ایسا کر کے بتلا بھی دیا۔ علامہ بدرالدین
عینی نے ابن زیاد کی ان ہی حرکات ناشتہ کے سبب عمدة القاری شرح
صحیح بخاری میں اس کو لعین کہا ہے (ملاحظہ ہو ج ۷ ص ۶۵۶ طبع
استنبول)

یزید کی مدنیہ منورہ پر فوج کشی

پھر یزید نے ۶۳ھ ہجری میں حرم
نبوی پر فوج بھیج کر مدینہ پاک کی حرمت

کو جس طرح خاک میں ملایا اور اہل مدینہ پر جو ستم ڈھایا، وہ تاریخ اسلام
کا ایک الگ نوحہ چکاں باب ہے، جس میں مدنیہ طیبہ کے گلی کوچے صحابہ کرام
اور تابعین عظام کے خون سے رنگین نظر آتے ہیں:

شیخ عبدالحی محمد دہلوی مدارج النبوة میں لکھتے ہیں:

اور حرہ کا واقعہ یزید کے زمانے کے

واقعہ حرہ از اشنع شناع است

بہت ہی برے واقعات میں سے

کہ در زمان یزید واقع شد۔

ایک واقعہ ہے جس کو ہم نے تاریخ

وقد ذکرناہ فی تاریخ المدینہ

مدینہ میں بیان کیا ہے۔

رج - ۱ ص ۲۰۶ طبع نول کشور

لکھنؤ ۱۹۱۲ء

بیرون مدنیہ منورہ مشرقی جانب جو سنگستانی علاقہ ہے، جہاں بڑے

بڑے سیاہ پتھر ہیں وہ مقام حرہ کہلاتا ہے، اس کو حرہ واقم بھی کہا جاتا ہے۔

واقم ایک شخص کا نام تھا جو زمانہ قدیم میں یہاں آکر رہ پڑا تھا، اسی مقام پر انصار

مدینہ اور یزیدی لشکر کے مابین جنگ ہوئی تھی جو جنگ حرہ کہلاتی ہے۔

صحیح بخاری میں

واقعہ حرہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی پیشین گوئی،

حضرت اسامہ

رضی اللہ تعالیٰ

عنه سے مروی ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ایک بار مدینہ میں جو گڑھیاں ہیں

اشرف النبی صلی اللہ علیہ

وسلم علی اہلہ من اطہر

المدینۃ ، فقال هل ترون
ما أرى ؟ وإن لم أرى
مواقع الفتن خلل
بموتكم كمواقع
القطر -

(باب أطام المدینہ)

ان پر تشریف لے گئے اور وہاں
ایک مقام بلند پر چڑھ کر آپ
فرمایا کیا تمہیں بھی وہ دکھائی دیتا
ہے جو میں دیکھ رہا ہوں ؟ میں
تمہارے گھروں میں فتنوں کے
اترنے کی جگہوں کو اس طرح دیکھ
رہا ہوں جس طرح بارش کے
مقامات نظر آیا کرتے ہیں ۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فتنوں کے نزول
کو بارش کے نزول سے تشبیہ دی جس سے مراد فتنوں کا بکثرت عام ہونا
ہے ۔ یہ پیشین گوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے کہ جو حوت
بحر پوری ہو کر رہی ، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

چنانچہ اس پیشین گوئی کا مصداق
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
شہادت سے ظاہر ہوا اور پھر
سلسلہ چلتی ہی رہا اور بالخصوص
حرہ کا واقعہ تو اس کا صریح مصداق

وقد ظهر مصداق
ذالك من قتل عثمان
وهلم جراً ولا سيما
يوم الحرة -

فتح الباری - باب مذکور

ہے ۔

اس حدیث میں جو روایت کا ذکر ہے اس سے روایت علمی بھرا دہ
سکتی ہے ، یعنی آپ کے علم میں ان فتنوں کا وقوع لایا گیا تھا اور روایت عینی
بھی کہ یہ تمام فتنے عالم مثال میں آپ کو دکھلا دیئے گئے ہوں فتنہ حسد

سے کیسی تباہی مچی ۱۰ اس کے بارے میں حضرت سعید بن المسیب کا یہ بیان پڑھیے جو صحیح بخاری میں منقول ہے۔

وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الْاُولٰٓئِیَیْ
مَقْبَلِ عَثْمَانَ فَلَمَّا
تَبَيَّنَ مَدَامُ سَدَّ
بَدْرُ اَحَدٍ اَشْمَ وَقَعَتِ
الْفِتْنَةُ الثَّانِيَةُ يَعْنِی
الْحَرَّةَ فَلَمَّا تَبَيَّنَ مَدَامُ
اَصْحَابُ الْحَدِیْبِیَّةِ
اَحَدًا (ج ۲ - ۵۷۳)

پہلا فتنہ جب واقع ہوا یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور اسے بدری صحابہ میں سے کسی کو باقی نہ رکھا اسب آخر ختم ہو گئے پھر دوسرا فتنہ یعنی جنگ حرہ جب واقع ہوئی تو اس نے اصحاب بیعت ارضوان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔

اور امام دارمی اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں

حشر کے مظلوم کی تفصیل -

اخبرنا مروان بن محمد عن
سعید بن عبد العزیز قال
لما كان ايام الحرة
لم يؤذن في مسجد
النبي صلى الله عليه وسلم
ثلاثا ولم يقيم ولم
يبرح سعيد بن المسيب
من المسجد وكان لا يعرف
وقت الصلوة الا بهممة

سعید بن عبد العزیز کا بیان ہے کہ جنگ حرہ میں تین دن تک مسجد نبوی میں نہ تو اذان ہوئی نہ اقامت البتہ حضرت سعید بن المسیب نے مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا، وہ وہیں چھپے رہے، اور وہ بھی نماز کا وقت صرف اس بلکی سی آواز سے پہنچاتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے وہ سناتے

تھے۔

بسمعہا من قبر النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد

(موتہ)

جنگ حرہ کا سبب یہ تھا کہ حبیب انصارِ مدینہ نے یزید کی مے خواری
و بدکڑاری کے سبب اس کے بیعت توڑ دی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو ایک
فوج کثیر کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ تین دن تک
مدینہ طیبہ کو اپنی فوج کے لیے حلال کر دینا ان دنوں فوج کے لیے کھلی پھٹی ہے
جو چاہیں وہاں کرتے پھریں اس مدت میں کسی کی جان و مال کو امان نہیں چھوڑنا
جیسا کہ امام طبری نے بسند نقل کیا ہے

فقتل جماعة صبرا منهم
معقل بن سنان و محمد
بن ابی الجہم بن حذیفہ
ویزید بن عبد اللہ بن زمرہ
ربایع الباقین علی
انہم خول یزید۔

اس مسلم نے ایک جماعت کو زندہ
گرفتار کر کے قتل کر دیا جس میں
حضرت معقل بن سنان، محمد بن ابی
الجہم بن حذیفہ اور یزید بن عبد اللہ
بن زمرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی
تھے اور باقی لوگوں سے اس شرط
پر بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں
اور حافظ ابو بکر ابن ابی خلیثمہ بسند صحیح جویریہ بن اسحاق سے نقل ہیں۔
اور جن کو قتل ہونا تھا وہ قتل کر
دیئے گئے تو مسلم نے لوگوں سے

و قتل من قتل ربایع
مسلم الناس علی

انہم حول لیزید بحکم
فی دمائہم واموالہم و
اہلہم بماشاء۔

اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے
غلام ہیں ان کی جان و مال بیوی بچوں
کے بارے میں یزید جو چاہے حکم کرے

اور امام طبرانی نے اپنی معجم میں بطریق محمد بن سعید بن رمانہ اس بیعت
کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

فلما کان من خلد فہم
عینہ ما کان فوجہ
فاباحھا ثلاثاً ثم
دعاهم الی بیعة یزید
وانہم اعد بد لہ قن
فی طاعة الله ومعیتہ

پھر جب اہل مدینہ سے یزید کی جو
مخالفت ظاہر ہوئی تھی ظاہر ہوئی
تو یزید نے مسلم کو ان کی طرف بھیجا
اس نے آ کر تین دن تک مدینہ
کو حلال کر دیا کہ فوج کے لیے
اہل ایمان مدینہ پر ہر قسم کے ظلم و ستم
کی کھلی پھٹی تھی پھر لوگوں کو یزید کی
بیعت کے لیے اس شرط پر دعوت
دی کہ وہ یزید کے زرخیز غلام ہیں
اور اللہ کی اطاعت ہو یا معصیت
دونوں صورتوں میں اس کا حکم
بجالاتا ضروری ہے۔

اور امام طبرانی ہی نے حضرت عروہ بن زبیر سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ
پس یزید نے مسلم بن عقیلہ کو شامی
فوجوں کے ساتھ روانہ کیا اور اس
کو یہ حکم دیا کہ پہلے اہل مدینہ سے

فوجہ یزید مسلم بن
عقبتہ فی جیش اہل
الشام وامرہ ان یبدأ

بقتال اهل المدينة
ثم يسير الى ابن الزبير
بمكة. قال فدخل
مسلم بن عقبة المدينة
وبها بقايا من الصحابة
فاسروا في القتل
ثم سارا الى مكة
نمات في بعض
الطريق - ٤

قتال کرنا پھر حضرت ابن زبیر رضی
اللہ تعالیٰ عنہما سے لڑنے کے لیے
مغفلہ کا رخ کرنا۔ عروہ کا بیان ہے
کہ مسلم بن عقبہ جب مدینہ خلیفہ بن
داخل ہوا تو وہاں بقیہ صحابہ کی ایک
جماعت موجود تھی اس امر دور
نے نہایت بے دردی سے ان کا
قتل عام کیا اور پھر مکہ مغفلہ کی طرف
چل پڑا مگر راہ ہی میں اس کو پیک
اجل نے آیا،

یاد رہے کہ یہی مسلم بن عقبہ ہے جس کو تاریخ میں اس کے ظلم و ستم کی وجہ
سے "مسرف" یا "مجرم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے علامہ یاقوت حموی نے
معجم البلدان میں حسره واقف کے تحت لکھا ہے کہ فتنہ حرہ میں لشکر شام
کے ملاحقوں

"مروانی میں سے ساڑھے تین ہزار، انصار میں سے چودہ سو اور
بعض سترہ سو بتاتے ہیں اور قریش میں سے تیرہ سو حضرات تین
کہے گئے۔ یزیدی لشکر نے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر لوگوں
کے اموال لوٹے، اور ان کی اولاد کو اسیر بنایا"

اور بھدرات عصمت کی جو عصمت دری ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے قلم
بھی شرماتا ہے۔

حرم کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری | پھر یزید کی ہدایت کے بموجب اس لشکر

نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر حرم الہی کا محاصرہ کر لیا، مجرم خلیفہ تو دستبرہمی میں مر گیا تھا اور اس کی وصیت کے مطابق حصین بن نمیر سکونی نے لشکر کی کمان سنبھال لی تھی چنانچہ اسی کی دیر کمان منجلیق سے خانہ کعبہ پر گولہ باری کی گئی، مجرم نے ذی الحجہ ۶۳ھ میں مدینہ میں داخل ہو کر اس کو تباہ و تاراج کیا تھا۔ حصین بن نمیر نے صفر ۶۴ھ میں کعبہ شریف پر گولہ باری کی جس سے خانہ کعبہ کے پردے جل گئے اور پھٹت میں آگ لگ گئی اور حضرت اسماعیل علیہ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دہ کے وہ دونوں سنگ بھی جل کر خاکستر ہو گئے جو اب تک خانہ کعبہ میں محفوظ چلے آ رہے تھے یہ اسی دہ کے سنگ تھے جو آپ کی قربانی کے فدیہ میں جنت سے لایا گیا تھا اس کے بعد پھر حق تعالیٰ کی طرف سے یزید کو مزید مہلت نہ ملی اور وہ بھی اسی واقعہ کے کچھ دن بعد اسی سال ۱۵ ربیع الاول کو مر گیا۔

یزید کا انجام بد | امام بخاری نے الجامع الصحیح میں باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں باب اثم من کاد اهل

المدینۃ یعنی جو شخص اہل مدینہ پر داؤ لگائے اس کے گناہ کا بیان، اور پھر اس کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

یہ یعقوب بن سفیان نسوی نے واقعہ حرہ کی تاریخ ذی قعدہ ۶۳ھ ہجری بیان کی ہے (فتح الباری) ۸۷۰ تاریخ الخلفاء از امام سیوطی، تذکرہ یزید بن معاویہ۔

لا یکید اهل المدينة
احد الا انما عکما
یمناع الملح فی الماء

جو شخص بھی اہل مدینہ پر داؤ بٹلا
گا وہ اسی طرح گھل جائے گا
طرح کہ نمک پانی میں گھل جاتا ہے

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص و ابی ہریرہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہما یہ الفاظ آتے ہیں :

من اراد اهل المدينة
بسوء اذا به الله كما
یذوب الملح فی الماء
(باب تحريم ارادة اهل المدينة بسوء وان
من ارادهم به اذا به الله)

جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا
ارادہ کرے گا حق تعالیٰ اس کو اسی
طرح پگھلا کر رکھ دے گا جس طرح کہ
نمک پانی میں پگھل جایا کرتا ہے

محدث قاضی عیاض اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں
کما انقضی شان من
حاربها یا ہربنی امیہ
مثل مسلم بن عقبہ
فانه هلك في منصرفه
عنہا ثم هلك یزید
بن معاویہ مرسلہ علی
اثر ذلک -

جس طرح کہ ان لوگوں کی شان (و
شوکت) ختم ہو کر رہ گئی جنہوں نے
بنو امیہ کے عہد حکومت میں اہل
مدینہ سے جنگ کی تھی جیسے مسلم بن
عقبہ کہ وہ اسی جنگ سے پلتے ہی
ہلاک ہو گیا اور پھر اسی طرح اس
مہم پر اس کو بھیجنے والا یزید بن
معاویہ بھی اس کے پیچھے پیچھے موت
کے منہ میں چلا گیا -

شرح صحیح مسلم از امام نووی

ج ۱ - ص ۲۲۱

اور امام نسائی نے حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مرفوعاً روایت کیا ہے۔

من أخاف أهل المدينة
ظالمًا لهم أخافه
الله وكنات عليه
لعنة الله

جو ظالم اہل مدینہ کو خوف میں مبتلا
کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر خوف
کو مسلط کر دے گا اور اس پر اللہ
تعالیٰ کی لعنت ہوگی

صحیح ابن حبان میں بھی بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ
عندہ اسی مضمون کی روایت آتی ہے۔

خود فیصلہ کیجئے | ہم نے نیز پیرپیدا اور اس کے عمال بد اعمال کے اعمال
بد کے سلسلہ میں "صحیح بخاری" کی احادیث میں

جو کچھ آیا ہے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے اب ان احادیث کی روشنی
میں آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اس کے جتنی ہونے کی شہادت دینا ضروری ہے
یا اس کے اعمال بد پر نظر بن کر نا، واقعی اگر وہ غزوہ قسطنطنیہ میں شہید
ہو جاتا تو یہ اس کی بڑی سعادت ہوتی، لیکن اس کی قسمت میں تو یہ شقاوت لکھی
تھی کہ وہ اپنی زندگی کے دن اس وقت تک پورے نہ کرے جب تک کہ اس
کے ہاتھوں حریم بخترین زلہ ہما اللہ شرفاً و تعظیماً کی حرمت پامال نہ ہو، صحابہ
کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توہین اور ان کا قتل عام نہ ہو اور عترت
پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون سے اس کے ہاتھ رنگین نہ ہوں سوچیے
اور خوب سوچیے کہ اس کا آخری انجام اگر لعنتی کا مہل پر ہوا تو وہ لعنت
کا مستحق مہرے گا یا جنت کا حقدار؟

امام سیوطی اور علامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنا

اسی لیے امام جلال الدین سیوطی جیسے
مختلط بزرگ کے قلم سے تنازع اختلاف
میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

شہادت کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں:

لعن اللہ قاتلہ و ابن

نریادہ معہ و یزید ایضاً

اص ۷۰۷

اللہ تعالیٰ قاتل حسین پر لعنت کرے
اور اسی کے ساتھ ابن زیاد اور یزید
پر بھی۔

اور علامہ ربانی علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفیہ میں لکھتے ہیں۔

اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر یزید کا راہنی

ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہل

بیت نبوی کی امانت کرنا، ان تمام

امور کی تفصیلات کو بطریق احاد

مروی ہوں لیکن معنی کے لحاظ سے

متواتر ہیں، اس لیے ہمیں تو اس کے

بارے میں کیا، اس کے ایمان کے

بارے میں بھی کوئی تردد نہیں، اللہ

تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس

سلسلے میں اس کے احوال و انصار

پر بھی۔

والحق ان سرفضا یزید بقتل

الحسین واستبشارہ بزندہ

دہانتہ اهل بیت النبی

علیہ السلام مما قوا تر

معناه وان كان تفاصیلها

أحاد فمخن لا فتوقف فی

شأنه بل فی ایمانه لعنة

اللہ علیہ وعلی انصارہ

واعوانہ۔

اص ۱۴۷ طبع مصر

ناصبیوں کا یہ عقیدہ کہ خلفاء حسابِ عذاب سے بری ہیں

اصل بات یہ ہے کہ جس طرح رائی
اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں اسی
طرح یہ ناصبی بھی اپنے خلفاء کے بارے

میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ روز قیامت حساب و کتاب سے بری ہیں ان پر
کوئی عذاب نہیں ہوگا، چنانچہ مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی نے
دول الاسلام میں اموی خلیفہ یزید بن عبد الملک بن مروان کے تذکرہ میں لکھا
ہے کہ جب یہ متولی خلافت ہوا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ عمر بن عبد العزیز
کی سیرت پر چلنا چاہیے اس پر چالیس شیوخ مملکت نے اس کے سامنے
آکر یہ شہادت دی کہ:

ان الخلفاء لا حساب علیہم
ولا عذاب لہ

حافظ ذہبی کا بیان ہے:

وطائفة من الجہال الثامین
يعتقدون ذالك

شام کے باہلوں کی ایک جماعت
کا یہی اعتقاد ہے

یزید بن عبد الملک کے بڑے بھائی ولید بن عبد الملک کا بھی یہی عقیدہ تھا
چنانچہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابراہیم بن ابی زر عسے روایت کیا ہے
کہ ولید نے ان سے دریافت کیا
ایحاسب الخليفة؟
کیا خلیفہ سے بھی قیامت کے دن

حساب لیا جائے گا۔

ابراہیم نے جواب دیا امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم
مکرم ہیں یا حضرت داؤد (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ نے
کو نبوت و خلافت و ولوں عطا فرمانے کے بعد یہ وعید سنائی ہے کہ
بَا صَاحِبِ الْاَرْضَيْنِ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً
فِي الْاَرْضَيْنِ فَ تَحَاطَّرْ بِآيَاتِ
النَّاسِ يَا نَحْنُ وَلَا تَتَّبِعِ
الْهَادِيَ فَذُكِّرْ عَمَّا
سَبَّحَ اللّٰهُ اِنَّ الْاَذْيُ
يَسْتَوْنَ تَدَى سَبَّحَ اللّٰهُ
لَهُمْ عَذَابٌ مُّذِبٌ لَّوْكَ
نَسْرًا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝
رَبِّكَ سُوْرَةُ صٰحِبِ

اے داؤد ہم نے تجھ کو ملک میں خلیفہ
کیا، مومن لوگوں میں انصاف سے
حکومت کر اور اپنی جہی کی خواہش
پر نہ چل کر وہ بچہ کو اللہ کی راہ سے
مٹا دے، جو لوگ اللہ کی راہ سے
بھٹ جاتے ہیں ان کے یہ سچے
عذاب ہیں۔ اس بنا پر کہ انہوں نے
حساب کا دن بھلا دیا۔

اور خود یزید بھی جیسا کہ مانتا ان کثیر کی تصریح سابق میں گزری ہوگی
مرجیہ کا عقیدہ رکھتا تھا اس لیے اس کا بھی یہی عقیدہ ہوگا۔
موجودہ ایسی جو ردائیں کی عقیدہ میں اپنے منہ پر تقیہ کی نقاب ڈال کر
اہل سنت بنے ہوئے ہیں اور مساجد میں ان کی امامت و خطابت کے لئے
سرانجام دے رہے ہیں چونکہ اپنے بزرگوں کے اس عقیدہ کا برملا اظہار نہیں
کر سکتے، اس لیے وہ طرح طرح کی ابلہ نریبیوں کے ذریعے اپنے فرعونہ
امام برحق اور خلیفہ راشد سیدنا یزید کے جلتی ہونے کی خود بھی شہادت
دیتے ہیں اور دوسروں سے بھی شہادت دلوانا چاہتے ہیں لیکن کون

جس کو حق تعالیٰ نے عقل سلیم عطا کی ہے ان کے فریب میں آکر جس طرح حضرت
 عشرہ مبشرہ اور سادات فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنتی مانتا
 ہے یزید کو کیسے جنتی کہہ سکتا ہے، پس پوچھئے تو اس بارے میں نا صبی
 رافضیوں سے بھی یہ بارہ کھوٹے نکالے کہونکہ یہ تو برباد جیسے فاسق و فاجر اور سفاک
 و ظالم کو اپنا امام اور خلیفہ برحق مانتے اور اس کے جنتی ہونے کا عقیدہ رکھتے
 ہیں اور رافضی جن بارہ حضرات کو امام معصومہ کہتے ہیں وہ تو سب اولیاء کبار
 اور اخبار امت ہیں، اہل سنت کے نزدیک نہ رافضیوں کا غلو اپنے
 امام کے بارے میں صحیح ہے اور نہ نا صبیوں کا۔ دونوں صراط مستقیم سے ہٹ
 گئے ہیں، نہ ائمہ اثنا عشر معصوم ہیں نہ یزید کا شمار بھلے آدمیوں میں ہے۔
 اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک ہدایت دے۔ آمین۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

دوسرا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام نے یزید سے بیعت خلافت کی اور اس پر قائم رہے اگر یزید کا ایفا حق و فاجر اور شرابی وزانی اور دشمن دین ہوتا تو یہ حضرات اس کے ہاتھ پر سرگزشت نہ فرماتے اور اگر یہ بات نہ مانی جائے تو ان صحابہ پر کفر و فسق نوازی اور بددیانتی کی سرپرستی و تعاون کا بڑا بھاری الزام آئے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت یزید کی بیعت کی گئی، وہ کافر تھا اور نہ اس کے فسق کی اتنی شہرت تھی کہ سب کو اس کا حال معلوم ہوتا، ہر ایک جماعت صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ سلطان اگر عدل کرے تو رعیت کو شکر گزار ہونا چاہیے اور ظلم کرے تو رعیت کو صبر سے کام لینا چاہیے۔ کہ تو اسے مکر لینا آسان کام نہیں اس میں سخت خمیر نری ہوتی ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اقتدار کی منتقلی میں کامیابی نہ ہو اور مزید ظلم و تشدد برپا ہو جائے تو شمس الائمہ شرعی شرح سیر کبیر میں فرماتے ہیں:-

وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالُوا: إِذَا

عَدَلَ السُّلْطَانُ فَعَلَى

الرَّعِيَّةِ الشُّكْرُ وَاللِّسْلُطَانُ

فَالْجَبْرُ وَإِذَا جَارَ فَعَلَى

الرَّعِيَّةِ الصَّبْرُ وَعَلَى

اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آپ:-

جماعت سے منقول ہے کہ انوں نے

فرمایا جب سلطان عدل کرے تو رعیت

کو شکر کرنا چاہیے اور سلطان کا اس

کا جبر ملے گا۔ اور اگر عدل نہ کرے

تو رعیت صبر کرے اور سلطان پر اس

ساتھ نہ دیا جائے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہدایت فرمائی تھی وہ جامع ترمذی اور سنن نسائی میں بایں الفاظ

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عَجْزَةَ قَالَ
قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اعْيِذْكَ بِاللَّهِ
مِنْ امَارَةِ السُّفَرَاءِ
قَالَ وَمَا ذَٰلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
قَالَ امْرَأٌ مِنْ بَنِي كَعْبٍ
مِنْ بَعْدِي مِنْ دَخَلَ
عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ
بِكُذْبِهِمْ وَاعْتَمَدَهُمْ عَلَى
ظُلْمِهِمْ فَلْيَسُوا مِنِّي
وَلَسْتُ مِنْهُمْ وَلَنْ يَرُدُّوا
عَلَى الْحَوْضِ وَمَنْ لَمْ
يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ
يَصْدَقْهُمْ بِكُذْبِهِمْ
وَلَمْ يَعْنِهِمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ
فَاُولَٰئِكَ مِنِّي وَاَنَا مِنْهُمْ
وَإِذَا لُكِّثَ يَرُدُّونَ عَلَى الْحَوْضِ
سَوَاءٌ التَّوَمَذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل ثانی ص ۲۴۲)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے
سفہار سے تجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں
دیتا ہوں۔ حضرت کعب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ امارت
سفہار کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا
کچھ امراء میرے بعد عتق فرما دیں گے
ان کے دربار میں جا کر
ان کے جھوٹ کو سچ بنایا اور ان
کے ظلم میں ان کی اعانت کی۔ ان
کا تعلق مجھ سے ہے اور نہ میرا تعلق
ان سے، اور نہ وہ کبھی حوض کوثر
پر میرے پاس آئیں گے۔ اگر جو ان
کے دربار میں داخل رہا اور ان
کے کذب کی اس نے تصدیق کی اور
ان کے ظلم میں ان کی اعانت کی،
سو وہ لوگ میرے ہیں اور میں ان

ان کا ہوں اور میری لوگ ہیں جو جو حق
کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا حضرت کعب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے حق میں مقبول ہوئی چنانچہ ان کا انتقال یزید کی امارت سے پہلے ہی
شہید کے بعد ہو گیا تھا اور سنن ابی داؤد میں

عن بنی ہریرۃ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم الجہاد واجب علیکم
مع کل امیر بڑا کان او

فاجر وان عمل الکبائر
والصلوۃ واجبۃ

علیکم خلف کل
مسلم بڑا کان او فاجرًا

وان عمل الکبائر، والصلوۃ
واجبۃ علی کل مسلم

بڑا کان او فاجرًا وان عمل
الکبائر۔ رواہ ابوداؤد اور مشکوٰۃ۔

ج ۱۔ ص ۱۰۰۔ باب الامامۃ فصل ثانی،

حضرت ابوسہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد تم
پر ہر امیر کی معیت میں واجب ہے

خواہ وہ نیک ہو یا بد، اور خواہ تم تک
کہا سُر ہی کیوں نہ ہو اور نماز بھی تم

پر ہر مسلمان (امیر) کے پیچھے پڑھنا
واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد

اور کہا سُر ہی کا مرتکب کیوں نہ ہو
جب بھی، اور ہر مسلمان پر نماز کا

پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نیک
ہو یا بد اور خواہ کہا سُر میں مبتلا ہی

کیوں نہ ہو۔

یہ بالکل اسی طرح کا ہے
ہے جیسے کہ وافیض کہا

کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چونکہ صحابہ ناراض تھے اس

پیشہ افضیوں کے شبہ کی طرح ہے

یہ کسی صحابی نے بھی ان کی طرف سے کوئی دفاع نہ کیا بلکہ سب صحابہ مسجد ہوی میں اس شخص کے پیچھے کہ جو ان باغیوں کا سر غنہ تھا اور اس فتنہ میں جمعہ و جماعت کا امام بن گیا تھا " بڑے اہتمام سے نمازیں پڑھتے رہے حالانکہ اس کے پیچھے نماز کا ادا کرنا خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے بموجب تھا جو صحیح بخاری میں

وعن عبید اللہ بن عدی
بن النخیرا أنه دخل
على عثمان وهو محصور
فقال إنك امام عامة
دنزل بك ما نرى ويصلي
لنا امام فنته ونخرج
فقال الصلوة احسن
ما يعمل الناس فاذا
احسن الناس فاحسن
معهم واذا أساؤا
فاجتنب إساءاتهم -
رواه البخاری - (مشکوٰۃ
باب تعجیل الصلوة -

فصل ثالث ص ۶۲)

عبید اللہ بن عدی بن النخیرا سے
رجمن کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے قرابت بھی تھی (مروئی ہے کہ
انہوں نے جب حضرت عثمان رضی
اللہ تعالیٰ عنہ محصور تھے ان کی خدمت
میں جا کر عرض کیا آپ عامۃ المسلمین
کے امام ہیں اور اس وقت آپ کے
ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے آپ دیکھ
ہی رہے ہیں۔ اب فتنہ پردازوں کا
امام ہماری امامت کر رہا ہے جس
سے ہم دل تنگ ہیں، آپ نے ارشاد
فرمایا "نماز ان تمام اعمال میں سب
سے بہتر عمل ہے جو لوگ انجام دیتے
ہیں لہذا جب لوگ نیکی کا کام کریں
تم بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے میں
شریک ہو جاؤ اور حبیب ربانی کے

مترکب ہوں تو ان کی برائی سے بچتے
رہو ۛ

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا
حادثہ کر بلا "واقفہ حرہ" اور حصار
حرم مکہ "ان تعینوں معرکتہ ظلمہ
ستم میں کوئی صحابی شریک ہوا ہے،

تالعی شریک ہوا ہے یا اسکی بزم میں کبھی کسی بھلے مانس نے شرکت کی ہے جو
یزید کی فسق نوازی اور فجور و بددینی کی سرپرستی کا ان پر الزام عائد کیا جائے باقی
رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فرمانا کہ

انا قد بايعنا هذا الرجل
على بيع الله ورسوله۔
ہم نے اس شخص سے اللہ اور اس کے
رسول کے عہد پر بیعت کی ہے۔

تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ہم نے
اس سے بیعت کی ہے، لہذا ہم کسی امیر کی اطاعت میں جاذب شریعت سے
باہر نہیں ہوں گے۔ اس میں یزید کے تقویٰ اور طہارت کا بیان نہیں ہے کیونکہ
اس کے بارے میں تو ابھی ان کی تصریح گزر چکی ہے کہ
ان یکن نحیرا شکروفا ذلت
اگر وہ بھلا ہوا تو شکر کریں گے اور

سے جانیجو علامہ احمد قسطلانی نے ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری میں اس کے یہی معنی کہے ہیں۔
فدائے بیعت (على بيع الله ورسوله) ای علی شرط ما امرنا به
من بیعتہ الامام۔ یعنی جس شرط کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے بیعت
کی بیعت کا حکم دیا ہے اس کے مطابق۔

یکن بد و صبرنا ۔ بلا ہوا تو صبر کریں گے ۔

یہ بھی خیال رہے کہ کتاب و سنت پر بیعت کرنے کی پیشکش تو بعض حضرات نے جنگ حرہ کے موقع پر بھی کی تھی، پھر یزیدی لشکر کے سپہ سالار مجرم بن عقبہ نے اس پیشکش کی جس طرح پذیرائی کی اس کی تفصیل حافظ ابن حزم کے الفاظ میں آپ پڑھ چکے ہیں ۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ حضرات جب بھی موقع ملتا یزید اور اس کے کارندوں کے ظلم و ستم پر نیکیر کرنے سے چوکتے بھی نہیں تھے، چنانچہ پہلے شبہ کے جواب میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کے دور پر فتن کی کس طرح نشاندہی کی اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کی دلی عہدی کی بیعت لینے پر مروان کو برسر منبر کس طرح ٹوکا اور حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو اشقی کو حرم الہی پر فوج کشی سے کس طرح روکا اور حضرت مغفل بن بشار مزی نے کس حکمت سے عبید اللہ بن زیاد کو فہائش کی اور حضرت عبداللہ بن مغفل مزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس کو سرزنش کی اور حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس لطف سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی اور حضرت ابو بزرہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس پر اپنے غصے کا اظہار فرمایا۔ اب حسرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیانات پر میرے صمیم خیال ہیں ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کسی شخص نے یہ سوال کیا کہ اگر احرام کی حالت میں کوئی شخص مکھی کو مار ڈالے تو اس کے بارے میں کیا فتویٰ

سمعت عبید اللہ بن عمر
وسألف رجل عن المحرم
قال شعبة أحسبه يقتل
لذباب فقال أهلی

العراق يسألون عن
قتل الذباب وقد قتلوا
ابن بنت رسول الله صلى
الله عليه وسلم وقال النبي
صلى الله عليه وسلم هما
ريحانتي من الدنيا۔
ر صحيح بخاری ج ۱ ص ۵۲ مناقب الحسن
واحسين

ہے آپ نے فرمایا اہل عراق مکھی کے
قتل کرنے کے متعلق دریافت کر رہے
ہیں حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل
کر ڈالا جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا تھا کہ "حسن و حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہما میری دنیا کے دو پھول ہیں۔"

یاد رہے کہ یزید کا برادر عم زاد عبداللہ بن زیاد (اگر زیاد کو واقعی ابوسفیان
کا بیٹا تسلیم کیا جائے) یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ اسی کے حکم سے عمرو
بن سعد چار ہزار کا لشکر جرار لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے
لیے آیا تھا اور اسی عراقی لشکر نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا
تھا۔ ابن زیاد بد نہاد نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کے ساتھ
جو گستاخی کی تھی اس پر حضرت انس و حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے
جس طرح اس پر اظہار ناراضگی کیا تھا وہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔
اور حافظ ابن کثیر نے دارقطنی کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ
سے جو روایت اس سلسلے میں نقل کی ہے، وہ درج ذیل ہے۔

عن محمد و عبد الرحمن
ابن جابر بن عبد الله قال

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے دونوں بیٹوں محمد و عبد الرحمن

نخرجنا مع ابينا يوم
الحرّة وقت ذكف بصره
فقال تعس من اخاف
رسول الله صلى الله عليه
وسلم فقلنا يا اُبت وهل
احدٌ يخيف رسول الله
صلى الله عليه وسلم؟ فقال
رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول: من اخاف
اهل هذا الحي من الانصار
فقد اخاف ما بين هذين
ووضع يده على جنبه
البداية والنهاية -
(ج- ۸ ص ۲۲۳)

کا بیان ہے کہ حرّہ کے دن ہم اپنے
ابا کے ساتھ باہر نکلے اس وقت آپ
کی بیانی زائل ہو چکی تھی آپ نے فرمایا
”برباد ہو وہ شخص جس نے رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوف میں
مبتلا کیا“ ہم نے عرض کیا ابا جان!
کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کو ڈرا سکتا ہے، فرمایا: میں نے
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جس نے
اس قبیلہ انصار کو ڈرایا اس نے میرے
ان دونوں پہلوؤں کے درمیان جو چیز ہے
(یعنی قلب نبوی) اس کو ڈرایا ہے“
اور جس وقت آپ کی زبان مبارک
سے یہ ارشاد ہو رہا تھا آپ اپنے
دونوں پہلوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے
تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ان حضرات کی بیعت کے باوجود جن کا مستنقہ نے نار کیا
یزیدی لشکر نے حرّہ کی جنگ میں ان بزرگوں کے جگر کٹے کڑوؤں کو قتل کرنے
سے ذرا بھی دریغ نہیں کیا اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت ابن عباس اور
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت قطعاً نہیں کی

تھی، اور پھر جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا، تب بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سب سے اخیر میں بیعت کی تھی۔

غرض یزید کے دور حکومت میں یا تو صحابہ کرام اس سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں جیسے حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور وہ صحابہ جو جنگ حرہ میں اس کے خلاف لڑے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور یا پھر اس کو یا اس کے عمال کو ان کے ظلم و ستم پر روکتے ٹوکتے، جیسے (۱) حضرت عبداللہ بن عباس (۲) حضرت عبداللہ بن عمر (۳) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر (۴) حضرت جابر بن عبداللہ (۵) حضرت ابو شریح خزاعی (۶) حضرت معقل بن یسار مزی (۷) حضرت انس بن مالک (۸) حضرت زید بن ارقم (۹) حضرت عبداللہ بن معقل (۱۰) حضرت عامر بن عمرو (۱۱) حضرت ابو بزرہ اسلمی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کوئی صحابی ہمیں یزید کا ثنا خواں اور اس کی تعریف میں رطب اللسان نہیں ملتا اور نہ اس کی حمایت میں کسی معرکہ میں لڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

اور یہ ہوتا بھی کس طرح جب کہ یزید کے عہدِ نحوست مہد کا نقشہ انور کے اس شعر کے بالکل مطابق تھا

بر بزرگان زمانہ شدہ خردان سالار
بر کریمان جہان گشتہ لیمان مہتر

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

تیسرا شبہ جو تفتی کو پیش آیا ہے، یہ ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ نے نہ صرف یزید کی بیعت کی بلکہ اس پر عائد کردہ الزامات کی پرزور تردید بھی کی ہے۔ مستفتی نے اس سلسلہ میں البدایہ والنہایہ کا حوالہ دیا ہے۔
منتقی کا غلط حوالہ | منتقی ص ۲۸۱ سے نقل کیا ہے، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ منتقی حافظ دہلوی کی تصنیف ہے جن کی وفات ۱۲۸۷ھ میں ہوئی ہے اور البدایہ والنہایہ ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر کی۔ اور ان کا سنہ وفات ۷۴۴ھ ہے پھر لطف یہ ہے کہ منتقی میں خود اس کے خلاف صاف تصریح ہے کہ:

لَمْ نَعْبَقِدْ اَنْهُ مِنْ اَنْدَلُسٍ
 الرَّاشِدِينَ كَمَا قَالَ بَعْضُ
 الْجَهْلَةِ مِنَ الْمَكْرَدِ -

(ص ۲۷۹)

وَزَحْنُ نَقُولِ خِلَافَهُ
 النُّبُوَّةُ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ
 صَارَتْ مَمْلُوكَةً أُرْدُفَ

الْحَدِيثُ.....

یزید کان ملک وقتہ و صاحب
 السیف کا مثالیہ من

ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ یزید خلفاء
 راشدین میں سے تھا جیسا کہ بعض
 جاہل کردوں کا عقیدہ ہے۔

اور ہم تو اس کے قائل ہیں کہ حضرت
 نبوت تیس سال ہی رہی پھر بادشاہی
 ہو گئی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے

یزید بھی مروانیوں اور عباسیوں
 کی طرح اپنے وقت میں ایک صاحب

بادشاہ حافظ ذہبی، یزید کو قطعاً اچھا آدمی نہیں سمجھتے، اور وہ خود ان الزامات کو اپنی تصانیف میں اس پر عائد کرتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں ان کی تصریحات آگے موقع بہ موقع آ رہی ہیں۔

اور عاقلانہ بنیہ نے
منہاج السنہ میں جس
کا خلاصہ یہی منتقی ہے

اُمّہ مسلمین میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ
یزید عادل تھا اور اللہ کا مطیع۔

صاف لکھا ہے کہ:

وَكُذَالِكَ كَوْنُهُ عَادِلًا
فِي كُلِّ أُمُورٍ مَطِيعًا
لِلَّهِ فِي جَمِيعِ أَعْمَالِهِ لَيْسَ
هَذَا اعْتِقَادُ أَحَدٍ مِنْ
أُمَّةٍ الْمُسْلِمِينَ - وَكُذَالِكَ
وَجُوبُ طَاعَتِهِ فِي كُلِّ مَا
يَأْمُرُ بِهِ وَإِنْ كَانَ مَعْصِيَتُهُ
لِلَّهِ لَيْسَ هُوَ اعْتِقَادُ أَحَدٍ
مِنْ أُمَّةٍ الْمُسْلِمِينَ -

(منہاج السنہ - ج - ۲)

اور اسی طرح یزید کا تمام معاملات
میں عادل ہونا، اور اپنے تمام
افعال میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہونا یہ
بھی اُمّہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد
نہیں ہے، اور اسی طرح یہ بات
کہ یزید کی اطاعت اس کے حکم
میں واجب تھی خواہ معصیت الہی
کا ہی حکم کیوں نہ دے یہ بھی اُمّہ
مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں
ہے۔

ہاں منتفی کے محشی محب الدین خطیب نے (جو کہ پکا ناہی ہے) اس افسانہ کو البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس کی ترمذی محدث حرم محمد عزیزی تہانی نے افادۃ الاختیار سیرۃ الابرار میں بڑی تفصیل کی ہے۔

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ خود حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد

حافظ ابن کثیر کی تصریحات
یزید کے فسق کے بارے میں!

جگہ یزید کے فسق کی تصریح کی ہے۔ مثلاً:
(۱) ایک مقام پر امام طبرانی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

یزید اپنی نوعمری میں پینے پلانے کا شغل رکھتا تھا اور اس میں نوعمرانوں کی سی آزادی تھی۔

کان یزید فی حدائشہ
صاحب شراب یاخذ
ماخذ الاحداث

(ج- ۸ ص ۲۸۸)

(۲) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وکان فیہ ایضاً اقبال علی
الشہوات وترك بعض
الصلوات فی بعض الاوقات
وامانتہا فی غالب الاوقات
وقد قال الامام احمد حدثنا
ابو عید الرحمن ثنا
حیوة حدثنی بشیر بن عمرو
الخولانی ان الولید بن قیس

اور یزید میں یہ بات تھی کہ وہ خواہشات
نفسانی کا متوالا تھا اور بعض اوقات
بعض نمازیں بھی چھوڑ دیا کرتا تھا اور
اکثر اوقات پڑھتا تھا۔ چنانچہ امام
احمد بن حنبلؒ حضرت ابو سعید خدریؒ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے
ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ساٹھ سال کے بعد اللہ

ہوں گے جو نمازیں چھوڑیں گے، اپنی
خواہشات کی پیروی کریں گے اور
عنقریب غنیٰ ہیں (جو کہ جہنم کی
بدترین داری ہے) داخل ہوں گے

حدثہ انہ سمع
ابا سعید الخدری يقول
سمعت رسول الله صلى
الله عليه وسلم يقول:
يكون خلف من بعد اثنين
سنة اَصَاغُوا الصَّلَاةَ
وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ
يَلْقَوْنَ غَيًّا - (الحديث)

رج ۸ - ص ۲۳۰

(۳) اور پھر وہ حدیثیں ذکر کر کے جن میں یزید کی مذمت وارو ہے (ص ۲۳۲)
پر ایہ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں یزید بن معاویہ پر
اس کی بدکرداری کے سلسلے میں سب
سے زیادہ جو الزام عائد کیا گیا وہ
مے نوشی اور بعض فواحش کے ارتکاب
کا ہے۔

قلت: یزید بن معاویہ
اکثر ما نقم علیه في
عمله شرب الخمر وابتیان
بعض الفواحش -

یاد رہے یہ سب الزامات وہ ہیں جو صحابہ نے اس پر عائد کئے تھے
حافظ ابن کثیر نے ان الزامات سے یزید کی کہیں برأت نہیں کی ہے اب
ظاہر ہے کہ جب حافظ ابن کثیر خود محمد بن حنفیہ کی اس روایت پر اعتماد نہیں
کرتے اور جابجا اس کے خلاف اپنے فیصلے صادر کرتے جاتے ہیں تو پھر
ابن الحنفیہ کی نسبت اس قول کی صحت معلوم۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجن سے محمد بن حنفیہ کا یہ مکالمہ برأت یزید کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے (دونوں صحابی ہیں اب اگر یہ مکالمہ صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان دونوں صحابیوں نے نو یزید پر جھوٹی تهمت جوڑی اور ابن حنفیہ جو کہ صحابی نہیں ہیں ان کی بات سچی نکلی یہ بات مستغنی کا ذہن تو قبول کر سکتا ہے لیکن عام مسلمان کا نہیں۔

اس افسانہ کا ذکر دوسری کتابوں میں نہیں | پھر یہ بھی واضح رہے کہ اس افسانے

کا ذکر صرف تاریخ ابن کثیر میں ملتا ہے اور انہوں نے بھی اس کی کوئی سند بیان نہیں کی کہ اس پر کوئی علمی بحث کی جاسکے اس افسانہ کو نہ امام ابن جریر طبری نے ذکر کیا ہے نہ حافظ ابن الاثیر جزیری نے اور نہ کسی اور معتبر مورخ نے۔ لہذا پہلے محمد بن حنفیہ سے اس مکالمہ کو بسند صحیح ثابت کیا جائے۔ پھر شبہ ظاہر کیا جائے اور بالضرر اس افسانہ کو صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی یزید کے بارے میں ابن حنفیہ کی تعدیل و دستاویز تلاش، تابعین کبار کی جرح کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی، صحابہ کی جرح کا تو کیا ذکر ہے کیونکہ اصول حدیث کا متفقہ قاعدہ ہے کہ: "جرح تعدیل پر مقدم ہے" پھر صحابہ کی جرح کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کی تعدیل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

من رجال کا متفقہ فیصلہ یزید اس کا اہل نہیں | یاد رہے تاریخ و من رجال کی تمام کتابوں

کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یزید کی عدالت مجروح و مقدوح ہے اور وہ اس کا اہل

نہیں کہ اس کی کوئی روایت قبول کی جائے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تقریب
التنزیہ میں فرماتے ہیں۔

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی
سفیان الاموی ابو خالد
ولی الخلافة سنة ستين
ومات سنة اربع وستين
ولم يكمل الامر بعين
ليس بأهل أن يروى عنه

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی
ابو خالدؒ شہ ہجری میں متولی خلافت
ہوا۔ اور ۶۴۷ھ ہجری میں مر گیا،
پورے چالیس سال کا بھی نہ ہو سکا
یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے کوئی
حدیث روایت کی جائے۔

اب ظاہر ہے کہ محمد بن حنفیہ کی طرف اگر اس قول کا انتساب صحیح ہوتا یا کسی
بھی صحابی و تابعی سے یزید کی ثنا و صفت منقول ہوتی اور وہ محدثین وائمہ رجال کے نزدیک
عادل ہوتا تو فن رجال کا یہ فیصلہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا جو حافظ ابن حجر عسقلانی
نے نقل کیا ہے۔

پوتھاشبہ اور اس کا جواب

پوتھاشبہ مستنق کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کی خبر ملی تو یزید کو ان کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا اور اس کی بیعت و اطاعت کا حکم دیا۔

اغانی کی روایت میں یہ بات مذکور نہیں | اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کافس تو اتر سے

ثابت ہے اس لیے اس کے صراح ہونے کا ذکر اگر کسی روایت میں آئے تو وہ روایت شاذ و قابل قبول ہوگی، علامہ ابوالفرج اصفہانی نے "الاغانی" میں اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی ہے وہ یہ ہے۔

ان ابن عباس آتاه نعی
معاویۃ رولایۃ یزید رھو
یعیشی أصحابہ دیا کل
معمود قد رفیع الی فیہ
لقتہ فلقاھا وأطرفت
ہنیہتہ ثم قال جبل
تدکدک ثم ماں جمیعہ
فی البحر واشتدت علیہ
البحر لہ در ابن ہند
ماکان اجمل وجہہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر مرگ اور یزید کے حاکم بننے کی اطلاع پہنچی ہے تو وہ اپنے اصحاب کو شام کا کھانا کھلا رہے تھے اور خود بھی ان کے ساتھ کھا رہے تھے۔
اس وقت آپ اپنے منہ میں لقمہ ٹٹلے ہی والے تھے کہ آپ نے لقمہ رکھ دیا اور تھوڑی دیر تک سر جھکا کر رہے پھر

واکرم خلقه واعظم حله
فقطع عیبه الکلام رحل
وقال اتقول هذا فیہ
فقال وبعثک انک
لا تدری من مضمی
عذک ومن بقی عیدک
وستعلم ثم قطع الکلام
(ج ۱۶ ص ۳۷ طبع دار الفکر
بیروت)

رہمانے لگے کہ ایک پہاڑ تھا جو ریزہ
ریزہ ہو کر سارے کا سارا سمندر میں
چلا گیا اور اس کے کئی سمندر بن گئے
ابن ہند (معاویہ) کے کیا کہنے، اس
کا چہرہ کتنا پیارا، اس کا اخلاق کتنا
عمدہ اور اس کا علم کتنا زیادہ تھا اس
پر ایک شخص ان کی بات کاٹ کر
کہنے لگا آپ بھی ان کے بارے
میں ایسا کہتے ہیں، فرمایا تجھ پر فسون
ہے تجھے پتہ ہی نہیں کہ تجھے پتہ کر
کون چلا گیا اور تجھ پر سحط ہونے کے
لیے کون بالی رہ گیا سو اب تجھے علوم پہنچا
آئندہ اس سے غلو نہ کر دہی۔

اور مستفتی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو کچھ نقل کیا ہے
اس کے لیے دو کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ایک ازہرہ داسیاسہ کا
بلاذری کا۔

الامامہ والسیاسہ قابل استناد نہیں | الامامہ داسیاسہ

سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس موقع پر جو رائے ظاہر کی ہے آئندہ ہونے والے
واقعات نے اس کی تصدیق کی چنانچہ تقریباً چودہ پندرہ سال تک پھر اموی حکومت کو استقامت
نصیب نہیں ہو سکا اور اسلامی دنیا اس عرصہ میں خانہ جنگی میں مبتلا رہی۔

قابل استناد کتاب نہیں، معلوم نہیں اس کا مصنف کون ہے۔ مشہور ادیب ابن قتیبہ کی طرف اس کی نسبت جعلی ہے۔

بلاذری کی سند صحیح نہیں

ربلاذری تو اس کی سند میں صحت معلوم نہیں ہوتی ایسی روایت ہر حال میں مردود ہے اور اگر کسی کو اس کی صحت پر اصرار ہو تو سند پیش کر کے اس کی صحت کا ثبوت دے۔ خود مورخ بلاذری کی انساب الاشراف میں یزید کا تذکرہ اس کے فتن و فحور کے ذکر سے پر ہے تاہم اس میں بعض ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جن کی اہمیت کے پیش نظر یہودیوں نے سنہ ۱۹۲۰ء میں یروشلم سے اس کتاب کو شائع کیا تھا اور انہی یہودیوں کی اتباع میں محمود احمد عباسی جیسے طہدین نے مسلمانوں میں انتشار فکر پیدا کرنے کے لیے اس قسم کی روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے۔

بالقرض یہ روایت صحیح ہو تو حضرت ابن عباس کی آخری رائے کا اعتبار ہوگا

اور بالقرض
مقطوئی کے
لیے مان بھی

لیا جائے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کے بارے میں یہی اظہار خیال فرمایا تھا جو اس روایت میں مذکور ہے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ یزید کا فتن ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا اور اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی زندہ تھے اور وہ سب کے سامنے نیک بنا رہتا تھا اس لیے ممکن ہے نظر بظاہر آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد اس کے بارے میں ایسا اظہار خیال فرمایا ہو۔ بعد کو جب اس کا فتن عالم آشکارا ہوا

اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منطوقانہ شہادت نے اس کے ظلم و عدل پر مہر تصدیق ثبت کر دی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خود یزید کو مخاطب کر کے جو کچھ فرمایا۔ اہل اعتبار اس کا ہوگا۔

یزید اور حضرت ابن عباس کی خط و کتابت | چنانچہ یزید کے نام حضرت ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خط و کتابت جو کتب تواتر میں درج ہے وہ دیکھی جائے اس سے سب حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نظروں میں یزید کا کتنا احترام تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی تھی لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا اس انکار سے یزید یہ سمجھا کہ چونکہ یہ میری بیعت میں داخل ہیں اس لیے انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیعت سے انکار کیا ہے اس بات سے خوش ہو کر اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جو خط لکھا ہے وہ یہ ہے۔

یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام |

اما بعد: مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملحد

ابن الزبیر نے آپ کو اپنی بیعت

کے لیے کہا تھا اور آپ ہماری فساد

میں ہماری بیعت پرستقیم ہیں

اما بعد: فقد بلغني ان الملاحدين

الزبير دهاك الى بيعته وانك

لغتصمت ببيعتنا وفاد

هناك لنا فجزاك الله من

ذی رحم خیر ما یجزی
 المرء احسین لا یرحمهم
 المرء ضین بعہو دہم
 فیما انشی من الاشیاء
 فلیست بناس برک
 وتعجیل صلتک بالذی
 انت لد اہل فانظر من
 طلع عبدک من الآفان
 ممن سحرہم ابن
 الزبیر بلسانہ فاعلمہم
 بحالہ فاذہم مذک
 اسد مع الناس ولک
 اطوع مذہم للمحل
 الکامل ابن اثیر ج ۴ ص ۵۰

اللہ تعالیٰ آپ جیسے رشتہ دار کو بہتر
 سے بہتر جزا دے خیر عطا فرمائے جو وہ
 ان حضرات کو عطا کرتا ہے کہ جو صلہ
 رجمی کرتے ہیں اور اپنے عہد پر قائم
 رہتے ہیں سواب میں کچھ بھی ہو
 پر آپ کے اس احسان کو نہیں
 بھولوں گا اور آپ کی خدمت میں فوراً
 ایسے صلے کی روانگی جو آپ
 کے شایان شان ہو اب اب برا
 اتنا خیال اور رکھیں کہ جو بھی بیرونی
 آدمی آپ کی خدمت میں آئے اور
 ابن زبیر نے اپنی جادو بیانی سے
 اسے متاثر کر لیا ہو تو آپ ابن زبیر
 کے حال سے اسے آگاہ فرمادیں
 کیونکہ اس حرم کعبہ کی حرمت کے
 صلے کرنے والے کی نسبت لوگ آپ
 کی نسبت وہ سنتے ورنہ یاد دلاتے ہیں

ابن زبیر مراد ہیں کہ بڑی کی معصیت نہ کرنے کے
 سبب یزید خاک بدین گستاخ ان کو ملے اور حرمت کعبہ کو ختم کرنے
 والا کما تھا

حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ یزید کے نام

یزید کے اس خط کے جواب میں
حضرت ابن عباس رضی
اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو

جو سرزنش نامہ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے:

اما بعد: فقد جاء رخي

كتابك، فأما ترك

بيعة ابن الزبير فوالله

ما أرحو بذاك ترك

ولا حمدك ولكن الله

بالذي أنصرت علي

ومرمتك لست

بناس بري فاحبس

ايها الانسان برئ غني

فاني حابس عنك

بري وسالت ان احبب

الناس اليك والبغضهم

واخذ لهم لابن الزبير

فلا ولا سرور ولا كرامة

كيف قتلت حسينا

ونتيان عبد المطلب

مصايح الهدى

اما بعد: تمہارا خط مجھے ملا میں نے

جو ابن زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ

اس سلسلہ میں میں تم سے حسن

سلوک اور تمہاری ثنا و صفت کا خواہاں

نہیں، بلکہ جس نیت سے میں نے کیا

کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خواہ جانتا ہے

اور تمہیں جو یہ زعم ہے کہ میرے حسن

سلوک کو فراموش نہ کرو گے تو اسے

انسان اپنے اس حسن سلوک کو اپنے

پاس اٹھا رکھ کیونکہ میں اپنے حسن

سلوک کو تم سے اٹھا رکھوں گا اور

تم نے جو مجھ سے درخواست کی ہے

کہ میں لوگوں کے دلوں میں تمہاری

محبت پیدا کروں اور ابن زبیر سے

ان کو نفرت دلاؤں اور ان کو بے

یار و مددگار چھوڑنے پر آمادہ کروں

سو ایسا بالکل نہیں ہو سکتا، تمہاری

و نجوم الا علام غادر تھو
 حیولک بامرک فی سعید
 واحد مرملین بالدماء
 مملوین بالعراء مقتولین
 بالظما، لا مکفنین و لا
 موسدین تسفی علیہم
 الریاح وتنتابہم عوج
 الضباع حتی اتاح اللہ
 بقوم لم یشرکوا
 فی دمائہم کفنوہم
 واجنوہم و بری بہم
 فقرزت و جلست
 مجلسک الذی
 جلست فما أنسی
 من الاشیاء فلست بناہی
 اطرادک حسینا من
 حرم رسول اللہ صلی اللہ

خوشی ہمیں منظور ہے، اور نہ تمہارا
 اعزاز، اور یہ ہو بھی کس طرح سکتا
 ہے حالاں کہ تم نے حسین کو اور ان
 جوانانِ عہدِ المطلب کو قتل کیا
 جو ہدایت کے چراغ اور ناموول
 میں ستارے تھے، تمہارے سواروں
 نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو
 آغشتہ بخون ایک کھلے میدان میں
 اس حال میں ڈال دیا تھا کہ ان کے
 بدن پر جو کچھ تھا وہ چھینا جا چکا تھا،
 پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا
 گیا اور بغیر کفن بے سہارا پڑا رہنے
 دیا گیا، ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں
 اور بھوسے بھو باری باری سے ان کی
 لاشوں پر آتے جاتے رہے تاکہ حق
 تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی قوم کو بھیجا
 جن کے ہاتھ ان کے خون سے رنگیں

لے یاد رہے الکامل لابن الاثیر کے مہجوع نسخہ میں یہاں "موسدین" کی بجائے
 "موسدین" اور "مناہم" کی جگہ "ینشاہم" اور "عوج الضباع" کی بجائے "عرج البطاح"
 غلط چھپ گیا ہے۔ ہم نے اس کی تصحیح مجمع الزوائد سے کر دی ہے۔

علیہ وسلم الی حرم اللہ
 وقیسیرک الخیول الیہ
 فمانر لت بذ اللہ
 حتی اشخصتہ الی
 العراق فخرج نحائفاً
 یترقب فتولت بہ
 خیبتک عداوۃ ہند
 ملک ورسولہ ولاہل
 بیتہ الذین اذهب
 اللہ عنہم الرجس
 وطہرہم تطہیراً
 فطلب الیکم الموارعۃ
 وسالکم الرجعة
 فانتمتم قلۃ النصارة
 واتبیہا اہل بیتہ
 وتعاونتم عیدہ کانکم
 قتلتم اہل بیت من
 الشریک والکفر
 فلا شئی اعجب
 عندی من طلبتک
 ودی قد قتلت ولدای

نہ تھے ان لوگوں نے اگر ان کو کفن
 دیا اور دفن کیا، حالانکہ بخدا ان
 ہی کے طفیل تجھے یہ عزت ملی ہے
 اور تجھے اس جگہ بیٹھا نصیب جس جگہ اب
 بیٹھا ہوا ہے اب میں خواہ سب
 چیزیں فراموش کر دوں، پر اس بات
 کو فراموش نہیں کر سکتا کہ تو نے
 ہی حسین کو مجبور کر کے رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حرم سے
 حرم الہی میں پہنچایا اور پھر تو اپنے
 سواروں کو برابر ان کے پاس بھیجتا
 رہا اور مسلسل لگاتار بتاتا کہ ان کو
 عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا
 چنانچہ وہ حرم مکہ سے اس کیفیت
 میں نکلے کہ ان کو دھڑکا لگا ہوا تھا
 اور پھر تیسرے سواروں نے ان کو
 جا لیا۔ یہ سب کچھ تو نے خدا رسول
 اور ان اہل بیت کی عداوت میں
 کیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے نجات
 دور کر کے ان کو خوب پاک صاف
 کر دیا تھا۔ حسین نے تمہارے سامنے

وسيفك يقطر من
دمي وانت احد ثامري
ولا يعجبك ان ظفرت
بنا اليوم فلنظفرن
بك يومًا - والسلام

(کمال ابن اثیر ص ۴ - م ۵۷۵)

صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ
جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے
یہ دیکھ کر کہ اس وقت بے یار و مددگار
ہیں اور ان کے خاندان کا استیصال
کیا جاسکتا ہے موقع کو غنیمت
جانا اور تم ان کے خلاف باہم
تعاون کر کے ان پر اس طرح ٹوٹ
پڑے کہ گویا تم مشرکوں یا کافروں
کے خاندان کو قتل کر رہے ہو پس
اب میرے نزدیک اس سے زیادہ
اور کیا تعجب کی بات ہوگی کہ تو میری
دوستی کا طالب ہے حالانکہ تو میرے
دادا کے خاندان کو قتل کر چکا ہے
اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک
رہا ہے۔ اب تو تو میرے انتقام
کا ہدف ہے اور اس خیال میں
نہ رہنا کہ آج تو نے ہم پر فتح پا
لی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر
فتح پا کر رہیں گے۔ والسلام۔

اے تاریخ شاہد ہے کہ حضرت کی یہ پیشینگوئی پوری ہو کر رہی اور عباسیوں ہی کے رہائی آگے صغیر

پانچواں شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی کے شاگرد قاضی ابوبکر بن العزنی نے "العواصم من القواصم" میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے کتاب الزہد میں یہ زہد کا ذکر زیادہ صحابہ کے بعد اورتابعین سے پہلے اس زمرہ میں ذکر کیا ہے جن کے وعظ و فرمان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

اس کا جواب

ابن العزنی کی رائے غزالی کے بارے میں یہ صحیح ہے کہ حافظ ابوبکر بن العزنی، امام غزالی کے شاگرد تھے لیکن خود ان کے دل میں استاد کی جو قدر تھی وہ بھی سن لیجئے۔

حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں ۵۲۵ ہجری کے دنیا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وَمِمَّنْ تَوَقَّى فِيهَا مِنَ
الْأَعْيَانِ الْفَقِيهَ ابُو بَكْرٍ
بْنِ الْعَزَنِيِّ الْمَالِكِيِّ شَارِحِ
الْتَرْمِذِيِّ كَانَ فَقِيهًا
عَالِمًا وَنَازِلًا عَابِدًا
وَسَمِعَ الْحَدِيثَ بَعْدَ

اور اس سند میں جن بڑے لوگوں کا انتقال ہوا۔ ان میں فقیہ ابوبکر بن العزنی مالکی شارح ترمذی بھی ہیں یہ فقیہ و عالم اور زاہد و عابد تھے انہوں نے حدیث کا سماع فقہ میں مشغول ہونے کے بعد کیا تھا۔ غزالی

اشتغالہ فی الفقہ و صاحب
الفرای و اخذ عنہ و کان
یتهمہ برای الفلاسفہ
و یقول دخل فی اجوافہم
فلم ینخرج منها

(ج ۲ - ص ۲۳۸، ۲۳۹)

کی صحبت میں رہے ان سے علم بھی
حاصل کیا اور غزالی کو فلاسفہ کی رائے
سے بھی متہم کیا کرتے تھے۔ کہا کرتے
تھے کہ فلاسفہ ان لوگوں کے پیٹوں
میں ایسا گھسا کہ پھر نکلا ہی نہیں۔

ابن العربی کا فتویٰ کہ
حسین کا قتل جائز تھا

بجائے بقول شاگرد، استاد تو فلسفہ کے
پکر سے ساری عمر نہ نکل سکے۔ مگر خود بدولت
کو آخر کیا ہو گیا تھا کہ یزید جیسا شقی تو آپ

کو اولیاء کبار کی صف میں نظر آیا اور بیچانتہ الرسول، سید شباب اہل البیت
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی نظر میں ایسے مجرم ٹھہرے کہ جناب کے جھٹکے
یفتویٰ صادر فرما دیا کہ

قتل الحسین بشرع
جدہ

حسین کو ان کے ناما کی شرع کے مطابق
قتل کر ڈالا گیا۔

نازم برین فطانت سمجھ بوجھ ہو تو ایسی ہو۔ غالی نا صبیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے چنانچہ
علامہ ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں

غلوا الناصبیۃ الذین
یزعمون أن الحسین
کان ناصراً حیاً وانہ کان

ناصریوں کا غلو ہے جو یہ زعم
کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ وقت کے

بجوز قتلہ

خلاف خروج کیا اور اس لیے
ان کو قتل کرنا جائز تھا۔

قاضی ابوبکر ابن العربی ناصبی ہیں | چنانچہ اسی لیے شاہ عبدالعزیز
صاحب رحمہ اللہ فتاویٰ عزیزی
میں لکھتے ہیں :-

نواصب "خوارج" سے جدا فرقہ ہے
یہ مغرب اور شام میں بہت تھے۔
خليفة المتوكل عباسی اور اس کا وزیر علی
بن جهم بھی نواصب میں سے تھے۔
خوارج ان تمام صحابہ کرام کو جن میں
باہم جنگ ہوئی یعنی حضرت طلحہ و زید
زیر، امیر المومنین علی مرتضیٰ، حضرت
معاویہ اور حضرت عمر بن العاص،
ارضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان سب کو کافر
بتاتے ہیں اور نواصب نے صرف
امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ
وجہہ اور ان کی ذریت طاہرہ کی عداوت
کو اپنا شعار بنایا ہے۔ متاخرین میں

نواصب فرقہ جداست، ورائے
خوارج در مغرب و شام بسیار بوده
اند، و متوکل عباسی و وزیر او علی
ابن جهم نیز از جملہ نواصب است
خوارج جمیع متقاتلین را از صحابہ
بمحو طلحہ و زید و امیر المومنین علی
المرتضیٰ و معاویہ و عمر بن العاص را
تکفیری کنند۔ و نواصب محض عداوت
امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
و ذریت طاہرہ او شعار خود دارند و
از متاخرین حافظ مغربی نیز ناصبی
است۔

ج ۱، ص ۱۰۰، ابن عربی

اللبہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: الروم من القرام "ابن العربی" ص ۲۳۶ طبع قاہرہ ۱۳۳۵ھ

ج ۱، ص ۲۵۶ طبع امیر یہ مصر ۱۳۲۱ھ

حافظ مغربی (ابوبکر ابن العربی) بھی
ناصبی ہے۔

کتاب الزہد میں جن صاحب کا تذکرہ ہے وہ امیر یزید نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ ہیں ،

اسی ناصبیت کی شامت سے شاید قاضی حبی کو وجہ ہو گیا اور انہوں نے
کتاب الزہد میں یزید بن معاویہ کا نام دیکھتے ہی اس کو اپنا مدوح امیر یزید
سمجھ لیا، یہ امیر یزید اموی نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ یزید بن معاویہ
نخعی کوئی ہیں جو مشہور زاہد و عابد گزرے ہیں ان کا تذکرہ "تذیب التہذیب"
وغیرہ کتب رجال میں مذکور ہے۔ ہم ناظرین کی غیبت طبع کے لیے حافظ
جمال الدین مزی کی "تذیب الکمال" سے ان کا پورا ترجمہ نقل کیے دیتے ہیں
ملاحظہ فرمائیے وہ لکھتے ہیں :-

یزید بن معاویہ نخعی کوئی ، ابوبکر بن ابی
خثیمہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ اور عمرو بن
عقبہ بن فرقہ اور ربیع بن خثیم اور سہام
بن الحارث اور معضد الشیبانی اور
جندب بن عبد اللہ اور کیل بن زیاد
نخعی اور اولیس قرنی ان سب کا شمار
عابدوں میں رہے۔ اور عبد الرحمن
بن یزید کوئی نخعی سے منقول ہے کہ فارک
یزید بن معاویہ النخعی الکونی
کر ابوبکر بن ابی خثیمہ
امہ معدود فی العبادہ و
عمرو بن عقبہ بن فرقہ
وربیع بن خثیم و سہام
بن الحارث و معضد الشیبانی
وجندب بن عبد اللہ وکیل
بن زیاد النخعی و اولیس

القرنی، وحکی عن عبد الرحمن بن یزید النخعی قال خرجانی جیش نحو فارس فیده علقمة ویزید بن معاویة فقتل یزید بن معاویة، له ذکر فی الدعاء من صحیح البخاری فی باب الموعظة ساعة بعد ساعة فی حدیث شقیق بن سلمہ قال کنا نقتظر عبد اللہ اذ جاء یزید بن معاویة فقلنا لا تجلس الحدیث و ذکرہ فی التاریخ و ذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات وقال قتل غانریا بفارس لہ۔

کی مہم پر ایک لشکر میں مہم بھی روانہ ہوئے تھے اسی لشکر میں علقمہ اور یزید بن معاویہ بھی تھے پھر یزید بن معاویہ اسی مہم میں شہید ہوئے صحیح بخاری، کتاب الدعاء کے باب الموعظة ساعة بعد ساعة میں بروایت شقیق بن سلمہ مذکور ہے کہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باہر آنے کے منتظر تھے کہ اسی اشارہ میں یزید بن معاویہ بھی آگئے ہم نے ان سے عرض کیا آپ تشریف نہیں رکھیں گے؟ انہوں نے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ فارس میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اب یہ خدا ہی جانے قاضی ابوبکر بن العزنی کو اپنی خوش فہمی کی بدولت یہ وہم ہوا ہے یا انہوں نے قصداً ہی مغالطہ دینے کے لیے لوگوں کا ذہن یزید بن معاویہ کوئی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بجائے (جو طبقہ کبار تابعین میں بڑے عابد و زاہد بزرگ گزرے
ہیں) اپنے مدوح امیر یزید بن معاویہ اموی کی طرف منتقل کر دیا، تاکہ لوگ اس
یزید پلید کو بھی حضرت یزید کوئی نفعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرح نہ ہو و عبادت میں حضرت
اولیں قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہمسر سمجھنے لگیں۔

ناصبیوں کا امام طبری کو رافضی بتانا | درحقیقت یہ ویسی ہی ناپاک
جسارت ہے جیسی کہ آج کل کے

ناجی حضرت امام ابن حبر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کرتے ہیں جو مجتہدین
اہلسنت میں بڑے نامور امام گزرے ہیں انہیں صرف اس لیے رافضی بتاتے
ہیں کہ اس نام کا ایک دوسرا رافضی عالم بھی گزرا ہے ان ناصبیوں کی یہ سعی محمود
صرف اس لیے ہے کہ امام طبری کی "تاریخ ناصبیت" کا ساتھ نہیں دیتی۔

۱۔ ناصبیت کی طرف میلان کے سبب حافظ مغربی ابو بکر بن العسبلی اگرچہ تمام
مورخین اسلام سے نالاں ہیں۔ مگر امام طبری سے ان کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ تمام
مورخین اسلام میں اگر ان کو کسی مورخ پر اعتقاد ہے تو وہ صرف امام ابو جعفر محمد ابن حبر
طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ چنانچہ العواصم من القواصم میں نہایت
دستوری کے ساتھ ان کی تاکید یہ ہے کہ ولا تسمعوا لمورخ کلاماً
الا للطبری (ص ۲۴۸) طبری کے سوا کسی مورخ کی کوئی بات نہ سنو۔

اب سوچنے کی بات ہے رافضیوں کے بارے میں حافظ ابو بکر بن العسبلی
سے زیادہ کون حساس ہوگا۔ امام طبری کی تصانیف بالخصوص تاریخ میں اگر
رفض کی تہماتی ہوتی تو وہ اس رائے کا اظہار کس طرح کر سکتے تھے۔

مطبوعہ کتاب الزہد اصل نہیں | واضح رہے کہ حال میں جو کتاب الزہد
اس کا انتخاب ہے | امام احمد بن حنبل کے نام سے مطبع
ام القریٰ مکہ سے شائع ہوئی ہے، وہ پوری

کتاب نہیں بلکہ اس کا انتخاب ہے، پوری کتاب جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی
نے "تجیل المنفعة" کے مقدمہ میں تصریح کی ہے بڑی ضخیم کتاب ہے جو سند احمد
بن حنبل کی تشریحا ایک تہائی ہے۔ موجودہ نسخہ حوالہ کتاب کا انتخاب ہے
اس میں "دونوں یزیدوں" کا تذکرہ نہیں ہے لہذا قاضی جی کی "العوام" سے
اس بارے میں استدلال کرنا محض نادانی ہے۔

یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح کہ
اس سے کوئی روایت نہ کی جائے | بہر حال حضرت امام
احمد بن حنبل کی طرف
اس خرافات کو منسوب

کرنا کہ وہ یزید کو "عابد و زاہد مانتے تھے" بہت بڑی جسارت ہے۔ حافظ
دہلوی نے "میزان الاعتدال" میں یزید کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا یہ
قول نقل کیا ہے کہ

لا یسبغی ان یروی عنہ | اس سے روایت کرنا نہیں چاہیے
اور حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں :

قبل له ان تكتب الحديث
عن يزيد بن معاوية قال
لا دلائل كرامته، وليس هو
الذي فعل باهل المدينة
ما فعل۔
حضرت امام احمد بن حنبل سے
عرض کیا گیا کہ کیا یزید بن معاویہ
سے حدیث آپ لکھیں گے،
فرمایا انہیں، اور نہ اس میں کچھ
عزت ہے، کیا یہ وہی شخص

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۲ ص ۲-۳ طبع

بیاض)

نہیں ہے کہ جس نے اہل مدینہ کے

ساتھ وہ ظلم کیا جو بیان سے باہر ہے

حافظ ابن حجرؒ نے "تجلیل المنفعة" میں امام احمد کی کتاب "الزہد" اوردان کی

مسند کے ان تمام رجال کا ذکر کیا ہے جن سے صحاح ستہ میں روایتیں

نہیں ہیں اس میں یزید بن معاویہ کے بارے میں یہ مذکور ہے۔

مسند میں اس کی کوئی روایت مذکور

نہیں صرف اس کا ذکر آیا ہے۔

ولم یقع له فی المسند

روایۃ وانما له مجرد ذکر

پھر فرماتے ہیں:-

وقد وقع لیزید بن معاویۃ

ذکر فی الصحیح و فی السنن

ایضا دخلت له فی المراسیل

لابی داؤد برہایت ذکر

له من اجلہا تذکرۃ فی

تہذیب التہذیب۔

یزید بن معاویہ کا صحیح بخاری میں بھی تذکرہ

آیا ہے اور سنن میں بھی، مجھے اس کی

ایک روایت مرسیل، ابی داؤد میں

ملی ہے جس کی بنا پر میں نے "تہذیب

التہذیب" میں اس کا تذکرہ لکھا

ہے۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ تہذیب التہذیب میں یہ بھی تصریح کر دی

ہے و لیست له روایۃ تعتمد (اس کی کوئی روایت ایسی نہیں جو قابل

اعتماد ہو) واضح رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "تجلیل المنفعة"، تہذیب

التہذیب اور لسان المیزان ان تینوں کتابوں میں اس کا ترجمہ لکھا ہے۔

لے ذکر سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کی تعریف و توصیف کی گئی ہے بلکہ اس کا نام

میں کہیں اس کا ذکر آیا ہے۔

لے ذکر سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کی تعریف و توصیف کی گئی ہے بلکہ اس کا نام

میں کہیں اس کا ذکر آیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی لسان المیزان سے یزید کا مکمل ترجمہ

ہم لسان المیزان سے یزید
کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے
ہیں، فرماتے ہیں:-

یزید بن معاویہ بن ابی

سفیان الاموی روی عن

ابیہ، وعندہ ابنہ خالد

وعبد الملک بن مروان،

مقدوح فی عدالتہ ولیس

بافل ان یروی عنہ، وقال

احمد بن حنبل: لا ینبغی

ان یروی عنہ انتہی وقد

وجدت لہ مروایۃ فی

مرا سیل ابی داؤد، ونبہت

علیہا فی "النکت علی الاطراف"

واخبارہ مستوفیۃ فی

تاریخ ابن عساکر، وملخصہا

انہ ولد فی خلافتہ عثمان

وقد ابطال من زعم انہ

ولد فی عہد النبوی دکنیتہ

ابو خالد ولما مات ابو بویع

لہ بالخلافۃ سنۃ

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی

اس نے اپنے باپ سے روایت

کی ہے اور اس سے اس کے بیٹے خالد

اور عبد الملک بن مروان نے اس کی

عدالت بھروسہ ہے اور یہ اس کا اہل نہیں

کہ اس کی کوئی روایت لی جائے۔ امام

احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس سے

روایت نہ کرنا چاہیے ایسا ذہبی

کی عبارت جو میزان الاعتدال میں ہے

تمام ہوئی، مجھے اس کی ایک روایت

مرا سیل ابی داؤد میں ملی، جس پر میں

نے "النکت علی الاطراف" میں تنبیہ

کر دی ہے۔ یزید کے حالات تاریخ

ابن عساکر میں تمام وکمال مذکور ہیں

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں

پیدا ہوا، اور اس نے غلطی کی جس نے

یہ کہا کہ اس کی ولادت عہد نبوی میں

سَتِينَ، وَامْتَنَعَ مِنْ بَيْعَتِهِ
 الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَعَبْدَ اللَّهِ
 بْنِ عَمْرٍو وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ الزَّبِيرِ
 رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وَعَاذَ
 بِحَرَمِ مَكَّةَ فَسَمِيَ عَائِذُ
 الْبَيْتِ وَاحِدًا ابْنُ عَمْرِو رَضِيَ اللَّهُ
 عَنْهُمَا فَقَالَ إِذَا اجْتَمَعَ
 النَّاسُ بَايَعْتَ ثُمَّ بَايَعِ
 دَامَا الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
 فَسَارَ إِلَى مَكَّةَ فَوَافَقَ بَيْعَتَهُ
 أَهْلَ الْكُوفَةِ فَسَارَ إِلَيْهِمْ
 بَعْدَ أَنْ أَرْسَلَ ابْنُ عَمْرٍو
 مُسْلِمَ بْنَ عَقِيلٍ لِأَخْذِ
 الْبَيْعَةِ فَظَفَرَهُ عُبَيْدُ اللَّهِ
 بْنُ زِيَادٍ أَمِيرُهَا فَقَتَلَهُ
 وَجَهَّزَ الْجَيْشَ إِلَى
 الْحُسَيْنِ فَقَتَلَ فِي يَوْمٍ
 عَاشُورَاءَ سَنَةَ أَحَدَى
 وَسَتِينَ ثُمَّ أَنَّ أَهْلَ الْمَدِينَةِ
 خَلَعُوا يَزِيدَ فِي سَنَةِ ثَلَاثٍ
 وَسَتِينَ فَجَهَّزَ إِلَيْهِمْ

ہوئی تھی اس کی کنیت ابو خالد ہے
 سید ہجری میں اپنے والد کے انتقال
 پر اس سے بیعت خلافت ہوئی حضرت
 حسین بن علی، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ
 بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس
 سے بیعت نہ کی۔ اور حضرت ابن زبیر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو حرم مکہ میں پناہ
 گزین ہو گئے اور اس بنا پر ان کو
 عائد البیت کہا جانے لگا۔ اور حضرت
 ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ
 جب سب لوگ اس کی بیعت پر
 مجتمع ہو جائیں گے تو میں بھی بیعت نہ
 کروں گا۔ بعد کو آپ نے بھی بیعت کر لی
 رہے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 تو آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور پھر
 اہل کوفہ کے بیعت کرنے پر آپ ان
 کی طرف روانہ ہو گئے اس سے پہلے
 آپ اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل
 کو بیعت لینے کی غرض سے بجانب
 کوفہ روانہ کر چکے تھے۔ وہاں امیر کوفہ
 عبید اللہ بن زیاد کا ان پر قابو چل گیا

مسلم بن عقبہ امری فی
جیش حافل مقاتلہم
فہزمہم وقتل منهم
خلق کثیر من الصحابة
وابناءہم وسبق اکابر
التابعین وفضلادہم
واستباحھا شدۃ ایاہم
فہبوا وقتل شمس بايع من
بقي علی انہم عبید یزید
ومن امتنع قتل شمس توجہ
إلی مکة لحرب ابن الزبیر
فمات فی الطريق وعہد
إلی الحصین بن نمیر بنسار
بالجیش الی مکة فحاصر
ابن الزبیر ونصبوا المنجنيق
علی الکعبة فوهت اسرارھا
شمس احتوت فی اثتار
ذالک وورد الخیر بموت یزید
ثم مات ابنہ معاویہ بن
یزید بعد قتل وصفا الجولان
الزبیر فدعا الی نفسه

اور اس نے ان کو قتل کر ڈالا اس
نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی طرف فوج بھیجی جہاںچہ آپ کو
بروز عاثر و اسلحہ کو قتل کر دیا
گیا اس کے بعد اہل مدینہ نے سلسلہ
میں یزید کی بیعت توڑ دی تو یزید
نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے مسلم
بن عقبہ سری کی سرکردگی میں ایک
بھاری لشکر روانہ کیا جس نے اہل
مدینہ سے جنگ کر کے ان کو ہزیمت
دی، اس جنگ میں صحابہ، اولاد صحابہ
اور کاتب تابعین میں سرآوردہ حضرات اور فضلاء
کی ایک کثیر خلقت قتل کر دی گئی، مسلم
بن عقبہ نے تین دن تک مدینہ شریف
کو لوٹ مار اور قتل و غارت کے لیے
حلال کر دیا پھر جو زندہ بچ گئے ان
سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید
کے غلام ہیں اور جس نے بھی بیعت
سے انکار کیا ہے اس کا سر قلم کر دیا
گیا اس کے بعد مسلم نے مکہ معظمہ کا
رخ کیا تاکہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ

نبایعہ اہل الافاق و اکثر
 اہل الشام ثم خرج
 علیہ مروان بن الحکم
 نکات ما کان، قال ابو یعلیٰ
 فی مسندہ "حدثنا الحکم
 بن موسیٰ قال حدثنا الولید
 عن الاوزاعی عن مکحول
 عن ابی عبیدۃ بن الجراح
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم "لا ینزال امر امتی
 قائما بالسوی حتی یکون
 اول من یشلہ رجل
 من بنی امیۃ یقال
 لہ یزید" و قال ابو زرعدہ
 الدمشقی حدثنا ابو نعیم
 حدثنا شیبان عن ابن
 المنکدر قال لما جادت
 بیعة یزید قال ابن عمر
 رضی اللہ عنہما ان کان
 خیرا رضینا وان

تعالیٰ عنہ سے جنگ کیا مگر اسے راہ میں
 ہی موت نے آیا، مسلم نے حسین بن
 نمیر کو سالار لشکر کیا تھا، چنانچہ یہ لشکر
 لے کر مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت ابن
 زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کر لیا
 اس لشکر نے کعبہ کے بالمقابل منجیق
 نصب کر کے اس پر گولہ باری شروع
 کر دی جس سے کعبہ کی بنیادیں کمزور
 ہو گئیں اور پھر اس میں آگ لگ گئی
 اسی آتش میں یزید کے مرنے کی خبر
 آئی اور پھر قحطوری ہی مدت میں اس
 کا بیٹا معاویہ بن یزید بھی مر گیا۔ اب
 حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
 کے حق میں فضا صاف ہو چکی تھی
 چنانچہ آپ نے اپنے بیعت کی دعوت دی
 اہل افاق اور اہل شام کی اکثریت
 نے آپ سے خلافت پر بیعت کر
 لی پھر مروان نے آپ کے خلاف
 خروج کیا اور جو ہونا تھا ہو کر رہا۔
 امام ابو یعلیٰ اپنی مسند میں روایت
 کرتے ہیں کہ ہم سے حکم بن موسیٰ نے

کان بلاء صبرنا۔

حدیث بیان کی اور وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ولید نے اوزاعی سے حدیث نقل کی، اوزاعی، کچول سے راوی ہیں اور کچول حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا معاملہ ٹھیک چلتا رہے گا تا آنکہ بنی امیہ میں سے ایک شخص جس کا نام یزید ہے سب سے پہلے اس پر رخنہ ڈالے گا۔ ابو زر عہدِ مشقی کہتے ہیں کہ ہم سے ابو نعیم نے بیان کیا کہ ہم سے شیبان نے ابن المنکدر سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس یزید کی بیعت کی اطلاع آئی تو آپ نے فرمایا اگر یزید بھلا ہوا تو ہم اسے پسند کریں گے اور بلا ہوا تو صبر کریں گے

ابن شوزب کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے سنا وہ

وقال ابن شوزب سمعت ابراہیم بن ابی عبد،

يقول سمعت عمر بن
عبد العزيز يترحم على
يزيد بن معاوية وقال
عجبي ابن عبد الملك بن
ابی عتبة حدثنا نوفل
بن ابی عقرب كنت
عند عمر بن عبد العزيز
فذكر رجل يزيد بن
معاوية فقال امير
المؤمنين يزيد، فقال له عمر
تقول امير المؤمنين؟
وامر به فضربه
عشرين سوطاً۔

قال ابو بكر بن عياش : بايع

کہتے تھے میں نے حضرت عمر بن
عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو
یزید کے لیے رحم کی دعا کرتے ہوئے
سنا۔ اور یحییٰ بن عبد الملک بن
ابی عتبہ کا بیان ہے کہ ہم سے نوفل
بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ میں
حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت
میں حاضر تھا کہ کسی شخص کی زبان سے
یزید بن معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے
امیر المؤمنین یزیدؓ کے الفاظ کے
نکل گئے اس پر حضرت عمر رحمہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا تو اس کو امیر المؤمنین
کہتا ہے اور پھر آپ نے حکم دیا کہ اس
کو بیس کوڑے لگائے جائیں،
چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔
ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں کہ یزید

لہ واضح رہے کہ گنہگار کے حق میں دعا کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ آخر نماز جنازہ تو
بڑے بڑے گنہگار کی بھی پڑھی ہی جاتی ہے۔
اے اس نے یزید کو احتراماً ایسا کہا ہوگا اس لیے اس کو بہ سزا دی گئی کیونکہ فاسق کی
تعظیم اور اس کا احترام ممنوع ہے۔

الناس له في رجب سنة ستين
ومات في ربيع الاول سنة
ثلاث وستين كذا قال،
والصواب في نصف ربيع الاول
سنة اربع وثمانين سنة مات
ثمانيا وثلاثين سنة - (سان الميزان
ص ۲۹۳، ۲۹۴ ج ۲ - ترجمہ یزید بن معاویہ
بن ابی سفیان الاموی طبع بیدار آباد کن
(انڈیا) ۱۳۳۱ھ ہجری ۶)

سے لوگوں نے رجب ۳۶ھ ہجری
میں بیعت کی اور ربيع الاول ۳۷ھ
میں وہ مرگیا، ان کا یہی بیان ہے
لیکن صحیح یہ ہے کہ یزید ۱۵ ربيع
الاول ۳۷ھ ہجری کو مرا ہے جس
دن اسے موت آئی اس دن اس
کی عمر اڑتیس سال کی تھی۔

امام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے | ظاہر ہے کہ اگر یزید کا ذکر امام احمد
کی کتاب الزہد میں ہوتا تو حافظ
ابن حجر عسقلانی جنہوں نے کتاب الزہد کے تمام رجال پر کام کیا ہے یزید
کے ترجمے میں اس کا ضرور ذکر کرتے یزید سے روایت کے بارے میں تو امام
احمد رحمہ اللہ نے جو رائے ظاہر کی وہ آپ کی نظر کے سامنے ہے اب وہ مستحق
لعنت تھا یا نہیں اس کے بارے میں بھی امام ممدوح کی یہ تصریح پڑھ لیجئے
حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

قال صالح بن احمد بن حنبل
قلت لابی ان قوما يقولون:
انهم يحبون يزيد قال:
يا بني! وهل يحب يزيد
احد يوم من بالله واليوم
صالح بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ
میں نے اپنے والد ماجد سے عرض
کیا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے
ہیں کہ وہ یزید سے محبت رکھتے ہیں
یہ سن کر آپ نے فرمایا بیٹے کوئی شخص

الآخر؛ فقلت، یا أبت
فلما ذالما تلعنہ؟ قال
یا بیتی؛ ومتی رأیت
أباك یلعن احدا؟

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ)

ج - ۳ - ص - ۱۴۱۲

بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر
ایمان رکھتا ہو یزید سے محبت کر
سکتا ہے؟ میں نے ہر عرض کیا
ابا جان! پھر آپ اس پر لعنت کیوں
نہیں فرماتے، آپ نے جواب دیا
بیٹا تم نے اپنے باپ کو کسی پر
لعنت کرتے ہوئے کب دیکھا ہے

اس روایت میں امام ممدوح نے یہ نہیں فرمایا کہ اس پر لعنت نہیں کرنی
چاہیے۔ بلکہ اپنے عمل کو تبدیل دیا کہ میں کسی پر لعنت نہیں کیا کرتا۔ مگر دوسری
روایت میں جس کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر
منظری میں نقل فرمایا ہے۔ اس کے مستحق لعنت ہونے کی صاف تصریح فرما
دی ہے یہ روایت حسب ذیل ہے۔

قال ابن الجوزی انه دوی
القاضی ابو یعلیٰ فی کتابہ المعتقد
فی الاصول، بسندہ عن
صالح بن احمد بن حنبل
انه قال: قلت لأبي
بابت یزعم بعض الناس
انا نحب یزید بن معاویہ
فقال احمد: یا بنی هل
یسوغ لمن یؤمن بالله

ابن جوزی کہتے ہیں کہ قاضی ابو یعلیٰ
نے اپنی کتاب "المعتقد فی الاصول"
میں بسند صالح بن احمد بن حنبل
سے روایت کی ہے میں نے اپنے
والد بزرگوار سے عرض کیا کہ ابا جان
بعض لوگ اس امر کے مدعی ہیں
کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت
رکھتے ہیں آپ نے فرمایا بیٹا بھلا
جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو

ان يحب يزيد ولم لا يلعن
 رجل لعنه الله في كتابه؟
 قلت يا ابت! اين لعن
 الله يزيد في كتابه؟ قال
 حيث قال فهل عسيتم
 ان توليتم ان تفسدوا
 في الارض وتقطعو
 ارحامكم اولئك
 الذين لعنهم الله
 فاصممهم واعمى
 ابصارهم۔

(تفسیر منظر ی ج ۸ - ص ۲۴۲)

طبع دہلی ۱۳۹۶ھ

✽

کیا اس کے لیے یہ روا ہو سکتا ہے
 کہ وہ یزید سے محبت رکھے اور ایسے
 شخص پر کیوں لعنت نہ کی جائے
 جس پر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں
 لعنت کی ہے میں نے عرض کیا ابا
 جان! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں
 یزید پر کہا لعنت فرمائی ہے فرمایا
 جہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ پھر تم
 سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت
 مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں،
 اور قطع کرو اپنی قرابتیں، ایسے
 لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے
 پھر کہہ دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں
 ان کی آنکھیں۔

واضح رہے کہ علماء حنابلہ میں بہت سے اکابر ائمہ کا عمل بھی اسی قول
 پر ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (ص ۲۲۳ - ج ۸) میں جہاں
 واقعہ حرہ کے سلسلہ میں ان حدیثوں کا ذکر کیا ہے جن میں یہ مضمون آتا ہے کہ
 ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے جو اہل مدینہ کو ظلمًا خوف میں مبتلا کریں۔
 وہاں ان کو بیان کر کے فرماتے ہیں۔

اس حدیث سے اور اس جیٹی سہری
 حدیثوں سے ان حضرات نے استدلال

وقد استدل بهذا
 الحديث وامثاله من

ذهب الى الترخيم
 في لعنة يزيد بن معاوية
 وهو رواية عن احمد
 بن حنبل، اختارها
 المخلد والوبكر عبد العزيز
 والقاضي ابو يعلى وابنه
 القاضي ابو الحسين وانصر
 لذلك ابو الفرج ابن
 الجوزي في مصنف مفرد
 وجوز لعنته -

کیا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ یزید بن
 معاویہ پر لعنت کرنے کی اجازت
 ہے اور امام احمد بن حنبل سے بھی
 ایک روایت میں یہی وارد ہے اور
 اسی کو خلل، ابوبکر عبد العزیز قاضی
 ابویعلیٰ اور ان کے صاحبزادے قاضی
 ابوالحسین نے اختیار فرمایا ہے اور
 حافظ ابوالفرج بن الجوزی نے ایک
 مستقل تصنیف اس بارے میں
 لکھ کر اسی روایت کی تائید کی ہے
 اور یزید پر لعنت کرنے کو جائز بتایا

ہے۔

اب سوچیے امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد میں اگر اس خلیفہ فاسق
 یزید بن معاویہ کا ذکر مذکور ہو تو اس سے ائمہ حنابلہ امام ابوبکر
 خلل، ابوبکر عبد العزیز، قاضی ابویعلیٰ، ان کے فرزند قاضی ابوالحسین، حافظ
 ابن الجوزی اور علامہ ابن تیمیہ جیسے اکابر ائمہ حنابلہ واقف ہوئے یا قاضی
 ابوبکر ابن العزنی نا صبی؟ -

قاضی ابوبکر ابن العزنی کی ہجو | قاضی ابن العزنی کی اس حرکت پر
 ہمیں بے اختیار وہ اشعار یاد آ گئے
 جو ان کی شان میں خلف بن خراذیب نے کہے ہیں فرماتے ہیں -

یا اهل حمص ومن بها اوصیکم بالبر والتقوی وصیۃ مشفق

اے حمص کے رہنے والو اور جو بھی وہاں ہوں میں تم کو ایک مشتق کی طرح نیکی اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں

تخذوا عن العربی اسما الدجی وخذوا الی وایۃ عن امام متقی

اس ابو بکر ابن العربی سے افسانہ شے تو سن لو! مگر حدیث کی روایت کسی متقی امام سے ہی کر

ان الفتی حلوا الکلام مہذب ان لم یجد خبراً صحیحاً یخلف

یہ نوجوان بڑا شیریں کلام اور مہذب ہے اسے اگر صحیح حدیث ملے تو اپنی طرف گڑھ لیتا ہے

خلف کو ان اشعار کے کہنے کی نوبت اس لیے پیش آئی کہ اشبیلیہ

(واقع اندلس) میں فقہاء کی ایک مجلس جی ہوئی تھی۔ ابو بکر ابن العربی اور دوسرے

حضرات بھی وہاں موجود تھے ابن العربی بھی شریک مجلس تھے، مجلس میں

علمی مذاکرہ جاری تھا۔ "حدیث میغر" کا ذکر پھر انوار ابن العربی نے کیا کہ یہ حدیث

صرف بروایت مالک عن الزہری معروف ہے اس پر ہمارے قاضی جی ابن

العربی فرمانے لگے

قد رویتہ من ثلاثۃ

میں نے امام مالک کے علاوہ تیس

عشر طریقاً غیر طریق مالک

سندوں سے اس حدیث کو روایت کیا۔

یہ دعویٰ سن کر حاضرین دنگ رہ گئے اور انہوں نے ان کی خدمت میں

درخواست کی کہ براہ کرم ہم کو اس سلسلے میں استفادہ کا موقع عنایت فرمایا

جائے چنانچہ ابن العربی نے حاضرین سے روایت کو بیان کرنے کا وعدہ تو کر

لیا مگر بعد کو کچھ نہ بتا سکے۔ ادیب مذکور نے اسی واقعہ سے متاثر ہو کر ان کی ہجوں

پر اشعار نظم کر دیے۔

حافظ ذہبی "تذکرۃ الحفاظ" میں اس سارے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد

فرماتے ہیں،

قلت هذه حكاية ساذجة
لا تتدل على جرح صحيح، ولعل
القاضي وهم دسرك
فكره الى حديث فظنه هذا
والشعراء يخلقون الافك

(تذكرة الحفاظ ج ۲ ص ۸۹)

ہیں کہتا ہوں یہ ایک سادہ سا واقعہ
ہے جو صحیح جرح پر دلالت نہیں کرتا
اور شاید قاضی جی کو وہم ہوا امدان کا
خیال کسی اور حدیث کی طرف چلا گیا جسکو
وہ یہی حدیث گمان کر بیٹھے اور شعراء
تو غلط بیانی کرتے ہی رہتے ہیں

ہمیں بھی حافظ ذہبیؒ سے ان کے بارے میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں جس
طرح اس واقعہ میں ان کا خیال اس حدیث میں دوسری حدیث کی طرف منتقل
ہو گیا اور وہ اسی حدیث کو تیرہ سندوں سے روایت کرنے کے مدعی بن بیٹھے
ایسے ہی اصبہیت کی نحوست نے حضرت یزید بن معاویہؓ کو فی ح کے نام
کو رکھ کر ان کے دماغ کو اپنے ممدوح یزید کی طرف جو ایک سفاک و ظالم
بادشاہ تھا پھیر دیا اور یہ اسے اپنے خیال میں عابد و زاہد سمجھ بیٹھے۔

پچھٹا شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی فرماتے ہیں "یزید نے نہ تو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم دیا اور نہ ہی اس پر رفا مند تھا اور یزید کو "رحمۃ اللہ علیہ" کہنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے۔"

یزید کے جرائم کی فہرست طویل ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ یزید پر صرف قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا الزام نہیں بلکہ اس کے جرائم کی فہرست طویل ہے۔ وہ مے نوش بھی تھا اور

تاکر صلوٰۃ بھی۔ اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو قتل نہیں کیا بلکہ مدینہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل عام کرایا حرم نبوی کی بھیر متی کی، بیت اللہ کی حرمت کو پا مال کیا ہے، بخیلق سے عین حرم کعبہ میں گولہ باری کی جس سے کعبہ شریف کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔

امام غزالی نے اپنے فتویٰ میں ان جرائم کے ارتکاب سے یزید کی برأت نہیں کی ہے، نہ اس کی اس سلسلہ میں کوئی صفائی پیش کی ہے۔

امام غزالی کے فتویٰ کی تنقیح

بالغرض مان لیا جائے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم نہیں دیا نہ وہ ان کے قتل پر راضی تھا مگر یہ تو ایک حقیقت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس کے ہاتھوں نہیں تو اس کے عمال بد اعمال کے ہاتھوں یقیناً عمل میں آئی ہے۔ پھر جب اس نے نہ ان کے قتل کا حکم دیا تھا نہ وہ اس پر راضی تھا تو آخر اپنے عمال سے اس سلسلہ میں اس نے کیا باز پرس کی؟ اس کے بارے میں بھی امام غزالی جو کوشش میں اور سب سے بڑھ کر یہ امر غور طلب ہے کہ تاریخی ابن خلکان اچھا لڑا ان کے اس فتویٰ کو اول سے آخر تک پڑھ

لیجئے اس میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ یزید متقی اور پرہیزگار آدمی تھا۔ اور نہ یہ ذکر ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں حق بجانب تھا اس فتویٰ میں تو صرف دو سلوں پر کلام ہے ایک تو یہ کہ اس پر لعنت کرنا مناسب نہیں کیونکہ امام غزالیؒ کسی شخص معین پر اس کا نام لے کر لعنت کرنے کے روادار نہیں خواہ وہ کافر ہو یا فاسق کچھ یزید ہی کی اس مسئلہ میں تخصیص نہیں۔

درست ہے کہ اس حقیقت کا معلوم کرنا کہ فی الواقع یزید قتل حسین رضی اللہ عنہ سے راضی تھا سنت و شوار ہے امام غزالیؒ کے اس شبہ کا جواب حانظ محمد بن ابراہیم وزیر سیانی نے "الروض الباسم فی الذب عن سنتہ الی نظام" میں اجمال طور پر حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے فرماتے ہیں۔

ولسا حکى ابن خلکان: کلام الحافظ عماد الدین ھذا اور بعدہ کلاماً رواً عن الغزالی زکلامہ ذالک شاہد ببرآۃ الغزالی من القول بتصویب یزید فی قتل الحسین وانما تکلم فی مسألتین غیر ذالک احدهما تحریم اللعن و لم یخص یزید فهو مذہبہ فی کل فاسق و کافر کما رواک عنہ النووی فی الاذکار " قد ذکر النووی

اور جب ابن خلکان نے حانظ عماد الدین کیا ہر اسی کے اس فتویٰ کو نقل کیا کہ جس میں یزید پر لعنت کی اجازت دی گئی ہے (تو اس کے بعد غزالیؒ کا ایک فتویٰ بھی نقل کیا جو اس امر کا شاہد ہے کہ غزالیؒ قتل حسین کے حق بجانب ہونے میں یزید کی حمایت سے برہا ہیں۔

انہوں نے تو صرف دو سلوں پر بحث کی ہے جن کا اس بات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے ایک یہ کہ کسی پر لعنت کرنا حرام ہے اس میں یزید کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر فاسق اور کافر کے بارے میں ان

ان ظاہر الاخبار خلاف
 ذالک وقد اوردت الکلام
 علی ذالک فی کراسی و ثانیہما
 القول بان العلم برضا یزید
 بقدر الحقیقۃ مذر و لیس
 فی هذا نزاع و لو اقریزید
 بلفظ صریح و سمعنا ذالک
 منه لم یعلم ان باطنہ کما
 اظهر و قد جہل رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم بواطن
 المنافقین و کل علم ذالک
 الی اللہ تعالیٰ و لکن الحکم للظاہر
 و قد ردی البخاری ج فی صبیہ
 عن عمر بن الخطاب راضی
 قال ان انا ما کاذب لو خذون
 بالوحي علی عهد رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم و ان الوحي
 قد انقطع منی اظهر لنا خیراً
 آمناء و قریناء و لیس لنا
 من سریرتہ شیء و من
 اظهر لنا سوء لم نأمنه

کی سی رائے ہے چنانچہ امام نووی نے
 بھی اپنی کتاب الاذکار میں ان کا یہی
 مذہب نقل کیا ہے اور امام نووی کا
 بیان ہے کہ ظاہر احادیث اسی مذہب
 کے خلاف ہیں اور میں نے ایک مستقل جز
 اس مسئلہ پر تحریر کیا ہے۔

اور دوسرا مسئلہ ہے کہ اس بات کا
 یقینی علم کہ واقعی یزید قتل حسین سے اقصی
 تھا محال ہے اور ہمیں بھی اس میں نزاع
 نہیں بالخصوص اگر یزید صاف اور صریح
 الفاظ میں بھی قتل حسین کا مقرر ہوتا اور
 خود بھی اسکی زبانی اس کے اس اقرار کو
 سن لیتے تب بھی اس کا یقین نہیں
 ہو سکتا تھا کہ اس کا ظاہر و باطن ایک ہے
 کیونکہ اس امر کا امکان بہر حال تھا کہ
 اس نے جھوٹا اقرار کیا ہو خود آنحضرت
 منافقین کے باطنی حالات سے بے خبر تھے
 اور آپ نے حقیقت حال کا علم حق تعالیٰ
 کے سپرد کر دیا تھا لیکن شرع کا حکم یہ
 ہے کہ فیصلہ ظاہر حالات پر کیا جاتا ہے
 چنانچہ امام بخاریؒ اپنی صحیح میں حضرت

وَلَمْ نَصِدْقْهُ وَإِنْ قَالَ أَنْ

سیرتہ حسنہ

الروضۃ الباسم ج ۲

ص ۳۲ طبع مصر

عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں
کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں وحی کی بنا پر لوگوں کی گزرت ہر جاتی تھی
اور اب وحی ختم ہو گئی لہذا جو شخص بھی سہارے
مٹنے خیر کا اظہار کرے گا ہم اسے امن دینگے
اور اپنے پاس رکھیں گے اور اس کے باطن کے
سہم کچھ زخمہ دات نہیں اور جو سہارے مٹنے بدی کا
اظہار کرے گا اسکو نہ ہم امن دیں گے اور نہ اس
کی بات کی تصدیق کریں گے اگرچہ وہ یہ کہے
جائے کہ میرا باطن بالکل ٹھیک ہے۔

امام غزالی بزرگ آدمی ہیں وہ تو ابلیس پر بھی لعنت کرنے کو نہیں کہتے اور نہ کسی کافر میں
پر لعنت کو روا رکھتے ہیں پھر نیرید پر لعنت کرنے کو کیوں کہیں گے؟ ان کے نزدیک ہر حال میں
مومن کا ذکر الہی میں مشغول ہونا اولیٰ ہے۔ ہمارے نزدیک بھی نیرید پر لعنت کرنا کوئی کارہ
ثواب نہیں ہے۔ کہ خواہ مخواہ آدمی اس کا نام لیکر اپنی زبان کو گندہ کرے ظاہر ہے کہ اس پر
لعنت کا بجائے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو تو اس میں بالاتفاق
ثواب زیادہ ہوگا مگر نیرید پر لعنت نہ کرنے سے اس کا مقصد اور حاصل ہونا کہاں سے
ثابت ہو گیا؟

میدانِ کربلا میں حضرت
حسینؑ کا آخری خطبہ

خزاعہ غزالیؒ نے حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا آخری خطبہ جو میدانِ کربلا
میں آپ نے دیا تھا۔ نقل کیا ہے اس

سے صورتِ واقعہ کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔

لما نزل القوم بالحسين
رضي الله تعالى عنه واليقين
انهم قاتلوه قام في اصحابه
خطيباً حمد الله واشتأ عليه
ثم قال نزل من الامم مترون
وان الدنيا قد تغيرت وتكررت
وادبر معروفها والشمرات
حتى لم يبق منها الا كسبابية
الاناء الا حنيس من ميثى
كالمرعى الواسيل المترون ان
الحول لا يعمل به والمباطل
لا يتناهى عنه ليعرب المومن
في لقاء الله آخى والى لا يرى
الموت (الاسارة والحياة مع
الظالمين الاحراماً

احياء العلوم ج ۳ ص ۳۹۸

طبع مصر

جب یزیدی فوج حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے مقابل آکر اتریں اور آپ کے
یقین ہو گیا کہ یہ آپ کو ضرور قتل کر کے
رہے گی تو آپ نے اپنے اصحاب کے
سلمے کھڑے ہو کر طلبہ دیا جس میں پہلے
اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر فرمایا: جو
مسیبت نازل ہوئی ہے وہ تمہاری آنکھوں
کے سامنے ہے دنیا بدل گئی اور اجنبی بن
گئی اس کی خوبی نے پیچھے پھیر لی اور طلبہ
سے کہل گئی اب تو اس میں سے بس
سرف آسا باقی رہا ہے جبکہ کہ برتن میں
سے پی لینے کے بعد میں کچھ لگا رہ جاتا ہے
اور باتن سنیں زندگی جو اس چراگاہ کی
طرح ہے کہ جس میں چرنے سے بدستور ہو جاتی
ہے دیکھتے نہیں کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے
اور باطل سے باز نہیں رہ جاتا اب تو میں
کو چاہیے کہ حق تعالیٰ سے ملاقات کی رغبت
کرے اور میں تو مرنے میں اپنی سادہ سمجھا
ہوں اور ظالموں کے ساتھ بیٹے کو جرم۔

یہ ہے یزید کے دور حکومت کا نقشہ جس کی تصویر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مختصر مگر جامع تقریر میں کھینچ کر رکھ دی ہے اب یہ گتھی غزالی یا ان کے پرستار خود حل کریں کہ جس قوم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا تھا وہ یزیدی فوج نہیں بلکہ جنات و شیاطین تھے۔ اور ابنِ خلکان قاف سے نہیں بلکہ کاف سے "ابن خلکان" ہے

امام کیا ہر اسی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے

اسی تاریخ ابن خلکان "میں امام غزالی" کے فتوے کے ساتھ ان کے استاد بھائی شمس الاسلام امام ابوالحسن علی بن محمد

فہرست الملقب عار الدین المعروف بالکیا ہر اسی جن کے بارے میں حوزہ متوخی ابن خلکان نے حانڈ عبد الغافر اسی سے نقل کیا ہے کہ دکان ثانی العزالی ایہ غزالی ثانی تھے اکابر نرسی بھی منقول ہے کہ

دسئل الکیا الفیاض عن یزید
بن معاویۃ فقال انہ لم
یکن من الصوابۃ لانہ ولد
فی ایام عمر بن الخطاب رضی اللہ
عندہ واما قول السلف فی لعنتہ ففیہ لاحد
قولان تلویح و تصریح ولما لای قولان تلویح
و تصریح ولا بی حنیفۃ قولان تلویح و تصریح
ولنا قول واحد المتصریح دور التلویح

اکیا سے یحییٰ یزید بن معاویہ کے بارے میں
نرسی پوچھا گیا تھا انہوں نے فرمایا کہ یزید
صحابی نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت عمر بن
الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں پیدا ہوئے تھے اور اہل سلف
کا قول اس پر لعنت کے بارے میں تو امام احمد کے اس باب میں
دو قول ہیں۔ ایک میں اس ملعون کو کی طرف اشارہ
ہے دوسرے میں اس کی تصریح ہے اور امام مالک کے
بھی دو قول ہیں ایک میں اس پر لعنت کا اشارہ دوسرے میں تصریح ہے

لے ہماری پاس جو استفتاء آیا اس میں قاف سے ہی مرقوم ہے۔ "تاریخ ابن خلکان" اب تک
چار بار طبع ہو چکی ہے ایک فہرست ایران میں اور تین دفعہ مصر میں اس کے تمام مطلوبہ نسخوں میں "عمر بن
الخطاب" ہی مذکور ہے۔ لیکن علامہ کمال الدین و میری نے "حیوة النحویان" میں زیر عنوان
"نہد" اور موردخ ابوالعباس قرمانی نے "اخبار الدول" (ص ۱۲۰) میں اس فتویٰ کے جو اضافہ
ذکر کیے ہیں ان میں "عمر بن الخطاب" کی بجائے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مذکور ہے اور یہی صحیح ہے۔

لعنت بر نفس من شخصے اگرچہ کافر بود
جائزہ داند چہ دانی کہ عاقبت کار او
بایمان و سعادت بود مگر آنکہ بہ
یقین معلوم شد کہ مروت دے بر کفر و
شقادت است، تا آنکہ لعنی و ریزید
شقی نیز توقف کنند و بعضی براہ غلور
افراط در ثمان وے و مولات دے روند
و گویند کہ دے بعد از ان کہ باتفاق مسلمانان
امیر شدہ اطاعت دے بر امام حسین واجب
شد نعوذ باللہ من هذا القول
و من هذا الاعتقاد کہ دے بادیور امام
حسین امام امیر شود باتفاق مسلمانان
برے کے شد جمع از صحابہ کہ در زمان او
بودند و اولاد اصحاب ہم منکر و خارج
از اطاعت او بودند لغم جامعہ از مدینہ
مطہرہ لثام نزد دے کر ہا و جبر آفتند
و اد جائزہ ہائے سنی را مدہ ہائے ہنی نزد
ایشان نہارہ، بعد از ان کہ حال تباحت
مآل او را دیدند بمدینہ باز آمدند و
خلع بیت او کردند و گفتند کہ دے
عدا اللہ و شارب خمر و تارک صلوٰۃ زانی

ہیں کیونکہ مومن کا کام لعنت کرنا نہیں
وہ کسی بھی مخصوص شخص پر اگرچہ رد کا
کیونکہ نہ ہو لعنت کو رد نہیں رکھتے
پتہ کہ اس کا انجام ایمان و سعادت پر
الایہ کہ یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ اس کی موت
کفر و شقاق سے پر ہوئی ہے، حتیٰ کہ بعض
حضرات یزید شقی کے بارے میں بھی تردید
کرتے ہیں اور بعض اس کی شان میں غلو اور
افراط کرتے ہیں اور اس کی دوستی کا دم بھرتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ چونکہ مسلمانوں کے
اتفاق سے امیر ہوا تھا، لہذا انکی اطاعت
امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب تھی
ہم ایسی بات اور ایسے اعتقاد سے اللہ
تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ امام حسین رضی
ہوئے ہوئے وہ امام اور امیر ہو اس کے
امیر ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق کب ہوا؟
صحابہ کی ایک جماعت جو اس کے زمانے
میں تھی اور صحابہ زادے بھی اسکی اطاعت
سے خارج اور اسکی مخالفت سے منکر
تھے، ہاں مدینہ مطہرہ کی ایک جماعت
جبراً دکر ہا اس کے پاس شام گئی تھی اور

ناسق و مستحل محارم است و بعضی دیگر
گنید کرے امر قتل آنحضرت نہ کرو و
ہاں راضی نہ ہو و بعد از قتل دے اہل
بیت سے سرور و شہرت شدہ و ایں سخن
نیز مردود باطل است چہ عداوت آل
بے سعادت با اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ
و سلم است بشمار دے قتل ایشان را زلال
دہانت و امر ایشان را بدیہ تواتر معنوی
رسیدہ است و انکار آل تکلف و مکاریہ
است و بعضی دیگر گویند کہ قتل امام حسین
گناہ کبیرہ است چہ قتل نفس مومن بناحق
کبیرہ است و کفر و لعنت مخصوص با ذراں
است و لیت شعری کہ ارباب ایں تاویل
با احادیث نبوی کہ ناطق اند بانکہ بغض و
عداوت و انیداد دہانت فاطمہ و اولاد
او موجب بغض و انیداد دہانت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
است چہ بے گویند دآں سبب
کفر و موجب لعن و خلود ناریہ
جہنم است بلا شک بہر جب
آیت ان الذین یؤذون

یہ میں نے ان کو بڑے بڑے انعام اور لذت
دہنوں سے نوازا بھی، لیکن یہ حضرات جب
اس کا حال قباحت آل و بچہ کو مدینہ منورہ
والیں ہرے تو اس کی سمیت توڑ دی اور
صاف تباہ کیا کہ وہ دشمن خدا تو مے نوش
تاک صلوٰۃ زانی، ناسق اور مہرات الہی
کا حلال کرنے والا ہے اور بعضی لوگ کہتے ہیں
کہ ائیں نے آنحضرت کے قتل کا حکم ہی نہیں دیا
اور نہ وہ آپ کے قتل پر راضی تھا اور نہ آپ کی
اور اہل بیت کی شہادت پر خوش ہوا اور نہ اچھے
کچھ اچھے خوشی کا اظہار کیا اور یہ بات بھی
مردود و باطل ہے کیونکہ اہل بیت نبوی
سے اس بد بخت کی عداوت اور ان حضرات
کے قتل پر اس کا خوشیاں منانا اور غاص
طوسے ان حضرات کی تذلیل دہانت کرنا
تواتر معنوی کے درجہ تک پہنچ چکا ہے اور
ان امور کا انکار محض بناوٹ اور برہوتی ہے
اور بعض یہ کہتے ہیں کہ امام حسین کا قتل گناہ کبیرہ
ہے کیونکہ کسی مومن کا ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ
ہے۔ اور کفر و لعنت تو کافروں کے ساتھ
مخصوص ہے اور کاش مجھے پتہ چلتا یہ سب

اللّٰهُ وَرَسُولُهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ
فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ وَ
اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا

باتیں بتانے والے ان احادیث نبوی کے
بارے میں کہ جو اس امر پر ناطق ہیں کہ حضرت
فاطمہؑ اور ان کی اولاد کی ایذا و اہانت
اور ان سے لعن و عداوت خود رسول اللہؐ
کی ایذا و اہانت اور آپؐ کے لعن کا موجب
کیا کہتے ہیں حالانکہ ایسا کرنا تو بموجب آیت
ان الذین الخ (بے شک جو لوگ کہتے
ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان کو چھڑکارا
اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں) اور اللہ نے ان
کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور
بلا تک موجب کفر ہے جسکی بنا پر لعنت اور
بہشت ہمیشہ جہنم میں رہنا واجب ہو جاتا ہے
اور بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یزید کے
خاتمہ کا پتہ نہیں شاید اس نے کفر و عصیت
کے ارتکاب کے بعد توبہ کر لی ہو اور آخری
سالوں میں توبہ ہی کی حالت میں گیا ہو

آخیار العلوم میں امام غزالی کا میلان بھی
اسی حکایت کی طرف ہے اور بعض علمائے
سلف و اعلام امت نے جنہیں امام احمد بن
حنبل اور ان جیسے حضرات شامل ہیں یزید
پر لعنت کی ہے اور محدث ابن جوزی جو کہ

ربیع دیگر گویند کہ خاتمہ دے معلوم
عنیت شاید کہ اول بعد از ارتکاب آن کفر و
معصیت توبہ کردہ باشد و در نفس اخیر
بر توبہ رفتہ باشد و میں امام محمد غزالی
در آخیار العلوم: "باین حکایت است
و بعض از علمائے سلف و اعلام امت
مثل امام احمد بن حنبل و امثال او
برائے لعنت کردہ اند و ابن جوزی کہ
کمال شدت و عصیت در حفظ سنت

و شریعت وارد در کتاب خود لعنت ہے
 را از سلف نقل کرده است و بعضی منع
 کرده اند و بعضی توقف مانده اند
 تکمیل البیان ص: ۷۰۔ ۱۔ طبع نجف آباد دہلی

جو سنت و شریعت کی پاسداری میں پوری
 شدت و سرگرمی دکھاتے ہیں اپنی کتاب میں
 یزید پر لعنت کرنے کو سلف سے نقل کرتے
 ہیں اور بعض منع کرتے ہیں اور بعض اس سلسلہ
 میں توقف سے کام لیتے ہیں۔

لعن یزید میں اختلاف علما کی بابت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحقیق

یزید پر لعنت کرنے نہ کرنے کے بارے
 میں علماء میں جو اختلاف ہے اسی کی وجہ
 شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی

یزید پر لعنت میں توقف کی وجہ یہ ہے
 کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بارے میں اس
 پلید کے متعلق متضاد و مخالف روایتیں ملتی
 ہیں بعض روایات سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ
 کہ یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 خاندان اور آپ کے اہل بیت کی
 اہانت پر شاداں و نذران تھا جن حضرات
 کا نظر میں یہ روایات راجح قرار پائیں انہوں
 نے اس پر لعنت کا حکم دیا چنانچہ امام احمد
 بن حنبل اور قبلہ شافعیہ میں سے کیا ہر سی
 اور دوسرے بہت سے علما کی یہ رائے ہے
 اور بعض روایات سے اس امر کی کراہت اور
 اس پر زیادہ اور اس کے اعوان و انصار پر غلب

یہ نساوی عزیزی میں یہ بیان فرمائی ہے۔
 و در لعن یزید توقف از آں جهت
 است کہ روایات متضاد و مخالفہ
 از اہل پلید در مقدمہ شہادت امام
 علیہ السلام وارد شدہ از بعض
 روایات رضا و استبشار اہانت
 اہل بیت و خاندان رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم مضموم میگردد و کما نیکہ این روایات
 در نظر آہنام مرجح واقع شدہ حکم
 بلعن از نو و نہ چنانچہ محمد بن حنبل و کیا ہر سی
 از قبلہ شافعیہ و دیگر علمائے کثیر
 باز بعض روایات کراہت
 اہل امر و کتاب بر این زیادہ اعوان او

و نہ امت بری کار کہ از دست لواب
 ادب وقوع آمد معلوم می شود کہ انیکہ
 این روایات نزد ایشان مزحج شد
 از لحن ارمنی مورد چنانچہ امام حجتہ
 الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
 و دیگر علمائے شافعیہ و اکثر علمائے
 حنفیہ و جماعتی از علما کہ نزد آنہا
 ہر دو روایت متعارض شد نہ ترجیح
 یکطرف بردیکر حاصل نشد بہتابر
 احتیاط توقف نمودند ہمیں است
 واجب بر علماء عند التعارض و هو
 قول ابی حنیفہ آسے در لحن شمر و ابن
 زیاد کہ رفساد استبشار آنہا بایں فصل
 شنیع تعلق است من غیبہ التعارض
 بیچکس را در آن توقف نیست
 (ج ۱ ص: ۱۰۰ طبع مجتہائی دہلی)

اور اس کام پر نہایت کہ جو اس کے ناموں
 کے ہاتھوں وقوع میں آیا معلوم ہوتا ہے
 موجزن لوگوں کے نزدیک یہ روایتیں قابل
 ترجیح ہوتیں۔ انہوں نے اس پر لعنت
 کرنے سے منع کیا چنانچہ امام حجتہ
 الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر
 علمائے شافعیہ اور اکثر علمائے حنفیہ
 ہیں کہ انکی رائے یہی ہے، اور علما کی ایک
 جماعت کہ جن کے نزدیک دونوں روایتوں
 میں تعارض تھا اور ایک طرف کی روایت
 کو دوسری پر ترجیح حاصل نہ تھی انہوں نے
 احتیاط کی بنا پر توقف کیا اور تعارض کے
 وقت علما پر یہی واجب بھی ہے اور یہی
 امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔
 ہاں شمر اور ابن زیاد پر لعنت
 کرنے میں کران کا اس نفل شنیع کے ارتکاب
 پر راضی اور خوش ہونا روایات میں کسی قسم
 کے تعارض کے بغیر تعلق طرز پر معلوم ہے
 کسی شخص کو توقف نہیں ہے

لے غلط فہمی نہ ہو امام ابو حنیفہؒ سے یزید پر لعنت کے بارے میں توقف کی تصریح ثابت
 نہیں بلکہ ان سے جو کچھ منقول ہے وہ تعارض روایات کے وقت توقف کا قول ہے یزید کے بارے
 میں خزانہ کی تصریح اگے آ رہی ہے کہ اس پر لعن جائز ہے۔

یزید پر جب لوگوں نے پٹھکار کی تو قتل حسین پر انہماک نہایت کیا

اگرچہ ہمارے نزدیک یزید کے بارے میں ان روایات میں جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں سرے سے کوئی تدارع

ہے ہی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ پہلے یزید قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت خوش تھا بعد کو جب مسلمانوں نے ہر طرف سے اس پر ہمت اور پٹھکار شروع کی اور ابی اسلم کی نظر میں رہ حقیر ہونے لگا تو پھر اس نے انہماک نہایت شروع کر دیا چنانچہ حافظ سیوطی رح تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں۔

ولما قتل الحسين وبنو ابيه بعث ابن زياد بروسهم ابي يزيد فزبقتهم اولاً ثم ندم لما مقتله المسلمون على ذالک وابتغضه الناس وحق لهم ان يبغضوه
 و تاریخ الخلفاء ص ۸۱)

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی شہید کر دیئے گئے تو ابن زیاد نے ان شہداء کے سر پر گویا یہ گئے پس بھیجا۔ وہ اول تو اس پر بہت ہی خوش ہوا پھر جب مسلمانوں نے اس وجہ سے اس پر پٹھکار شروع کی اور اس سے نفرت کرنے لگے تو اس نے انہماک نہایت کیا اور مسلمانوں کو تو اس سے نفرت کرنا ہی چاہئے تھی۔

حور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں بھی یزید ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہے۔ چنانچہ تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

و بعض قتلى انبياء و پیغمبر زاولها میماند مثل یزید و اخوانه
 اور بعض انبیاء اور پیغمبر زادوں تک کو قتل کر دیتے ہیں جیسے کہ یزید اور اس کے معنوی بھائی ہوئے ہیں۔

یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عہد العزیز صاحب کا فیصلہ

اور یزید پر لعنت کے بارے میں بھی خود
حضرت شاہ صاحب مدح کی جرات ہے
وہ ان کے مشہور شاگرد مولانا سلامت اللہ

صاحب کشفی نے تحریر اشہار تین میں نقل کر دی ہے فرماتے ہیں۔

دریں نکتے نسبت کہ یزید پلید آمد
راضی و متبشر بقتل حسین بود و ہمیں
است مذہب مختار چہر اہل سنت
جماعت چنانچہ در کتب معتمدہ مثل
"مفتاح النبی" و "سرزمین بدشتی" و

"مناقب السادات ملک" و "سیر قاضی
شہاب الدین" و "دلت آبادی" و "شرح
عقائد نسفی" و "سعد الدین" و "نفاذانی" و "تکمل
الایمان" شیخ عبدالحق محدث دہلوی و
غیر اس از اسفار معتبرہ با شراہد و دلائل
مذکور و سطر راست و لبذا العن آل ملعون
بہ حجج قاطعہ و براہین ساطعہ ثابت کردہ
اند و مختار را قلم الحروف و اساتذہ
صوری و معنوی ما ہمیں است کہ یزید
آمد و راضی و متبشر بقتل حسین بود
و مستحق لعنت ابدی و وبال کمال
سرمد است و اگر تامل بکار و رد و قصر

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یزید پلید
ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا
حکم دینے والا اور اس پر راضی اور خوش
تھا اور یہی جہد اہل سنت و جماعت کا
پنڈیہ مذہب ہے چنانچہ معتمد علیہ
کتب میں جیسے کہ "سرزمین بدشتی" و "مفتاح
النجا" اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین
و "دلت آبادی" و "مناقب السادات" اور
"سعد الدین" و "نفاذانی" و "تکمل
عقائد" و "شیخ عبدالحق محدث دہلوی
کی تکمیل الايمان" اور ان کے علاوہ دوسری
مستبرک کتابوں میں مع دلائل و شراہد مذکور
مرقوم ہے اور اسی لیے اس ملعون پر لعنت
کے روا ہونے کو قطعی دلائل اور روشن
براہین سے ثابت کر رکھے ہیں اور اقام الحروف
اور ہمارا اساتذہ صوری و معنوی نے جبرمسلک
کو اختیار کیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ یزید ہی

بہ مجبور لعنت در حق آن ملعون تصریح است
 کہ مقصود بر آن نباید بود چنانچہ
 استاد البریہ صاحب "تحفہ"
 اثنا عشریہ "علیہ الرحمۃ در سالہ حسن
 العقیدہ" در حاشیہ کہ بر کلمہ "علیہ
 المستحقہ" تعلق فرمودہ اندانہ
 مینماید کہ "علیہ المستحقہ" کنایہ
 است از لعنت "والکنایۃ البیغ من
 التصریح" از قواعد مشہورہ عربیت است
 مع ہذا در ابہام مایستحقہ تفسیحی نہ
 تشیع است کہ در تصریح لفظ لعنت
 فوت میگردد، چنانچہ در تفسیر
 فغشیہم من الیم ما غشیہم
 مذکور شدہ رحمت نیست کہ اکثراً
 بر نفس لعنت در حق یزید تصریحات زیر آید
 این قدر را جزاء مطلق تزل مومن بقدر
 کردہ اند قال اللہ تعالیٰ و من
 یقتل موعناً متحداً فجزاؤک
 جہنم خالداً فیہا و غدیبت
 اللہ علیہ و لعنہ و اعداؤہ
 عذاباً عظیماً۔

و یزید را دریں مسم زیاد نسبت کہ غیر از

قتل حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دینے والا اور اسی پرانی
 اور خوش تھا۔ اور وہ لعنت ابہی اندال
 نکال سرمد کی کا مستحق ہے اور اگر موحیاً
 تو اس ملعون کے حق میں صرف لعنت ہی پر اکتفا
 کرنا بھی ایسی کوتاہی ہے کہ اسی پر بس نہیں
 کرنا چاہیے۔ چنانچہ استاد البریہ صاحب
 تحفہ اثنا عشریہ (شمارہ عبدالعزیز صاحب)
 علیہ الرحمۃ نے رسالۃ حسن العقیدہ کے حاشیہ
 میں جملہ علیہ المستحقہ پر جو تعلیق (نوٹ)
 سپرد حکم فرمایا ہے اس میں افادہ فرماتے ہیں کہ
 مایستحقہ، لعنت سے کنایہ ہے اور یہ بات کہ
 کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے عربیت کا
 مشہور قاعدہ ہے اسی کے ساتھ مایستحقہ
 یعنی (جس کا وہ قسم ہے) کے ابہام میں اس
 پر تشیع اور اس کی حد درجہ فراخی پنہاں ہے
 وہ سراجاً لعنت کے لفظ کے استعمال سے
 فوت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیتہ فغشیہم
 من الیم ما غشیہم کی تفسیر میں اس
 کا بیان آئے ہے اور حق یہ ہے کہ یزید کے حق
 میں محض لعنت پر اکتفا کرنا کوتاہی ہے ایسے
 کہ اس قدر تو مطلق مومن کے قتل کی سزا مقرر کر چکے
 ہیں شمار الہی ہے اور جو کوئی قتل کرے سزاوارک

راست نداده و آن زیادت را جز بر استحقاق
اور حوالہ نہ تو ان کرد کہ علم بشر از معرفت خصوصیت
آن عاجز است دانشمند اعلم و علمہ احکم
اسی کلام الشریف : (تکریر الشہادتین
ص : ۹۶ - ۹۷ مطبوعہ مدخلیہ گنج
آغا جان لکھنؤ ۱۲۵۶ھ - ۲

جان کر تو اسکی سزا درخ ہے پڑا رہے گا ہمیں
اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور
اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب اور یزید نے
تو اس عمل کے ارتکاب میں وہ زیادتی کی ہے
کہ جو دوسرے کو ستیر ہی نہ ہوگی اس لیے اس
زیادتی کو مجبزا کے استحقاق کے اور کسی امر چوالم
نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انسان کا علم اس کے
خصوصی استحقاق کی معرفت سے عاجز ہے دانشمند
اعلم و علمہ احکم یہاں حضرت شاہ صاحب کا
ارشاد ختم ہوا۔

معلوم ہوا کہ بلا میں جو مظالم کیے گئے ان کی بنا پر شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک
"یزید" حق تعالیٰ کے اس قدر قہر و غضب کا سزاوار ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے اس پر لعنت کرنا
تو کچھ بھی نہیں لہذا بہتر یہ ہے کہ اس کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کے بارے میں یوں کہنا
چاہیے "علیہ المستحقہ" کیونکہ خدا کو ہی معلوم کہ وہ اس کے کس قدر غضب کا مستحق ہے۔
اور بعض حضرات یزید پر اس لیے
لعنت کرنا مناسب نہیں خیال کرتے
کہ اس طرح تو اس کے گناہ اور کم
بہتر چنانچہ مولانا غلام ربانی ازالۃ الخطارفی رد کشف الغطاء میں لکھتے ہیں۔

دعا ہر است کہ گفتن لعن و طعن موجب
سقوط ذرا از مطعون میگردد لہذا زبان
بلعن آلودہ نمی کنند در روح یزید پلید
اور ظاہر ہے کہ لعن طعن کرنے سے اس کے
دبال میں کمی آتی ہے جس کے بارے میں لعن طعن
کیا جاتا ہے.. لہذا زبان کو لعنت سے آلودہ

ہیں کرتے اور تخفیف عذاب کے سبب
یزید پلیدار رج کو شاد نہیں کرتے بلکہ یہ
پہاتے ہیں کردہ اسی طرح گناہ کا بھاری
بوجھ لائے لائے کر شکستہ رہے۔

راتخفیف وزر ثارمان نمی سازند
بلکہ می خواهند همچنان حامل و زر
گراں بود مقصوف المتن باشد
(ص: ۳۵، ۳۶ طبع مطبع محب کشور)

ہند میرٹھ (۱۲۸۵ھ)

بعض کے پیش نظر یہ مصلحت ہے
کہ کہیں سلسلہ آگے تک نہ بڑھ جائے

اور علامہ سعد الدین نقاش زانی نے
شرح مقاصد میں تصریح کی ہے
کہ جو حضرات یزید پر لعنت کرنے
سے منع کرتے ہیں ان کے پیش نظر یہ مصلحت بھی ہے کہ کہیں عوام یزید پر لعنت کرتے کرتے
بزرگوں تک نہ پہنچ جائیں جیسا کہ رافضیوں کا شمار ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

فان قيل فمن علماء المذهب
من لم يجوز لعن علي بن ابي طالب
مع علمهم بانه يستحق ما
يولج علي ذلك ويؤيد قلنا
تحاميا عن ان يرتقى الى ادعوى
فالاعلى كما هو شعار المرافض
(ص: ۳۰، ۳۱ طبع قسطنطنیہ)

پھر یہ بھی کہا جائے کہ بعض علماء مذہب شافعی
میں ایسے بھی ہیں کہ یزید پر لعنت کرنے
کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ ان کو یہ علم ہے
کہ وہ لعنت سے بھی بڑھ کر ایذا دہاں
کا مستحق ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ منع کرنا
اس احتیاط کی بنا پر ہے کہ کہیں یہ سلسلہ
ترقی کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ تک نہ پہنچ
جائے جیسا کہ رافضی کا شمار ہے۔

نرم صیبا کہ ہم نے سابق میں تحریر کیا ہے یزید کی فرد جرم میں صرف تین حسین کا اندراج
ہیں بلکہ اس کے گناہوں کی نہرست بڑی طویل ہے آخراں کے کس کس جرم کا انکار کیا جائے گا
پہلے شبہ کے جواب میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسے ایک بار پھر پڑھ لیجئے معلوم

الذی فی کفہ ارید فثرب شم
 قال لہ مسلم بن عقبہ قم
 الی ہہنا فاجلس فاجلس
 معہ علی السریہ وقال لہ: ان
 امیر المؤمنین اوصانی بک وان
 ہو لاء شغلونی عندک شم قال لعلی
 بن الحسین بعد اہلک فرزع افعال
 اسی واللہ فامر بداربہ فاسرحت
 شم حملہ علیہا حتی ردہا
 الی منزلہ مکرمًا
 (البدایہ والنہایہ ج ۷)

ص ۲۲۰

اور نہ سے پی ہی سکتے تھے تب اس شقی نے آپ کو
 بتلایا کہ اگر امیر المؤمنین تمہارا خیال رکھنے کی
 بجھے تاکید نہ کرتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا
 اس کے بعد کہنے لگا اچھا اب تم پینا چاہتے
 ہو تو پی لو اور چاہو تو ہم تمہارے لیے
 اور نمکاویں حضرت نے فرمایا پس جو میسر
 ہوا تھ میں ہے وہی پینا چاہتا ہوں پھر ان
 کہنے لگا اور دھڑکھڑکھ بیٹھ جاؤ اور آپ کو
 اپنے پاس تخت پر بٹھالیا اور کہنے لگا
 کہ امیر المؤمنین نے تو مجھے تمہارے بارے میں
 تاکید کر دی تھی مگر ان لوگوں نے مجھے ناشتوں
 رکھا کہ تمہاری طرف توجہ ہی نہ ہو سکی پھر حضرت
 سے کہنے لگا شاید تمہارے گھڑے تمہاری طرح
 پریشان ہوں حضرت نے فرمایا بجز الیا ہی ہے
 چنانچہ سلم نے اپنی سواری پر نوزین کئے کا حکم دیا
 اور پھر اس پر سوار کر کے باعزت طور پر ان کو اپنے
 گھر پہنچا دیا۔

اہل شام کا حضرت زین العابدین کو ستانا |

ارطبات ابن سعد میں ہے

اخبرنا الفضل بن دکین قال: اخبرنا
 حفص عن جعفر عن ابيه ان علی

حضرت علی بن حسین کنکریاں مارنے کے لیے
 بیوں ہا کرتے سنائی میں آپ کا ایک مکان تھا

بن حسین کان یمنی الی الحجار
 رکانہ منزل بہنی رکان اهل الشام
 یؤذونہ نکول الی قرین الثعالب او
 قریب من قرین الثعالب رکان
 یرکب فاذا اتی منزلہ مشی الی
 الحجار (ج ۵ ص ۲۱۹)
 مطبوعہ بیروت ۱۳۳۷ھ

اہل شام آپ کو سنا یا کرتے تھے اس لیے آپ
 اپنے مکان سے قرین الثعالب یا اس کے
 قریب اٹھ کر آگئے اب آپ سواری پر آنے
 لگے اور جب اپنے گھسریچے تو پھس
 کنکریاں مارنے کے لیے پا پیادہ
 جایا کرتے۔

اہل بیت کی حق تلفی

اور اسی میں ہے۔

اذہنا مالک بن اسماعیل قال:
 حدثنا سہل بن شعیب النہمی ر
 کان نازل فیہم یومئذ عن ابیہ
 عن الجہال یعنی ابن عمرو قال
 دخلت علی علی بن حسین فقلت کیف
 أصبحت اصبحت اصبحت اللہ بہ فقال ما كنت
 اُمری شیخاً من اهل البصر مثلاً
 لا یدری کیف اصبحنا ما اذالم
 قدرنا و تعلم فسا خبرك اصبحنا فی
 قمرنا بمنزلہ بنی اسرائیل فی آل
 قریون اذ کانوا یدجون بنی اہلہم
 و یسبحون نساً و عسراً صبح شیخنا

سہل بن شعیب نہیں جو بنی نہم میں امامت
 کرنے کی وجہ سے با کرتے تھے اپنے باپ شعیب
 اور شعیب منہا بن عمرو سے روایت کرتے ہیں
 کہ میں نے حضرت علی بن حسین کی خدمت میں
 حاضر ہو کر عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت
 سے رکھے صبح کس حال میں ہوئی؟ فرمایا میں نہ
 سمجھتا تھا کہ شہر میں آپ جیسا بزرگ بھی
 یہ نہیں جانتا کہ ہم نے صبح کس حال میں کی اور
 اور جب آپ یہ نہیں جانتے یا اس کا علم آپ کو
 نہیں تو پھر میں اب بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے
 اپنی قوم کے ساتھ اس حال میں صبح کی جو طرہ
 بنی اسرائیل نے قوم ذریون کے ساتھ کی تھی

وسيدنا يتقرب إلى عددنا بستمه
 او سببه على المناجاة وصحت
 قریش بعد ان لها الفضل على العرب
 لان محمداً صلى الله عليه وسلم
 لا يعد لها فضل الا به وصحت
 العرب مقرة لهم بذلك وصحت
 العرب بعد ان لها الفضل على العجم
 لان محمداً صلى الله عليه وسلم منها لا
 يعد لها فضل الا به وصحت العجم
 مقرة لهم بذلك فثبت
 العرب صدقت ان لها الفضل
 على العجم وصدقت قریش ان لها
 الفضل على العرب لان محمداً صلى
 الله عليه وسلم منها ان لنا اهل
 البيت الفضل على قریش لان محمداً
 صلى الله عليه وسلم منا واصحابنا
 ياخذون بحقنا ولا يعرفون لنا حقاً
 فهكذا اصبحنا ان لم تعد كيف اصبحنا
 قال فظننت اننا اشد ان يسمح
 من في البيت

کردہ ان کے لڑکوں کو توڑ بک کر دیتے تھے اور
 ان کی عورتوں کو جینے دیتے تھے اور ہمارے
 اور ہمارے سردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ
 کے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے کہ ہر سر منبر ان
 پر سب شتم کر کے ہمارے دشمن کا تقرب
 حاصل کیا جاتا ہے اور قریش نے اس حال
 میں صبح کی کردہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو عرب پر
 ایسے فضیلت حاصل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم قریش میں اور ان کے بغیر ان کی
 فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اہل عرب نے
 اس حال میں صبح کی کردہ بھی قریش کی اس
 فضیلت کے متکبر ہیں۔ نیز اہل عرب نے
 اس حال میں صبح کی کردہ بھی قریش کی اس
 کو اسی لئے شمار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم عربی تھے اور آپ کے بغیر عرب کی
 فضیلت شمار نہیں ہو سکتی۔ اور اہل عجم نے اس
 حالت میں صبح کی کہ انہیں بھی عرب کی اس
 فضیلت کا اعتراف ہے پس اگر عرب اس
 دعویٰ میں سچے ہیں کہ ان کو عجم پر فضیلت ہے
 اور قریش بھی سچے ہیں کہ ان کو عرب پر فضیلت
 ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب

بھی تھے اور قریشی بھی تو ہم اہل بیت کو بھی
 قریش پر اسی لئے نفی ہے کہ حضرت محمد
 ہم میں سے تھے اب قریش اہل بیت کے حکمران
 بنی امیہ مراد میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ
 خود تو مبارحتے چکے ہیں مگر پناہ پر ہمارا کوئی
 حق نہیں سمجھتے۔ اب سزجیب تمہیں یہ علم ہے ہی
 نہیں کہ میں صبح کس حال میں آئی تو اس حال میں آئی
 ہے منہال کا بیان ہے کہ مجھے خیال پڑتا ہے کہ
 حضرت ان لوگوں کو مناسب ہے جو اس وقت
 گھر میں آئے ہوئے تھے۔

دسواں شبہ

یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد عاری سادات کی رشتہ داریاں

اسی سادات سے ہوئی رہی ہیں۔

اس شبہ کا جواب

یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ کی اولاد
 ان یزید کی اولاد کے درمیان کوئی رشتہ
 مناکحت قائم نہیں ہوا کتب تواریخ و

واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ اور یزید
 کی اولاد میں کوئی رشتہ نہیں ہوا

اناب کا پر ہونا تجربی بات ہے اس سلسلہ میں ایک قرابت کا ذکر بھی کتب تاریخ و انساب
 میں ثابت نہیں مگر واحد عباس نے اپنی کتاب خلافت مہدیہ میں یزید بنی فاطمہ اور بنی
 امیہ کی بہت سی قرابتوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں ایک نظم بھی پیش کر کے کہہ دیوں
 کہ سادات میں شامل کرنا ناقصیت ہے امویہ کا شمار اہل بیت میں نہیں ہے۔

عبدالملک کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا یہ بھی واضح ہے کہ بنو امیہ اور بنی فاطمہ

کے بہت سے خاندان تھے عبدالملک مردانی جب تخت حکومت پر براجمان ہوا تو اس نے یزید کے زوال سے عبرت پکڑ کر حجاج بن یوسف کو یہ تاکید کر دی تھی کہ بنو ہاشم سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا جائے کیونکہ آل ابی سفیان نے جب ان پر زیارتی کی تو ان پر زوال آگیا چنانچہ حناظ ابن تمیمہ لکھتے ہیں۔

فان الحجاج مع كونه مبيناً سفاكاً
للداء قتل خلقاً كثيراً له يقتل
من اشرف بني هاشم احداً قط
بل سلطانہ عبد الملك بن مردان
نہاك عن التعرض لبني هاشم
دھم الاشراف وذكر انه اتى الى
بني الحرب لما تعرضوا لھم یعنی
لما قتل الحسين بجرؤنا دمی
ابن تیمم ج ۳ ص ۱۵۴ (۵۰۴)

بلاشبہ حجاج نے باوجودیکہ وہ بڑا ملاکار اور سخت خرنریز تھا اور اس نے ایک خلق کثیر کو قتل کر دیا تھا تاہم اشرف بنی ہاشم میں کبھی کسی کو قتل نہ کیا بلکہ اس کے سلطان عبدالملک نے بنی ہاشم سے جو اشرف کہلاتے ہیں کسی قسم کا بھی تعرض کرنے سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ بنو حرب نے جب ان سے تعرض کیا تو ان کی شامت آگئی مطلب یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تو ان پر بار آگیا۔

اسی لئے بنو ہاشم اور بنو مردان میں اگر تعلقات قرابت لہد میں بھی قائم رہے اور ایک دوسرے سے رشتہ مناکت کا سلسلہ چلتا رہا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ یزید کے مظالم کے مردانی بھی اقرار ہی تھے۔

گیارہواں شبہ

یہ ہے کہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد کوفہ کے شریر النفس لوگوں نے سیدنا حسینؑ کو یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا اور جب آپ نے یہ جان لیا کہ یزید کی بیعت پر کام امت

متفق ہے تو آپ اپنے ارادہ سے دست بردار ہو گئے۔

یہ ہے کہ یہ محض ہرزہ سرائی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں تاریخ
طبری، البیہ و البہایا بن الاثیر الاصابہ لابن حجر الدین تاج الدین
الخطاب یہ سب کتابیں ہمکے پیش نظر ہیں۔ ان میں کہیں یہ مذکور نہیں جو مستغنی نے سوال میں
ذکر کیا ہے

کیا الیاز با لہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض نے ناوان عقل سے کوئے
احکام شرع سے بالکل ناواقف اور دینی تقاضوں سے سرے سے نا آشنا تھے کہ سائل کو تو
اس حقیقت کا پتہ چل گیا مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور ان شرعیہ النفس لوگوں کے بہکانے
میں آکر جن کے

”نا مبارک عزائم و مقاصد کہیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور
اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوئے اور کہیں جنگ
جمل و صفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے حتیٰ کہ حضرت علی
المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور جن رضی اللہ عنہ کی تربیت و تہذیب سے بھی انہیں
کے نامہ اعمال سیاہ اور رامن و اغدار ہیں۔“

آپ نے یہ یاد کر لیا کہ امیرنیزیدامت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں اور پھر ان کے خلاف مزاج پر
آئوہ ہو گئے سبحان اللہ اس سے زیادہ اور کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق و تحقیق میں کہا
جاسکتا ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ نہ صرف حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے بعد ساری
امت اسلامیہ پر آج تک یہ حقیقت منکشف ہی نہ ہوئی جو مستغنی پر واضح ہوئی ہے لہذا
باللہ من ہذہ الخرافات جھوٹ بولنے کی حد ہو گئی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت میں کسی کوئی کا ہاتھ نہ تھا!
تعالیٰ عنہ کی شہادت میں کسی

کوئی کا لہجہ نہ تھا یہ محض جھوٹ ہے نہ ان کی شہادت کسی ساکن کے تحت عمل میں آئی ان کی شہادت کے بارے میں سازش کا افسانہ موجودہ دور کے ملحد بیسوں کے ذہن کا ساختہ و پراختہ ہے اس کی تفصیل کے لیے ہمارے رسالہ اکابر صحابہ پر مہمان کا مطالعہ کرنا چاہیے

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین میں بھی کسی کوئی نام نہیں لیا جاتا، انگریزوں میں بھی اکثریت اہل مصر کی تھی

لہجہ غلط باتوں پر تنبیہ

جنگ عہد مصنفین میں کیا طریقے سے سارے صحابہ کرام (غزوہ باندہ) ریوانے ہو گئے تھے کردہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان شریرانہ نفس گروں کی شرارت کو بالکل نہ سمجھ سکے۔ اور قتل و قتل کا شہکارہ کا زار جبار کدکھا ایک ملحد ایسی بات سوچ سکتا ہے کہ مسلمان کا ذہن اس خرافات کو باور نہیں کر سکتا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل عبد الرحمن بن ملجم مرادی پکا خارجی تھا خارجیوں کا گروہ کرنے نہیں نہروں تھا ابن مہاجر قاتل علی کوئی نہیں مصری تھا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدوین و تفسیر میں خرافات اور لواحد بے پیش پیش رہے ہیں

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف اس کی لاپرواہی کی بنا پر دوسرے کہنے سے نہیں بلکہ دینی بصیرت کے مطابق محض باللہ

یزید کے خلاف حضرت حسین

کا اقدام اللہ فی اللہ تھا۔

فی اللہ بقرآن علیہ کلمۃ اللہ تھا چنانچہ حافظ ابن حجر مفتح الباری میں لکھتے ہیں

ایکسا تسمان صغرات کی ہے جو حکام کے ظلم و ستم اور سخت نبوی پرانے عمل نہ کرنے کی بنا پر نبی غیرت و عیت میں نکلے سب اہل حق میں اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل مدینہ جنہوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا اور وہ تمام

ذمہ بخرجوا عنہ اللہ من اجل

جور الدلۃ و ترک عملہم بالسنة

النبویۃ فہولاء اهل الحق۔

ومنہم الحسین بن علی و اهل

المدینۃ فی الحرۃ و القراء للذین

خروج علی الحجاج۔

علاج حجاج کے خلاف نکلے سب کا شمار ان

ہی اہل حق میں ہے

(فتیہ الباری ج ۲، ص ۱۲ طبع مصر)

جن حضرات نے یزید حجاج کے خلاف
اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا

شروعی نقطہ نظر سے حضرت حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اصحابِ حرہ
سے یزید کا جنگ کرنا کسی طرف بھی

تلقاً جائز نہیں تھا چنانچہ حافظ ابن حجر فتیہ الباری میں رقمطراز ہیں

جو کسی ایسے حکمران کی اطاعت سے نکلے کہ جو

من خرج عن طاعة امام جائز

ظالم ہرادرش شخص کے جان یا مال یا اہل و عیال

اراد الغلبة علی ماله و نفسه

پر قابض کرنا یا بتا ہر تو ایسا شخص مکرر ہے

ار اھله فهو معذور لا

اذا ثبت قتال عدل نہیں اور اس شخص کو اپنی

یحل قتاله و لہ ان یدفع

خواتین کے مطابق اپنی جان مال اور اپنی اہل و عیال

عن نفسه و ماله و اھله

کی طرف سے دفاع کا حق حاصل ہے

بقدر طاقتہ

چنانچہ امام فہرری نے بسند صحیح عبد اللہ بن حارث

و قد اخرج الطبرانی بسند صحیح

سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مفسر کے ایک

عن عبد اللہ بن الحارث عن

شخص کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

رجل من بنی مضر عن علی و قد

عند سے راوی ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر

ذكر الخوارج فقال ان خالفوا

فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف فریب کرتے

اماماً عدلاً فقاتلوهم و ان خالفوا

میں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف

اماماً جائراً فلا تقاتلوهم فان

خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم حکمران

لھم مقالاً

کی مخالفت کریں تو ان سے قتال نہ کرو مگر

ان کو کہنے کا حق حاصل ہے اس لیے معذور ہیں

ابن سے روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَعَلَىٰ ذَٰلِكَ يَحْمِلُ مَا وَقَعَ

لِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ثُمَّ لَأَهْلِ الْمَدِينَةِ

فِي الْحَقِّ ثُمَّ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ

ثُمَّ لِلْقُرَآنِ الَّذِينَ خَرَجُوا عَلَى الْحَجَّاجِ

فِي قِصَّةِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ

ابن الأشعث والله أعلم

(ج ۱۲ ص ۲۵۳ - ۲۵۴)

اور اسی صورت پر محمول ہوگا جو حضرت حسین

بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ پیش آیا

اور پھر مقام حر میں اہل مدینہ کے کشا پھر عبداللہ

بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ اور ان

علماء کے ساتھ کہ جنہوں نے عبدالرحمن بن محمد بن

الاشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج

کیا تھا کہ ان سب حضرات کے تال ناجائز تھا واللہ اعلم

چوتھے شجرہ کے جواب میں حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وہ خط

جو یزید کے نام لکھا گیا تھا دارج

حرمین میں یزید اور اس کے عمال نے
حضرت حسینؑ کو چین سے بیٹھے دیا

کیا جا چکا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یزید کے

عمال نے حرمین میں چین سے بیٹھے ہی نہ دیا مدینہ میں تھے تو بیعت یزید پر اصرار تھا مکہ معظمہ

آگئے تو وہاں بھی یزید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام خط لکھ کر اپنے قلعہ اشجار

میں حضرت حسینؑ کو قتل کی دھمکی دی تھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نہیں چاہتے تھے

کہ ان کی وجہ سے حرم مکہ میں خونریزی ہو اور حرم کی عزت خاک میں ملے تھی۔ اس لئے آپ نے کوثر

کارخ کیا کہ وہاں آپ کے اعوان انصار تھے۔

اور جن حضرات نے کوثر جانے سے حضرت حسین

کو روکا وہ بربائے شفقت

تھا انہ اس بنا پر کہ آپ کا یہ اقدام

سے روکا وہ بربائے شفقت

تھا انہ اس بنا پر کہ آپ کا یہ اقدام

جن حضرات نے کوثر جانے سے حضرت حسین

کو روکا وہ بربائے شفقت

نور بانی اللہ خلاف شریعت تھا۔ ورنہ روکنے والے آپ سے صاف صاف کہہ دیتے کہ آپ ترکیب مقصیت ہو چکے ہیں یزید جیسے خلیفہ برحق کے خلاف خروج کرنے سے آپ شریعت کی رو سے باغی مباح الدم اور واجب القتل ہوں گے۔ اسی لیے خلیفہ برحق سے نبیارت کرنا آپ کے ثنائی شان نہیں غور فرمائیے یہ حضرات کونیوں کی بے وفائی کا اندیشہ ظاہر کرتے ہیں مگر آپ کے اس اقدام کو گناہ قرار نہیں دیتے۔

کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے

کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے ان میں
مخلصین کی کثیر جماعت تھی حضرت حسینؑ

کو مرتبہ شہادت پر نازل ہونا تھا اس لیے لاکھ جتن کیے جاتے مرناسی تھا جیسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت میں ازل سے نبیارت مقدر تھی بہت سے صحابہ کرامؓ نے آپ کی نصرت میں اپنی خدمات پیش کیں اور محاصرین سے جنگ کی اجازت مانگی بظاہر خیال ہوتا ہے کہ اگر محاصرین سے جنگ کی جاتی تو ان کا نرار پر قرار ضروری تھا لیکن آپ نے اسے پسند ہی نہ فرمایا اور آخر جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انجام سے ناواقف نہ تھے راہ حق میں شہادت مطلوب ہونے سے اس لیے آپ نے جو قرین معلومت سمجھا اسی پر عمل کیا۔

کوفہ کے گورنر اس وقت نعمان بن بشیر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے صحابی تھے۔ یزید کو جیسے

کوفہ کی گورنری پر اپن زیاد کا تقرر
اور حضرت حسین کی شہادت

ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عازم کوفہ ہونے کی اطلاع ملی اس نے فوراً حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دہاں کی گورنری سے معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو جسے یزید اپنا چچا زاد بھائی بتاتا تھا کوفہ کا گورنر بنا کر روانہ کر دیا۔ اس نے آتے ہی جو ظلم و ستم ڈھلایا اس سے تاریخ کے ادراک پر ہیں۔ بڑے بڑے سرکردہ لوگوں کو دادر و ہش سے سر کیا۔ اور عوام کو

جبروتہر سے کوئٹہ کی چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی کہ کسی کو کسی کی خبر نہ ہو، اور کوئی کہیں نہ جاسکے۔ صورتحال میں اسی اپناٹنگ تبدیلی سے غلامین کو آپ کی نقل و حرکت کی خبر نہ ملنے کے سبب مدد کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی کوئٹہ سے پچیس میل دور ہی تھے کہ ابن زیاد کے حکم سے راہ ہی میں حر بن یزید تمیمی کے دستہ فوج لے کر ایک ہزار سواروں پر مشتمل تھا آپ کا محاصرہ کر لیا۔ پھر عمر بن سعد کی سرکردگی میں مزید چار ہزار سپاہ روانہ کر کے پہلے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارواں کا پانی بند کیا۔ پھر ان سب حضرات پر حملہ کر کے ان کو شہید کر ڈالا۔ چنانچہ امام نجاشیؒ تاریخ صغیر میں لکھتے ہیں:-

حدثنا موسى ثنا سليمان بن مسلم ابوالمعالی العجلی قال سمعت ابی ان الحنفی لما نزل کریمہ فاول من طعن فی سرادبه عمرو بن سعد فرأیت عمرو بن سعد را بنیه قد ضربت اعناقهم وعلقوا علی الخشب ثم الهبت فیهم النار : تاریخ صغیر ص: ۱۷۵

ہم سے موسیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم کو سلیمان بن مسلم ابوالمعالی عجبی نے بتایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا کرتے تھے کہ حضرت حسینؑ جب سرہلہ میں دھڑکتی ہوئی تو سب سے پہلے جس شخص نے ان کے سر پر دہ میں نیزہ مارا وہ عمر بن سعد تھا۔ پھر میں نے (کچھ عرصہ بعد یہ منظر بھی دیکھا کہ عمر بن سعد اور اس کے دونوں بیٹوں کی گردنیں ماری گئیں اور انہیں شہتیر پر لٹکا کر نذر آتش کر دیا گیا۔

اور ان سب شہدا کو رملہ کے سرکاٹ کر انکو کوہِ ردا نہ کر دیا گیا۔

حضرت حسینؑ کا سر مبارک جب عبید اللہ بن زیاد کے سامنے طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو اس ابن زیاد بدبھار نے

حضرت حسینؑ کے سر مبارک کے ساتھ
ابن زیاد کی گستاخی...

آپ کے سر مبارک کے ساتھ جو گرتا فی کی اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔

محمد بن سیرین حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ عبید اللہ بن زید کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو وہ مرد در چھڑی سے اسی کو چھڑتا رہا اور آپ کے حن کے بائے میں بد زبان کی اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت شائبہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک پر اس دقت کسمہ کا خضاب تھا۔

حدثنا محمد بن الحسين بن ابراهيم ثنا الحسن بن محمد ثنا جابر بن محمد بن انس بن مالك قال اتى عبید اللہ بن زید برأس الحسين رضي الله عنه فجعل ينكته وقال في حنہ شيئاً فقال انس كان اشبههم برسول الله صلى الله عليه وسلم وكان متخفواً بالوسمة

(صحیح البخاری ص: ۵۳۰ ج ۱)

اور جامع ترمذی میں یہ روایت ان الفاظ سے آئی ہے

حفصہ بنت سیرین کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ابن زید کے پاس تھا اتنے میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے لا با گیا تو وہ چھڑی سے آپ کی ناک کو چھڑ کر ابلورہ طسرا کہنے لگا میں نے تو ایسا حسین ہی نہیں دیکھا پھر اس کے حن کا کیوں چرچا ہے میں

حدثنا خلد بن اسلم البغدادي نا النضر بن شميل نا هشام بن حسان عن حفصة بنت سيرين قالت ثنى انس ابن مالك قال كنت عند ابن زيد فنجى برأس الحسين فجعل يقول بتغيب في انفه ويقول ما رأيت مثل هذا حسناً لم يذكر قال قلت اما انه

كَانَ أَشْبَهُهُمْ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

(ج ۲ ص ۲۱۹)

عمر بن سعد کا حشر | عمر بن سعد کا جو حشر ہوا وہ ابھی تاریخ بخاری کے حوالہ سے
آپ پڑھ چکے کہ وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد ہی قتل کر دیا گیا اور
پھر اس کے لاشے کو آگ میں جلا دیا گیا یہ رات تھکے کلہے

ابن زیاد کے سر کے ساتھ | اسی وقت میں بروز عاشوراء ہی ابن زیاد بد نہاد
بھی ابراہیم بن الاشتر کے ہاتھ سے مارا گیا
اور اسی قہر میں جہاں لاشہ میں حضرت

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس کا سر مبارک
بھی رکھا گیا پھر اس کے سر پر جویتی وہ سننے کے لائق ہے امام ترمذی اپنی جامع میں
فرماتے ہیں۔

عن عمار بن عمیر قال لما
جئ بواؤس عبید اللہ بن زیاد وجماعہ
لفدت فی المسجد فی الرحبة

فانتهیت الیہم وہم لیلون
قد جارت قد جارت فازیحیة قد جارت تغل
الروسیحتی دخلت فی منخری عبید اللہ
بن زیاد فمکثت ہنیة ثم خرجت
فذهبت حتی تہیت ثم قالوا

عمارہ بن عمیر کا بیان ہے کہ جب عبید اللہ بن
زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لاکر چوک کی
مسجد میں بالترتیب کھائے تو میں بھی وہاں پہنچا
اس وقت لوگوں کی زبان پر تھادہ آیا وہ آیا
دیکھا تو ایک سانپ سردی میں سے گھسا ہوا
ابن زیاد کے نگوں میں داخل ہوا پھر ذرا
دیر رہ کر اہر غائب ہو گیا اب پھر لوگوں نے
کہنا شروع کیا وہ آیا وہ آیا غرض اس سانپ

نے دو تین بار ایسا ہی کیا۔

قد جاءت تدجاءت ففعلت ذاك
مرتلياً وشاهدنا هذا حديث حسن
صحیح (ج ۲ ص ۲۱۹)

یزید کلونیہ سے ناکام وٹا سرا جانا

اور یزید کا جو حشر ہوا وہ حافظ ابن کثیر
کے الفاظ میں ہے۔

وقد اخطأ يزيد خطاء فاحشا
في قوله لمسلم بن عقبة ان
تبع المدينة ثلاثة ايام وهذا
خطا كبير فاحش مع ما انعم الي
ذالك من قتل خلق من الصحابة
وابناءهم وقد تقدم انه قتل
الحسين واصحابه على يد عبید
بن زياد وقد وقع في هذه الثلاثة
ايام من المفاسد العظيمة في
المدينة النبوية مالا يحدر ولا
يوصف مالا يعلمه الا الله
عز وجل وقد اراد بارسال مسلم بن
عقبة لوطيد سلطانہ وملكه و
دوام ايامه من غير منازع
فغاقبه الله بنقيض قصده وحال

یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ کہہ کر کہ وہ تین دن تک
مدینہ نبوی میں قتل و غارتگری جاری رکھتے
بڑی خطاناہشی کی یہ بڑی سخت اور فحش
غلطی ہے اور اس کے ساتھ صحابہ اور صحابہ
زادوں کی ایک خلقت کا قتل عام اور شامل ہو گیا
اور سابق میں گزر چکا کہ حضرت حسین اور ان کے
اصحاب عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں قتل
کر ڈالے گئے مدینہ منورہ میں ان تین دنوں میں
وہ وہ مفاہد عظیمہ واقع ہوئے کہ جو محدود
سے باہر ہیں اور بیان کیے ہی نہیں جاسکتے
بس اللہ عز وجل ہی کو ان کا علم ہے یزید نے
تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر یہ چاہا تھا کہ اس کی
سلطنت و اقتدار کی جڑیں مضبوط ہوں اور
اس کے ایام حکمرانی کو بلا نزاع و دام حاصل
ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف مراد اس

بینه و بین مالی شتہ فیہ فقہہ
اللہ قاصمہا لجا بركة اخذ اخذ
عزیز مقتدر و کذا لک اخذ و لک
ان اخذ القرانی و ہن عالمہ ان
اخذہ الیوم شدید ج ۸ ص ۲۲۲

کوسراوی اور اس کے اور اس کی خواہش کے
درمیان آڑے آگیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ
نے جو سب ظالموں کی کمزوری دیکھ کر اس کی
بھی کمزوری کر رکھی اور اسے اسی طرح دھڑکڑا
جس طرح کہ غالب ان با اتھار پکڑا کرتا ہے
بستیوں کو اور وہ ظلم کرنے ہوتے ہیں بے شک ہر
کی پکڑ در دناک ہے شدت کی۔

اس کی نسل کا منقطع ہو جانا

اور خواجہ محمد پارسا محدث نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

نسل الخطاب میں فرماتے ہیں

روز طوف بانی نماز از اولاد دے مگر
زین العابدین پس حق تعالیٰ از صلب دے
آفرید کہ خاست از اہل بیت نبوت
بیرون آورد و در شرق و غرب منتشر گردانید
چنانچہ سچ و ناحید و سچ و شہرے از وجود
شان خالی نیست و نباشد و از یزید و
اخلافش یک تن نگذاشت کہ خانہ
آبادان کنند آتش افسرد و اللہ تعالیٰ
راست ترین گوریندگان است بہ جیب
خود کہ فرمود **اِنَّ شَأْنُکَ**
هُوَ الْاَمْنُ و ملاحظہ ہو

کر بلا کے دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد زرمینہ
میں بکھر حضرت زین العابدینؑ کے کوئی مرد
باقی نہ بچا پھر حق تعالیٰ نے اپنی پشت سے
خاندان نبوت کے جتنے افراد کو بھی پیدا کرنا
چاہا پیدا فرمایا اور ان کو مشرق و مغرب میں
پھیل دیا چنانچہ کوئی نواح اور کوئی شہر یا
ہنسی کہ جوان حضرت کے وجود سے خالی ہو اور نہ
کبھی خالی ہو گا اور یزید اور اس کی نسل سے
ایک شخص کو بھی تو باقی نہ چھوڑا کہ جگہ کو آباد
رکھے اور اس میں دیا جلا سکے نہ کوئی نام لیا
و نہ پانی دیا اور اللہ تعالیٰ سب کے پچلے

الفرع السامی من الاصل السامی از

نواب صدیق حسن خان اہل : ۵۰

طبع نظامی کا پورہ

ہا کہ جس نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ بے شک جو میں

ہے تیرا ہی رہ گیا دم کشا۔

اور ہمارے نزدیک یہ بات بھی محل نظر

ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

اخیر وقت میں عمر بن سعد کے سامنے جو

یہ صحیح نہیں کہ اخیر وقت میں حضرت
حسین یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے

تین شرطیں رکھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ مجھے دمشق بھیجا جائے تاکہ میں اپنے ابن عم اچھا زاد

بھائی امیر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر معاملہ اس طرح کھلے کروں جس طرح میرے بھائی حسن نے

امیر معاویہ کے ہاتھ کیا تھا۔ سائل نے ناہنج یزید فی یدہ کے الفاظ تو نقل

کئے بقیہ الفاظ تاریخ کی کتب میں مقرر ہیں۔

یہاں سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ کیا

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی کے

کسی دور میں بھی یزید کی خلافت منصفہ ہونے پر

اس پر رایت کے اعتبار سے

تفصیلی بحث

اپنی رضا مندی ظاہر کی۔

سب سے پہلے جب یزید کی دلیہد کی تقریب عمل میں آئی تو کیا حضرت حسین رضی اللہ

نے اگلی دلیہد کی بیعت کی اور اسکو درست بتایا یا پھر حبیب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر یزید

کے عامل مدینہ ولید بن عقبہ نے آپ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو کیا آپ نے اس مطالبہ کو منظور فرمایا یا کیا

آپ نے مدینہ طیبہ کو صرف اسی بنا پر خیر باد نہیں کہا کہ یزید کے مقرر کردہ عامل مدینہ کی طرف سے

اس سند میں آپ پر ناجائز دباؤ والا جبار ہاتھ آیا؟ کیا آپ اس وجہ سے دہان سے چل کر

حرم مکہ میں نہیں آ گئے تھے کہ حرم مکہ میں بھی آپ نے یزید کی بیعت پر کبھی ایک لمحے کے لیے بھی

اظہار رضا مندی کیا تھا؟ پھر اخیر وقت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر

کس طرح راضی ہو سکتے تھے جبکہ وہ اس بیعت کو بیعت فطالت بھی سمجھتے تھے چنانچہ حانظ ابن خرم غامریؓ الفصل فی الملل والاهواء والنحل میں رقمطراز ہیں۔
 اذ رأی انہا بیعة فطالتہم ۴ من ۱۰۵ حضرت کی رائے یہ تھی کہ اس
 کی بیعت بیعت فطالت ہے۔

آپ کا غیر خطبہ جبر آپ نے میدان کر بلا میں دیا آپ کے موقف کو صاف بتا رہا ہے یہ خطبہ
 اشیاء العلوم امام غزالی کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ خط بھی
 پڑھ لیجئے جبر آپ نے یزید کے نام لکھا تھا اور جو سابق میں تاریخ الکامل ابن اثیر کے حوالہ
 سے ہم نقل کر چکے ہیں ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ اپنے موقف سے
 رجوع کر کے یزید کے ماتھے پر بیعت کرنے کے لئے راضی ہو گئے تھے حالانکہ یہ دونوں
 مواقع ایسے تھے کہ جہاں ایسی بات کا ذکر ضروری تھا پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ
 حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء یا حضرات انصار مدینہ میں سے
 کسی ایک نے فریاد کیا کہ جب سے وہ یزید کے خلاف کھڑے ہوئے کبھی اپنے موقف سے رجوع
 کیا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے حضرت آء عزم دہمت اور عنزمیت کے اعتبار سے
 ان سب حضرات سے برتر اور بڑھ کر تھے۔ اور کمالات و فضائل کے اعتبار سے اپنے تمام
 معاصرین میں اس وقت کوئی ان کا ہمسر نہ تھا وہ بھلا کس طرح اپنے صحیح موقف سے
 رجوع فرما سکتے تھے وجہ یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ و تابعین کے نزدیک یزید کی شخصیت
 ناپذیر تھی چنانچہ حانظ ابن خرم اندلسی لکھتے ہیں۔

انہما انکر من انکر من الصحابة
 رضی اللہ عنہم ومن التابعین
 بیعت یزید بن معاویہ
 والولید و سلیمان لا انہم کانوا
 صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے
 جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید
 اور سلیمان کی بیعت سے انکار کیا
 وہ صرف اس بنا پر تھا کہ یہ ناپسندیدہ

نتیجہ ظاہر ہے کہ زید نے اپنی حرکات سے تو یہ کہ، زمان حضرت میں سے کسی نے اس کے بیعت کا ارادہ فرمایا، بہر حال اگر اہل سنت کی کتابوں میں یہ روایت، حاضرین واقعہ سے پسند صحیح مذکور ہو تو ضرور پیش کی جائے ہم بعد شکر یہ اس تحقیق کو قبول کریں گے

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار صحابہ کرام کے اس اعلیٰ طبقے میں ہے جن کو حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے "نجباء" (خاص برگزیدہ اصحاب اور رتبہ) (جو آپ کے احوال کے نگران ہوں) میں داخل فرمایا ہے

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا شمار

نجباء صحابہ میں ہے

چنانچہ جامع ترمذی میں۔

عن علی قال قال رسول الله رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لكل نبي سبعة نجباء ورقيبا أعطيت أنا أربعة عشرة قلنا من هم؟ قال أنا وأبناي وحضر حمزة وأبو بكر وعمر ومصعب بن عمير وبلال وسمان وعمار وعبد الله بن سعود والموذر والمقداد

رواه الترمذی في مسنده ص ۵۸۰ ج ۲

عنهم اجمعين

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے سات نجباء اور رتبا ہوتے ہیں اور مجھے حق تعالیٰ نے چودہ عطا فرمائے ہیں ہم نے عرض کیا یہ کون کون حضرات ہیں آپ نے فرمایا میں (یعنی حضرت علی اور مجھے دونوں بچے (حسن و حسین) حضر حمزہ، ابو بکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار، عبد اللہ بن سعود، ابوذر اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ

نجیب کے معنی برگزیدہ اور رتیب کے معنی نگران احوال کے ہیں، شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

ازیں معلوم میسرور کہ دریں چہارہ کجب
بجابت در قنابت خسر صیتے است کہ
در دیگران نیست

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چور کے
چورہ بزرگوں کو بجابت در قنابت کے
اعتبار سے وہ امتیاز و خسریت حاصل ہے
جو اردوں کو نہیں ہے۔

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ علی و
حسین اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے

اب غزوہ فرمائیے کہ جو حضرات شرف
بجابت سے ممتاز ہوں اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات کے نگہبان ہوں ان کے مزاج شناس بہت سے ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا
ہے ظاہر ہے کہ ان حضرات کا جو اقدام بھی ایسے مواقع پر ہوگا وہ عبادہ شریعت سے ذرا بھی ادھر
اُدھر نہیں ہو سکتا اس لیے حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے
اپنے وقت میں مخالفین کے ساتھ جنگ و صلح کا جو اقدام بھی کیا وہ امت کے عین مفاد
میں تھا اور تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی تمام جنگوں
میں حق پر تھے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف بالکل صحیح تھا
چنانچہ علامہ عبدالحی بن العباد حبشی شذرات الذہب میں لکھتے ہیں۔

اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مخالفین سے قتال کرنے میں
حق پر تھے کیونکہ آپ خلیفہ برحق تھے نیز اس
پر بھی اتفاق منقول ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا خروج یزید کے خلاف اور حضرت
ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اہل حرمین
کا بنی امیہ کے خلاف اور ابن ابی اسف

والعلماء مجمعون علی تصویب قتال
علی لمخالفیہ لامنہ الامام الحق
ونقل الاتفاق ایضاً علی تحسین
خروج الحزین علی یزید وخروج
ابن الزبیر و اهل الحرمین علی
بنی امیہ وخروج ابن الاشعث
ومن معه من کبار التابعین و ديار

السلین علی الحاج شم الحمہور
 راوا جازا الخرج علی من کان
 مثلیزید الحاج ومنہم من
 جرز الخرج علی کل ظالم حاج
 ص ۶۸ طبع مصر ۱۳۵۰ھ

اور ان کے ساتھ کبار تابعین اور بزرگان
 مسلمین کا خروج حاج کے خلاف متحین تھا
 پھر صہرہ علما کی رائے یہ ہے کہ نزیادہ حاج
 جیسے ظالم اور فاسق حکمرانوں کے خلاف اسٹھ
 کھڑا ہونا جائز ہے اور بعض حضرات کا مذہب
 تو یہ ہے کہ ہر ظالم کے خلاف خروج کیا جاسکتا ہے

حسین اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے تو پھر بیعت کیوں کی؟

یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اگر
 حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یزید کی بیعت پر آخر وقت میں راضی ہو گئے تھے تو پھر ان کو عمر بن سعد یا عبید اللہ بن زیاد
 کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لینے سے آخر کو ناامرانج تھا کیا وہ بھی انغور باللہ حب
 جاہ میں گرفتار تھے کہ صرف بادشاہ وقت ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اس کے عمال کے
 ہاتھ پر بیعت کرنا ان کی کسر شان ہے اسی طرح ایسی صورت میں حوزہ بنی ہاشم عمال کو انہیں
 دشن پہنچانے میں آخر کیا عذر تھا؟ اور جب یہ الطاعت کے لیے تیار تھے تو پھر انہیں
 ناحق قتل کرنے سے کیا نادمہ تھا؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پر آمارہ تھے مگر عبید اللہ
 بن زیاد نے زبردستی آپ کو قتل کر دیا تو سوال یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کو
 آخر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی کونسی ذاتی عداوت تھی جس نے ان لوگوں کو
 آپ کے قتل پر مجبور کیا تھا؟

اور اگر یہ لوگ اس قدر خود مر تھے کہ باوجود اس کے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ یزید کی بیعت پر آمادہ تھے مگر پھر بھی وہ ان کے قتل سے باز نہ رہے تو یزید کیا

برائے نام خلیفہ تھا کہ جو عضو مطلق بنا بیٹھا تھا اور جو کچھ کرتے تھے اس کے اعمال بد اعمال ہی کرتے تھے۔ اور اگر رافع میں یزید با ائمہ خلیفہ تھا اور اس کے منہ کے بغیر شہرہائے کربلا کو نقل کیا گیا تو پھر اس نے اس بارے میں اپنے اعمال سے باز پرس کیوں نہ کی؟

اتنی بحث و رایت کے اعتبار سے اس روایت کے ناقابل قبول ہونے کے لئے کافی ہے جو مستفتی نے نقل کی ہے کہ ناصح میدی فی دیدہ۔ "اور یہ کسی قابل وثوق سند سے ثابت بھی نہیں ہے۔"

مزید کہ ائمہ بر خلاف عقبہ بن سمان کی نہایت تفریح کتب کواریکے میں موجود ہے چنانچہ حنفی و مالکی و شافعی و حنبلی و حجازی و اپنی تاریخ الکامل میں فرماتے ہیں۔

وقد ردی عن عقبہ بن سمان
انہ قال صحبت الحسين من
المدينة إلى مكة ومن مكة
إلى العراق ولم أفرقه حتى
قتل رسمعت جميع مخاطبته
الناس إلى يوم مقتله فوالله
ما أعطاهم ما يتذكرونه الناس
من انه يفتح يده في
يد يزيد

(ج ۴ ص ۲۲ طبع مکتبہ)

لوگوں سے فرمائی ہیں۔ سو بخدا یہ بات
آپ نے لوگوں کے سامنے رکھی ہی نہیں جس کا
لوگ ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کے سامنے
یہ بات رکھی تھی کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا
ہاتھ دے دیں گے اور اس سے بیعت کر لیں گے۔

یہ عقبہ بن سمان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ کے نام سے

عمر بن سعد نے غلام ہونے کے باعث ان کو زندہ چھوڑ دیا تھا۔

خضریٰ کی تحقیق | "مناظرات تاریخ الامم الاسلامیہ کے مصنف محمد خضریٰ"

کی تحقیق بھی یہی ہے وہ لکھتے ہیں

ولیس بصیح انہ عرض علیہم

ان یفصح بیدہ فی بید یزید

نلم یقبوا منہ تلک

العودۃ و عرضوا علیہ ان

ینزل علی حکم ابن زیاد

ج ۲ ص ۱۲۸ طبع مہر

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضرت حسین رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے یزیدی لشکر کے سامنے

یہ بات رکھی تھی کہ وہ بیت کے لئے

یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے

لئے تیار ہیں مگر ان لوگوں نے آپ کی یہ

پیشکش قبول نہ کی اور آپ کے سامنے یہ

بات رکھی کہ ابن زیاد کے فیصلہ پر

سہ تسلیم ختم کریں

غرض یہ دعویٰ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخیر وقت میں یزیدی کی

بیت پر راضی ہو گئے تھے۔ زردایت کے اعتبار سے صحیح ہے نہ روایت کے

اعتبار سے۔ اور جو اس امر کی صحت کا مدعی ہو۔ اس کو چاہیے کہ وہ اس بارے میں

صحیح سند کے ساتھ کوئی روایت پیش کرے تاکہ اس کا مدعا ثابت ہو

بارہواں شبہ

یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خرد نوج بغاوت نہیں بلکہ ایک اجتہادی سیاسی خطا تھی جس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کے جھوٹے دعوای پر اعتماد تھا۔

یہ شبہ بالکل ایسا ہی ہے

جیسے کوئی یہ کہنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوائیوں کے

اس شبہ کا جواب

خلاف کوئی اقدام نہ کر کے سیاسی غلطی کی تھی اور یہ خطا آپ کی اجتہادی تھی بہر حال بغاوت ہو یا اجتہادی سیاسی خطا جب بقول ستفقی حضرت نے اپنے پہلے موقف سے رجوع فرمایا تھا تو اب ان کو شہید کرنے کا کیا جواز تھا؟ اور خیر حضرت کو تو خاک بدین گستاخ بقول مستفقی شریر النفس لوگوں نے امیر بیزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا تھا اور اس کا سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی اور ان کے جھوٹے دعوای پر اعتماد تھا۔ مگر ان ناصبی قاتلان حسین کو خاندان نبوت کا چراغ گل کرنے کے لئے کس شیطان نے کہا تھا اور انہوں نے اپنا دین و ایمان کس جنیت کے کئے میں آکر رہا کیا؟ اس پر ستفقی نے کچھ روشنی نہ ڈالی۔

اور یہ اتباع بھی خوب ہے کہ اس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی ہے

سبائی کون تھے

سبائیوں کو تو خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زندہ جلایا تھا۔

صحیح بخاری میں آتا ہے کہ۔

اتی علی رضی اللہ عنہما
بزنادقة فاحرقہم

(ج ۲ ص ۱۰۲۳)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
پاس کچھ زناور لائے گئے آپ نے
ان کو نذر آتش کر دیا۔

یہ زناور کون تھے ان کے بارے میں علامہ محمد بن یوسف کرمانی رحمہ اللہ
”الکلب الذاری شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام ابوالمظہر
الاسفہانی کی کتاب التبرکات سے نقل کیا

ہم طائفۃ من البرابری تدعی
السائیة اذ عبد ابن علیا
الہوکان مذہبہم عبد اللہ
ابن سبا وکان اصلہ یہودی

رج ۳۲- ص ۵۵۲ ج ۱ مصر

یہ دانش کا وہ گروہ تھا جس کو
سبائی کہا جاتا ہے ان کا دعویٰ
تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ
کا نسب براہ عبد اللہ ابن سبا تھا
جو اصل میں یہودی تھا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان الزیادۃ میں لکھے ہیں۔

واخبار عبد اللہ بن سبا
شہیرۃ فی التواریخ ولیت
لہ روایۃ وللہ الحمد ولہ
اتباع یقال لہم السبائیۃ
لیعتقدن الاہیۃ علی بن ابی
طالب وقذا حرقہم علی
بالنار فی خلافۃ

(ج ۳ ص ۲۸۹، ۲۹۰)

عبد اللہ بن سبا کے واقعات تواریخ
میں مشہور ہیں سجد اللہ اس سے کوئی
روایت نہیں ہے اس کے تتبع کو
سبائیہ کہا جاتا ہے یہ لوگ
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی الوہیت کے قائل تھے
ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
زندہ جلا دیا تھا۔

اب زراغور فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سبائیوں کے

ساتھ جو عبرت انگیز معاملہ کیا وہ سب کچھ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں کے سامنے ہوا پھر یہ کیسی لغو بات ہے کہ یہ سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے بعد بھی ان سے دھوکہ کھانے کے لئے خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو تجویز کیا ہے اس سے زیادہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اور کیا غلط بیانی ہو سکتی ہے ناہی اور افسوس دو ٹوک شامخ خدا میں بدترین جھوٹ لٹنے والوں میں سے

یہ افسر ہے کہ کوئی سبائیوں نے لڑائی میں پہل کر کے صلح نہ ہونے دی

اور یہ قطعاً فتر ہے کہ یہ کوئی سبائیوں کی محض سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ لڑائی میں پہل

کر کے صلح کو پورا نہ ہونے دیا جائے "جنگ میں پہل کرنے والے ناہی تھے سبائی نہیں۔ مستفتی نے ابن زیاد اور ابن سعد کے سبائی ہونے پر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ ہاں اس دور کے ناہی ملحدوں نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اب یہ جھوٹا، من گھڑت افسانہ تیار کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف یزید کی بیعت پر بالکل تیار ہو گئے تھے بلکہ اس سے بیعت کرنے کے لئے دمشق کی طرف بھی چل پڑے تھے اور عمر بن سعد حر بن یزید اور شمر ذی الجوشن اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ قافلہ حسینی کی نگرانی کے لئے ان کے ساتھ تھے جو مندرجات حرم کے احترام کی وجہ سے قافلہ سے پیچھے رہتے تھے کہ اسی اثنا میں ان ساٹھ کوفیوں نے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے کربلا تک ساتھ رہے تھے ایک روز عہر کی ناز کے بعد موقع پا کر جھپٹے کے وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کیمپ پر حملہ کر کے ان کو مع ان کے رفقاء کے اچانک شہید کر ڈالا اور پھر شمر اور عمر بن سعد کے

رستہ فوج نے ان قاتلوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کر دیا یہ وہ فسانہ ہے جو "مجلس عثمان غنی" کے اراکین نے اپنے دل سے گڑھ کر "داستان کربلا" اور "حادثہ کربلا" نامی دو کتابچوں میں لکھ کر شائع کیا ہے اور پھر ان کو بار بار طبع کرا کر ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس کا ذکر صحیح تو درکنار کسی جھوٹ اور موضوع روایت میں بھی موجود نہیں اس سے پہلے محمود احمد عباسی نے اس سلسلہ میں یہ داستان لکھی تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بن سعد کے درمیان صلح کی گفتگو جاری تھی اور معاملہ باہمی طے ہونے کو تھا کہ جب مزید احتیاط کی غرض سے قافلہ حسینی سے ہتھیار لینے کا مطالبہ کیا گیا تو ان کو فیوں نے اور مسلم بن عقیل کی اولاد نے اچانک عمر بن سعد کی فوج پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس کی بنا پر عمر بن سعد کی فوج کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا پڑا "یہ دونوں باتیں محض جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔ خدا تعالیٰ ان جھوٹوں کا منہ کالا کرے اس جھوٹ کی تفصیل معلوم کرنا تو بارے رسالہ "شہداء کربلا پر انستار" کا مطالبہ کرنا چاہیے

صحابہ کی جماعت حضرت حسین

کے موقف کی حامی تھی

اور یہ کہنا کہ "کسی صحابی نے اس خروج میں آپ کا ساتھ نہ دیا حالانکہ اس وقت خاصی

تعداد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجود تھی بالکل غلط ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو کھڑکی بہت تعداد اس وقت باقی رہ گئی تھی وہ آپ کے موقف کی حامی تھی چنانچہ حافظ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں جہاں یہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرزدق شاعر کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصرت کے لئے

ترغیب دے کر روانہ کیا تھا وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں۔

قلت: هذا يدل على تصويب
عبد الله ابن عمر والحسين
في مسيرته وهو رأي ابن
الزبير وجماعته من الصحابة
شهدوا الحرة

(ج ۳ ص ۱۹ مطبعہ مصر)

میں (زہبی) کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اس امر
پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ
بن عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ کی
مہم پر جانے کو صحیح سمجھتے تھے اور یہی
رائے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی
اللہ تعالیٰ عنہما اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک
جماعت کی تھی جو واقعہ حرہ میں
شریک ہوئے۔

علامہ ابن خرم ظاہری ادریشی عبدالحق محدث دہلوی کی تصریحات اس بارے
میں آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ "البدایہ والنہایہ" میں
لکھتے ہیں۔

بلکہ سب لوگوں کا میلان حضرت حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ
وہ سید کبیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے نواسے تھے اور ان دونوں روئے زمین
پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو ان کے محال
سادگی پر لیکن یزیدی حکومت سب
کی سب آپ کی عداوت پر تلی ہوئی

تھی۔

بل الناس انما ميلهم إلى
الحسين لاننا السيد الكبير
وابن بنت رسول الله صلى الله
عليه وسلم فليس على رجب الرض
يومئذ احد يساميه ولا
يساديه ولكن الدولة
اليزيدية كانت كلها تناديه

(ج ۸ ص ۱۵۱)

یہاں "الناس" کا لفظ قابل غور ہے کہ جس میں یزیدی ارکان سلطنت کے علاوہ اس عہد کے سارے ہی حضرات آجاتے ہیں اس لیے یہ شجرہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ رافضی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پیش کیا کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ اس وقت صحابہ کرام رضو سے بھرا ہوا تھا مگر کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ بھی اس وقت ان کا ساتھ نہ دیا آخر نہایت بے کسی کی حالت میں عین حرم نبوی میں گھر کے اندر گھس کر ان کو قتل کر ڈالا گیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ منظم سے نکلنے وقت یہ کس کو معلوم تھا کہ اسی سفر میں آپ کو منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں شہید کر ڈالا جائے گا۔

پھر بھی حضرت انس بن الحارث رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں آپ ہی کے ساتھ موکرہ کر بلا

صحابی رسول کا موکرہ کر بلا میں شہید ہونا

میں شہید ہوئے ہیں چنانچہ امام بخاری التاریخ الکبیر میں فرماتے ہیں۔ انس بن الحارث یہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ شہید ہوئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ وسلم سے حدیث سنی ہے۔

انس بن الحارث قتل مع الحسين بن علي سمع النبي صلى الله عليه وسلم اقسام ثانی ج ۱ ص ۳۰ طبع دائرة المعارف

حیدر آباد دکن

حضرت انس بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اس کا متن

احادیث کی رو سے حضرت حسین کے موقف کی صحت

یہ ہے۔

میرا بیٹا حسین مقام کر بلا میں قتل کیا

ان ابني يعني الحسين. يقتل

بارہن یقال لہا کر بلا و ہن
شہد منکم ذالک فلینصرہ

جائے گا تم میں سے جو کرئی اس موقع
پر موجود ہو اس کی مدد کرے

اسی حدیث کی بنا پر یہی سابی معرکہ کر بلا میں آپ کے ساتھ رہے اس روایت کو حاکم
ابن کثیر نے البدایہ النہایہ میں امام ابی نعیم الحسینی کے حوالے سے لہذا نقل کیا ہے
(ج ۸ ص ۱۹۹)

اس روایت سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موتف کی صحت روزِ رشتہ کی
طرف عیاں ہو گئی اور یہاں کہ سابق میں بھی گزرا۔ حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ
تعالیٰ عنہم اس امت کے "سجباء و رقباء" میں سے تھے اور اس منصب کی ذمہ داری
تھی کہ امت میں جب بھی کوئی خرابی پیدا ہو یہ اس کا بردقت تدارک کریں خواہ اس
سلسلہ میں جادہ کی قربان رینی پڑے یا جان کی یا جان و مال دونوں کی اس لئے ان تینوں
بزرگوں نے اپنے اپنے وقت میں اصلاح امت کے سلسلہ میں جو بھی قدم اٹھایا وہ عین
رضا و ابنی اور شریعت کے مطابق تھا اور حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ ان ہر سرہ حضرات
کا جنگ و صلح کے بارے میں جرات نام بھی ہو گا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشائخہ
کے عین مطابق ہو گا چنانچہ جامع ترمذی میں ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے حضرات علی وفاطمہ و حسن و
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں
فرمایا "جو ان سے" سے میرے ان سے
لڑائی ہے اور جو ان سے صلح کرے میری
ان سے صلح ہے۔

عن زید بن ارقم ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال: لعنوا فاطمة
والحسن والحسين انا حارب لمن
حاربهم وسلم لمن سألهم
رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ج ۳ ص ۵۷)

اور سنن ابن ماجہ میں یہ روایت حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے باب فساؤل الحسن و
الحسین ابن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تحت ان الفاظ سے مروی ہے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لعلی وفاضلہ و الحسن و الحسین
انا سلم لمن سالمکم و حرب لمن
حاربکم

اور جن سے تم صلح کرو میری ان سے صلح ہے
اور جن سے تمہاری لڑائی ہو ان سے
میری لڑائی ہے۔

جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے علاوہ صحیح ابن حبان میں بھی حضرت زید ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ روایت موجود
ہے۔ اور مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ
میں آئی ہے کہ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی
صلی اللہ علیہ وسلم الی علی و الحسین
و الحسین و فاضلہ فقال انا
حرب لمن حاربکم و سالم لمن
سالمکم (مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات
علی و حسن و حسین و فاضلہ کی طرف دیکھ کر
فرمایا: جو تم سے جنگ کرے ان سے
میری جنگ ہے اور جو تم سے صلح کرے
ان سے میری صلح ہے۔

اس لیے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کو غلط کہا بہت بڑی

مقتد ہے

اہل بیت سے جنگ کرنا ایسی مذموم
حرکت ہے کہ جس کی مذمت پر تمام
اہل سنت کا اتفاق ہے

اہل بیت سے جنگ کرنا باجماع
امت مذموم ہے

چنانچہ حدیث ملا علی قاری، مشکوٰۃ کی شرح "مرقاۃ میں لکھتے ہیں

ففضل أهل البيت و ذم من

حاربهم امر مجمع علیہ عند

علماء السنۃ و اکابر ائمۃ

الامۃ (ج ۱ ص ۳۸۷)

یزید کے بارے میں اس کے

بیٹے کی شہادت

یزید کے بارے میں سب سے بڑی شہادت

خود اس کے گھروالوں کی موجود ہے

حقیقی بیٹے سے زیادہ باپ کے حالات

میں بڑھ چکا ہے وہ جو نہایت صالح ہو اب دیکھئے

معاویہ بن یزید رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے باپ کے بارے میں کیا شہادت دیتے ہیں۔ یزید کے یہ

سماعت مند بیٹے جب تولد نہ ہوئے تو انہوں نے برسر منبر اپنے باپ یزید کے

بارے میں جو اظہار خیال کیا وہ یہ ہے۔

قد اٰتٰی الامر و کان غیراھلہ

و نازع ابن بنت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم فقصف عمرہ

و ابنہ عقبہ و صار فی قبرہ

رھینا بذنوبہ ثم بکی و قال ان

من اعظم الامور علینا علمنا

لسوء مصرعہ و بیس منقلبہ

و قد قتل عاتق رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم و اباح الحنن

میرے باپ نے حکومت ہنغالی تو وہ اس کی

اہل ہی نہ تھا اس نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے نزاع کیا

اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہو گئی

اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں

کی ذمہ داری لیکر دفن ہو گیا یہ کہہ کر

رنے لگے پھر کہنے لگے جو بات ہم

پر سب سے زیادہ گراں ہے وہ یہ ہے

کہ اس کا برا انجام اور برسی نہ ہو

ہمیں معلوم ہے (اور کیوں نہ ہو جبکہ)

خرب الکعبۃ وکم اذق حلاوة

الخلافة فلا تقلدوا رثها

فانکم امرکم واللہ لئن کانت

الدنیا خیرا فقد نلنا منها خطا

ولئن کانت شرا فکفی ذریۃ

البحسفیان ما اصابوا منها

الصواعق المحرقة ص ۳۳ مطبوعہ

اس نے واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی عمرت کو قتل کیا، شراب کو مباح

کر دیا، بیت اللہ کو برباد کیا اور میں

نے خلافت کی حلاوت ہی نہیں چکھی

تو اس کی تلخیوں کو کیوں جھیلوں؟

اس لیے اب تم جانو اور تمہارا کام

خدا کی قسم اگر دنیا خیر ہے تو ہم اس کا بڑا

حسد حاصل کر چکے اور اگر شر ہے تو جو

کچھ البسفیان کی اولاد نے دنیا سے

کمالیادہ کائی ہے۔

اور یزید کے خاص الخاص شریک کار

اس کے برادر عمزاد بشرطیکہ استحقاق

زیاد صحیح ہو۔ عبید اللہ بن زیاد

کے الفاظ ملاحظہ ہوں جن کو امام ابن اسنہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بلند

ذیل نقل فرمایا ہے

حدثنا ابن حمید قال، حدثنا

جریر عن مذہیر قال کتب یزید

إلی ابن مرجانة أن اغز ابن

المزبید فقال لا اجمدہما للفاسق

ابا اقتص ابن بنت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم راغزو البیت

یزید نے ابن مرجانہ و عبید اللہ بن زیاد

کو لکھا کہ جا کر حضرت ابن زبیر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما سے جنگ کرو تو ابن زیاد نے

کہا کہ میں اس ناسق (یزید) کی خاطر دونوں

برائیاں اپنے نامہ اعمال میں کبھی جمع نہیں

کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

یزید کے بارے میں ابن زیاد کی شہادت

قال وكانت مرجانة امرأة
صدق فقالت لعبيد الله عمن
تقتل الحسين عليه السلام هو يلك
ماذا صنعت وماذا امر كبت
تاريخ خيرة ج ۵ ص ۲۸۳-۲۸۴

مزید کافس اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے

کے فوائے قتل کر چکا اب خانہ کعبہ پر
چڑھائی کر دوں وغیرہ کا بیان ہے کہ
مرجانہ اس کی ماں بھلی عورت تھی جب
عبد اللہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو
قتل کیا تھا تو اس نے اس سے کہا تھا کہ تجھ
پر انہوں نے تو نے یہ کیا کیا اور کیا کر ڈالا۔

اکیسے علمائے اہل سنت والجماعہ میں
جو حضرات اکابر نے علیہ السلام پر لعن
کے یا اس کی تکفیر و تفسیق کرتے ہیں وہ بالحدہ نہیں کرتے۔ مزید کافس تمام اہل سنت
کے نزدیک متفق علیہ ہے اس بارے میں دورائے نہیں ہیں۔ اور کسی نامی کی بات اس
سلسلہ میں درخور اعتنا نہیں البتہ اس کی تکفیر کے بارے میں اہل سنت میں اختلاف
ہے امام احمد والاسلام ابوالعیر نے دوس نے کیا خوب لکھا ہے۔

ربانیرید بن ماریہ وہ ظالم تھا کہین آیا
کافر بھی تھا یا نہیں اس بارے میں عوام
گفتگو ہے بعض اس کو کافر بتاتے ہیں کہ
اس کے بارے میں وہ باتیں بیان کی جاتی ہیں
جو کفر کا سبب بن سکتی ہیں اور بعض اس
کی تکفیر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں یہ باتیں
صحیح نہیں اور کسی کو اس کا حال معلوم کرنے
کی ضرورت بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس
سے مستغنی فرما دیا۔

واما مزید بن معاریہ کان
ظالماً ذلکین فہلک ان کافراً
تکلم الناس فیہ لبعضہم کفر
لما حکى عنه من اسباب
الکفر وبعضہم لم یکفر ولا
قالوا لم یصح منه تلک
الاسباب ولا حاجة باحد الى
معرفة حاله فان الله تعالى
غنا عن ذالک الاموال الدین ص ۱۹۰

بہر حال اگرچہ احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الوسع اس کی تکفیر سے گریز کیا جائے مگر بہر
 صورت اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں جس کو علامہ ابن حجر مکی نے "المواعظ المحرقة"
 میں بصراحت لکھا ہے کہ

دعی القول بامنه مسلم فهو فاسق
 اور اسی کو مسلمان کہنے کے باوجود اس حقیقت
 شریعہ کی وجہ سے (۱۳۳)
 ہے کہ رد نامی تھا شریر تھا نشہ کا
 متوالا تھا فاسق تھا۔

یزید کی حمایت میں سرگرم ہو کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استخفاف کرنا ان
 کی شہادت کی اہمیت کو نظر انداز کرنا اور اس کی وقعت گرا کر ایسی بیہودہ حرکت ہے
 کہ اس کی حقہ بھی مذمت کی جائے کم ہے

شہادت حسینؑ پر حضور علیہ السلام کا تلقین

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
 کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
 حضرت جبریل علیہ السلام اور ملک القطر
 ابارش کافر شہ کے ذریعہ اپنی حیات مبارکہ ہی میں ہو چکی تھی جس سے آپ کو سخت
 رنج و اضطراب ہوا تھا اور بعد وفات بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
 پر آپ کے رنج و تلقین اور سخت پریشانی و اضطراب کا ذکر احادیث میں وارد ہے
 چنانچہ

عن ام الفضل بنت الحارث
 نہاد خلت علی رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ
 انی رأیت حلماً منک فی اللیلۃ

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ
 تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
 حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے

قال وما هو؟ قالت: انه شديد
 قال وما هو؟ قالت: رأيتُ
 كأنَّ قطعة من حديد قطعت
 ووضعت في حجرى فقال رسول
 الله صلى الله عليه وسلم: رأيتُ
 خيراً تلدنا طمة ان شاء الله
 غلاماً يكون في حجرى فولدت
 فاطمة الحسين فكان في حجرى
 كما قال رسول الله صلى الله
 عليه وسلم: قد خلت يرمياً
 على رسول الله صلى الله عليه وسلم
 نزعته في حجره ثم كانت منى
 التفاتة فاذا عينا رسول الله
 صلى الله عليه وسلم تهرقان الدموع
 قالت: نقلت يا بنى الله باجى انت و
 ابنى مالك قال: اتانى جبريل عليه
 السلام فاخبرنى ان النبى ستقصد
 اسنى هذا فقلت: هذا قال لعمري
 اتانى بنويزة من تربته حمراء

آج رات ایک برا خواب دیکھا ہے آپ
 فرمایا کیا؟ عرض کیا بہت ہی سخت ہے
 بیان سے باہر ہے آپ نے پھر فرمایا کیا
 دیکھا ہے؟ عرض کیا میں نے دیکھا کہ
 گویا کہ آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ
 کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 تم نے تو بہت اچھا خواب دیکھا ہے
 اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ناطہ کے ٹکڑا پیدا
 ہو گا اردوہ بچہ تمہاری گود میں ہے گا
 (چنانچہ ایسا ہی ہوا) حضرت ناطہ رحمہ کے سیاہ
 مہذب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت
 ہوئی اردوہ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا میری گود میں آئے
 پھر ایک روز میں ان کو کید آف حضرت رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا
 اور ان کو آپ کی اغوش میں سے دیا گیا
 یہاں پر یہی توجہ فراموش کر کے اپنے زہریلے طرف
 ہونٹا توڑا کیا کچھ نہ ہوا اور رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک سے آنسو روان
 نہ ہونے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے

باپ آپ پر شمار آپ کو کیا ہو گیا فرمایا
جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے
انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امت میرے
اس بیٹے کو قریب قتل کر دیگی میں نے
عرصہ کیا ان کو فرمایا ہاں! اور مجھے ان کے
قتل کی سرخ ریت بھی لا کر دی ہے

واقعہ رہے کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی اہلیہ محترمہ اور طبی قدیم الاسلام صحابیہ ہیں صاحبہ شکاف نے "اسلام و حال شکافہ" میں لکھا
ہے کہ حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد یہ مشرف اسلام ہو گئی تھیں
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

رعن ابن عباس انہ قال

رأيت النبي صلى الله عليه وسلم

فيما يرى النائم ذات يوم

بنصف النهار اشعث أغبر

بيد قارورة نيهادم فقلت

بابي انت ذاتي ما هذا؟

قال هذا دم الحين واصحابه

ولم ازل اتقله منذ اليوم

فاحس ذلك الوقت فاجده

قتل ذلك الوقت راها

البيقي في راس النبوة واحم

روایت ہے کہ میں نے ایک روز وہ پہر کے

وقت خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

اس حالت میں دیکھا کہ بال بھرے ہوئے ہیں

چہرہ مبارک غبار آلود ہے اور آپ کے

دست مبارک میں ایک شیشہ کی بوتل ہے

جس میں خون بھرا ہوا ہے میں نے عرض کیا

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ کیا

حالت ہے؟ یہ بوتل کیسی ہے، فرمایا

یہ حسین اور ان کے نفاذ خون سے جس نجات

دن نکلے سے سمیٹ رہا ہوں ابھی وہاں سے نہیں

ہے کہ اس وقت تک میں حساب لگانا نہیں کر

یہ وہی وقت تھا جس وقت ان کو شہید کیا تھا
ام الفضل اور ابن عباس دونوں کی روایتوں
کو سبق نے دلائل النبوة میں روایت کیا ہے
اور امام احمد نے اپنی سند میں اخیر کی روایت
نقل کی ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان
کرتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ
کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا وہ
رو رہی تھیں میں نے عرض کیا آپ کیوں
ردتی ہیں فرمائیے لگیں میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت
میں دیکھا ہے کہ آپ کی ریش اور سر مبارک
پر خاک پڑی ہوئی تھی میں نے عرض کیا
یا رسول اللہ آپ کو کیا ہو گیا فرمایا ابھی
ابھی حسین کو قتل ہوتے دیکھا ہے اس
روایت کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں
نقل کیا ہے۔

وعن سلمی قالت دخلت علی
ام سلمة وهي تبكي فقلت ما
یکبیک؟ قالت رأیت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تغفو فی المنام وعلی رأسہ
ولحیتہ التراب، فقلت
مالک یا رسول اللہ؟
قال شهدت قتل الحسین
انفا۔ رواہ الترمذی و
قال هذا حدیث عزیز
مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۰۔

اب غور فرمائیے کہ احادیث کیا بتاتی ہیں مگر یہ ناہمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
شہادت پر خوش اور سرور ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طنز و طعن
اور ان کا استخفاف ان کا شیوہ ہے۔

شہادتِ حسینؑ کے بارے میں ابن تیمیہ کا بیان

حافظ ابن تیمیہؒ نے خوب
لکھا ہے کہ

والْحُسَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَلَمْ يَكُنْ
اللَّهُ تَعَالَى بِالشَّهَادَةِ فِي هَذَا
الْيَوْمِ وَاهَانِ بِذَلِكَ مِنْ
قَتْلِهِ أَوْ اعَانَهُ عَلَى قَتْلِهِ أَوْ
رَضِيَ بِقَتْلِهِ وَكَانَ اسْوَدَّ
حَسَنَةً مِنْ سَبْقِهِ مِنَ الشَّهَادَةِ
فَأَنَّهُ وَالْأَخُوَّةِ سَيِّدِ أَشْبَابِ
أَهْلِ الْجَنَّةِ وَكَانَ قَدْ تَرَبَّيَا
فِي عِزٍّ وَسَلَامٍ لَمْ يَنَالَا مِنْ
الْهَجْرَةِ وَالْجَهَادِ وَالصَّبْرِ عَلَى
الْأُذَى فِي اللَّهِ مَا نَالَهُ أَهْلُ
بَيْتِهِ ذَكَرَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى
بِالشَّهَادَةِ تَكْمِيلاً لِمَا مَتَّعَهُمَا وَ
رَفْعاً لِدَرَجَتِهِمَا وَقَتْلَهُ مَجْيِبَةً
عَظِيمَةً -

(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۵۱۳)
مطبوعہ دار یافو (۱۳۸۱ھ)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق
تعالیٰ نے اس دن شہادت سے سزا دے کر
فرمایا اور اس لیے جس نے بھی ان کو قتل
کیا یا ان کے قتل میں اعانت کی یا ان کے
قتل سے راضی ہوا اس کی امانت فرمائی
حضرت تو اگلے شہدا کا اچھا نمونہ تھے
کیونکہ بلاشبہ حضرت حسین اور ان کے بھائی
حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں
جو انانِ جنت کے سرور ہیں ان دونوں
حضرات کی نشوونما چونکہ اس عہد میں
ہوئی تھی جبکہ اسلام کا غلبہ تھا اس لیے
دوسرے بزرگانِ اہل بیت کی طرح ان
دونوں کو ہجرت بہار اور راہِ خدا میں
ازیت پر سیرکارہ موقع نہ مل سکا جو ان حضرات
کی ملا تھا لہذا حق تعالیٰ نے ان دونوں
حضرات کی مرتبہ شہادت پر فائز نہ کر کے سزا
فرمایا تاکہ ان کے اعزاز و تکریم کی کیل ہو اور
ان کے درجہ بلند ہو جائیں حضرت حسین

کی شماعت بڑی عظیم مصیبت ہے۔

حضرت حسین سے حضور علیہ السلام کا محبت کرنا اور خلفاء ثلاثہ کا ان کا احترام کرنا

یہ نامی حضرت حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا
قدر کر سکتے ہیں ان کی

قدر تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل سے کوئی پوچھے حافظ ابن کثیر
البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کثیر
صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے پانچ
سال یا اس کے لگ بھگ پائے اور آپ

وقت ادراک الحین من حیاة النبی
صلی اللہ علیہ وسلم سنو سنین

سے حدیثیں روایت کیں اور ہم غرض
ذکر کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اد نحو ہاروی عند احادیث
..... وسند کر

ان دونوں بھائیوں کی کسی طرح عزت
انفراں فرمایا کرتے تھے اور ان دونوں کے

ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسم یکر مہابہ و ما کان

باسے میں کسی قدر محبت و شفقت کا اظہار
فرماتے تھے اور مقصود تو یہ بتانا ہے کہ

یذہر محبتہما و المحنو علیہما
و المنصود ان الحین عامر و رسول

حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا تھا اور نہ اسے

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و محبہ
الی ان ترفی و هو عند راض و لکنہ

بنوی تک آپ کی صحبت اٹھائی تھی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس

کان صغیراً ثم کان الصدیق
مکرماً و لیطمہ و کذا لک

جہان نانی سے جلت نرانی کو اور قریب
ایک حدیث میں ہے کہ حضرت

عمر و عثمان و صاحب اباکا و ردی
عنہ و کان معہ فی مغازیہ

نیز ایک حدیث میں ہے کہ حضرت

کان معہ و کان معہ و کان

مَعْلَمًا مَوْقِرًا وَلَمْ يَزَلْ فِي
طَاعَةِ أَبِيهِ حَتَّى قَتَلَ

(ج ۸ ص ۱۵۰)

صدیق اکبرؓ اور اسی طرح حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی
ان کا اکرام و تعظیم فرماتے رہے حضرت
حسینؓ برابر اپنے والد بزرگوار کے ساتھ
رہے ان سے حدیثیں بھی روایت کیں اور کلام
غزوات حیدرؓ کی جن میں جملہ وصفیں
بھی شامل ہیں حضرت علیؓ کے ساتھ
جہاد میں شریک رہے ہیں یہ ہر زمانے میں
منظم و موقر تھے اور بزرگوار اپنے والدؓ
کی اطاعت میں سرگرم رہے تا آنکہ شہر
مکہ مکرمہ اللہ وجہہ نے شہادت پائی۔

اس لیے بزرگوار کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بدعت و یا حدیث
گناہی و غیرہ شبہ نہیں ہے۔ اور اپنے ایمان کو برابر کرنا ہے اللہ تعالیٰ اہل سنت کو اسی
نکتہ سے محفوظ رکھے۔ آمین

یاد رہے بزرگوار کی مذمت میں بہتر حدیثیں وارد ہیں لہٰذا میں صراحت کے
ساتھ اس کا نام لیکر مذمت آئی ہے اور بعض میں اس کے بعد نحوست مہلک لکھا ہے
کی گئی ہے اور بعض میں اس کی حرکات تشبیہ پر نکیر ہے اور بعض میں اس کے افعال قبیحہ
پر لعنت کی تصریح ہے ان میں سے بعض حدیثوں کا ذکر سابق میں ہو بھی چکا ہے۔ ان
احادیث کی تفصیل ہم ان شاء اللہ مستقل رسالہ میں نام نہا کریں گے واللہ الموفق
اور یہ جو مستفتی نے لکھا ہے کہ اسی

استفتاء کا جواب مذکورہ بالا امور کی
تائید میں ۳۱ محرم ۱۴۱۵ھ میں

مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف
فتویٰ کا انتساب شکوک ہے

دارالعلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کی ماتحتی میں دیا جا چکا ہے
کیا یہ صحیح ہے۔

تر الحمد للہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کا دارالعلوم بھی موجود ہے اردو ہاں
کا دارالافتاء بھی، دال سے دریافت کیا جاسکتا ہے ہم تو سمجھتے ہیں کہ ان باوجود سولات
مذکورہ کی تائید و تصحیح حضرت مفتی صاحب مرحوم کے قلم سے ہرگز نہیں ہو سکتی
حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کا رسالہ شہید کر بلا کہیں چھپا نہیں چھپا
ہذا موجود ہے پڑھ کر دیکھ لیجئے اس رسالہ کے مطالعہ سے ان سولات کی تردید ہوتی
ہے یا تائید؟

بہر حال مفتی صاحب کا انتساب

علماء دیوبند کی طرف ہے وہ وطناً
مکناً شریفاً مسلکاً دیوبندی ہی

مرزید کے بارے میں مفتی صاحب
کے اکابر کی تصریحات

انہیں اکابر علماء دیوبند جن حضرات علماء کی طرف انتساب میں غرر محسوس کرتے ہیں۔
ان میں شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ان کے خلفاء
شاہ عبد العزیز صاحب محدث کی تصریحات مرید کے بارے میں ان اوراق میں ناظرین کی
ال نظر سے گزر چکی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث

دہلوی کے ماسر اور شاہ ولی اللہ اور شاہ

عبد العزیز کے اکابر میں ہیں۔ مرید کے بارے

مرزید کے بارے میں

مجدد الف ثانی کی تصریحات

ہاں ان کے مکتوبات شریف میں جو کچھ مرقوم ہے وہ یہ ہے۔

مرزید بد نصیب ناسقون کے گروہ میں

شامل ہے اس پر لعنت کرنے میں توقف

یہ میرے بے دولت از زمرہ فقہ است

تہ نفس در لعنت ادباً براصل مقرر

اہل سنت است کہ شخص معین را اگر چہ
کافر باشد تجویز لعنت نکردہ اند مگر آنکہ
بتقین معلوم کنند کہ ختم او بر کفر لوہہ کاہی
لب لب الہیمی و امترہ نہ آنکہ ارشایان
لعنت نیت ان الذین یؤذون
اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی
الدنیاء لاخرۃ و دفتر اول
مکتوب ۲۵۱ حصہ چہارم
ص ۶۰ طبع مطبع محمدی امرتسر
(۱۳۲۹ھ)

اہل سنت کے اس قاعدہ کی بنا پر ہے کہ
کسی شخص معین پر اگر چہ وہ کافر ہی کیوں
نہ ہو لعنت تجویز نہیں کیا کرتے البتہ کہ
بالیقین یہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کا خاتمہ
کفر پر ہو رہا ہے جیسا کہ ابو لہب جنہیں اور
اس کی بیوی تھی یزید پر لعنت کرنے سے
توقف کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مستحق لعنت
نہیں ارشاد باری ہے کہ بے شک جو لوگ
اللہ اور اس کے رسول کو انذار دیتے ہیں ان
پر اللہ نے دنیا میں بھی لعنت کی اور
آخرت میں بھی۔

مکتوبات کے ایک روحِ نفعی میں از زمرہ فقہ "کی بجائے" از مردہ فقہ کے
الفاظ ہیں جس کے معنی ہوتے یزید سرکش فاسقوں میں سے ہے اور اسکی مکتوب میں سائل
کے اس جواب میں کہ
اگر مستحق لعنت است (الخ)
(ص ۸۱) ہے

اگر وہ جس کے بارے میں سوال کیا جا رہا
ہے مستحق لعنت ہے۔

فرماتے ہیں۔

اگر یہ بات یزید کے بارے میں کہی
جائی تو اس کی گنجائش تھی۔

اگر اس شخص در باب یزید می گفت گنجائش
داشت

اور دفتر اول کے مکتوب ر ۲۶۶ میں فرماتے ہیں۔

یہ نصیحت شیخین کا منکر یزید بدلیغ کا

ابن منکر قبرین یزید بے دولت

است کہ بواسطہ احتیاط در لعن او توقف
 کرده اند ایذا نیکہ بحضرت پیغمبر از
 راه ایذا خلفائے راشدین اور سرسدر
 رنگ ایذائے است کہ از راه ایذائے
 الامین اور سر علیہ علیہم الصلوٰۃ و
 التسلیمات (جقہ چہارم ص ۱۳۰)

سناگئی ہے کہ احتیاط کے خیال سے اس پر
 لعنت کرنے سے رکھتے ہیں حضرت پیغمبر
 کو جو ایذا آپ کے خلفائے راشدین کی ایذا
 رسانی کے سبب برآئی ہے وہ اسی رنگ
 کی ایذا ہے کہ جو حضرات الامین حسین
 کی ایذا رسانی کی بنا پر آپ کو ہوتی ہے
 علیہ علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات

اور علامہ بحر العلوم لکھنوی علیہ الرحمہ
 نواتج الرحمت شرح مسلم الثبوت میں ارشاد
 فرماتے ہیں۔

بحر العلوم کی تصریح یزید کے بارے میں

الردان کا بٹیا یزید اگرچہ ناسقوں میں بڑا
 احبث تھا اور منصب خلافت سے کمر اعلیٰ
 (کوسر) دور تھا بلکہ اس کے تو ایمان
 میں بھی شک ہے اللہ تعالیٰ اس کا بھلا
 نہ کرے اور جو طرح طرح کی خبیث حرکتیں
 اس نے کی ہیں سب جانی پہچانی ہیں

یزید ابنہ مع اللہ کان
 من احبث الفساق و کان بعیدا
 بمراحل من الامامة بل الشک
 فی ایمانه خذله اللہ تعالیٰ
 والصنیعات التي صنعها مردنة
 من انواع الخبائث (ح ۲ - ۳)
 ص ۳۲۳ طبع مصر ۱۳۲۲ھ)

اور حضرت سید احمد صاحب شہید بریلویؒ کی اپنے "مکتوبات" میں فرماتے ہیں

رفیق من از جزو حسین بن علی است و
 رفیق مخالف من از زمرہ یزید شقی

میرا رفیق حضرت حسین بن علیؑ کی سپاہ
 میں داخل ہے اور میرے مخالف کا رفیق

لاحظہ ہو مکتوبات سید احمد ص ۱۴۹ شائع کردہ کتب خانہ رشیدیہ لاہور

یزید شقی کے زمرہ میں

اور پھر گے چل کر لکھتے ہیں۔

بلاشبہ ہمارا شریک یا غازی ہے یا شہید

بلاشبہ شریک یا غازی است یا شہید

اور ہمارا مقابل ابو جہل ہے یا یزید

و مقابل مایان ابو جہل است یا یزید

ورق ۱۵۱

ہندستان کے اکابر علماء جب یزید کا نام لیتے ہیں تو اس کے نام کے ساتھ پلید کا لفظ

بڑھادیتے ہیں۔ یا یوں لکھتے ہیں۔ یزید علیہ ماہر المہ تیسیر القاری ج ۶ ص: ۲۹۹ یا

یزید علیہ المستحقہ (تیسیر القاری ج ۲ ص ۱۵۶) اور یزید بن معاویہ علیہ من اللہ المستحقہ

راتح العوس مارہ قرع یعنی یزید کے لیے رحمت اللہ علیہ کی بجائے یوں لکھا کرتے ہیں۔ کہ یزید جس

مسئلہ کا مستحق ہے اس کے ساتھ رہی معاملہ ہو۔

اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے مرشد اور شیخ مولانا اشرف علی تھانوی کے

نقاد یزید کے بارے میں امداد الفتاویٰ میں طبع شدہ موجود ہیں ان کو دیکھ لیا

جائے وہ یزید کہ فاسق ہی بتاتے ہیں کہ

مطبوعہ استفطارجو "بشارت مغفرت کے

امین حضرت یزید بن معاویہ سے متعلق ایک

غیر مقلد مفتیوں کے فتویٰ کی تنقیح

اہم استفطار اور اس کا جواب" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں مفتی محمد شفیع صاحب

مرحوم کے فتویٰ کے بعد غیر مقلدین کے دو مفتیوں کا فتویٰ بھی یزید کے بارے

میں ان الفاظ میں درج ہے۔

انہ ان دونوں حوالوں کے بارے میں ہم مولانا سید نعل شاہ بخاری عم فیضہم کے ممنون ہیں۔

”الجواب۔ امیر یزید علیہ الرحمۃ کے متعلق علاوہ تاریخی حواجیات کے صحیح بخاری کی حدیث مذکور در سوال میں طور پر یزید کی طہارت اور مغفرت پر دال ہے۔ پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفور فرمائیں اور ہم یزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں۔ بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس میں کفر کی وجہ نہ ہو۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پیشگوئی میں اس کو مغفور فرمائیں یہ کافر فاسق و ناجر کہنے والا خود اس کا مستحق بن رہا ہے۔ ایسے خیالات و نظریات بابت یزید علیہ الرحمۃ رکھنے والے کے پیچھے نماز کی سماعت کہاں؟ واللہ اعلم بالصواب“

مفتیان بالاکلایہ صحیح ہے

ابو الفضل عبدالحمنان

۶۳۱ھ

مولانا

محمد یوسف خاں

مفتی پاکستان کراچی
کلکتہ دالے

نواب صدیق حسن خاں کا فیصلہ یزید کے بارے میں

”صحیح بخاری“ کی حدیث

پر تو تفصیلی بحث گزر چکی اور ان دونوں مفتیوں کا غیر مقلدین میں جو مقام ہے وہ جائیں، ہندوستان میں نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم سے بڑھ کر اہل حدیث میں کوئی کثیر التصانیف نہیں گزرا۔ ان کا جو فیصلہ یزید کے بارے میں ہے وہ ہم اُن کی کتاب ”بغیۃ المرائد فی شرر العقائد“ سے جو ”عقائد نسفیہ“ کی شرح ہے پیش کئے دیتے ہیں۔ اور چونکہ اس کتاب کا املق علم عقائد سے اس لئے اہل حدیث حضرات کو یزید کے بارے میں جو عقیدہ رکھنا چاہئے

نواب صاحب اسی کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

و بعضے براہ غلو و افراط در شان
وے روئے و گویند امارت اور باتفاق
مسلمانان شد و طاعت وے بر
امام حسین رضی اللہ عنہ واجب بود،
و بجا پناہ ازین قول و اعتقاد کہ
وے با وجود امام حسین امام و
امیر شود، و اتفاق مسلمانان
یکجا است، جمعے از صحابہ اولاد
ایشان کہ در زمان آل پلید
بودند انکارش کردند و از طاعت
او بیرون رفتند۔ و بعضے از
اہل مدینہ بعد دریافت حال خلع
بیعت کردند،

وے تارک صلوٰۃ و شارب
خمر و زانی و فاسق و مستحل محارم بود
و بعضے بروے اطلاق لعن کردہ
مثل امام احمد و امثال ایشان
و ابن جوزی لعن وے از سلف
نقل نموده نہ یہ کہ وے وقت
امیر قتل حسین کا فرشد و کسے کہ قتل

اور بعض لوگ یہ دیکے بارے میں غلو و افراط
کا راستہ اختیار کر کے کہتے ہیں کہ اس کو تو مسلمانوں
نے بالاتفاق امیر بنایا تھا لہذا اس کی اطاعت
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب تھی۔ اس بات کے
زبان سے نکالنے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے اللہ
کی پناہ کہ وہ امام حسینؑ کے ہوتے ہوئے امام اور امیر ہو اور
مسلمانوں کا اتفاق کیسا۔ صحابہ کی ایک جماعت اور
ان کی اولاد کہ جو اس پلید کے زمانہ میں تھی ان
سب سے اس کا انکار کیا اور اس کی اطاعت سے
باہر ہو گئے۔ اور اہل مدینہ کے بعض حضرات
کو جب اس کے حال کا پتہ چلا
تو انہوں نے اس کی بیعت
توڑ ڈالی۔

اور وہ تو تارک صلوٰۃ، شارب خمر،
زانی، فاسق اور محرمات کا حلال کرنے والا
تھا۔ اور بعض علما جیسے کہ امام احمد اور
ان جیسے دوسرے بزرگ ہیں اس پر لعنت کو روا رکھتے ہیں
حافظ ابن جوزی نے سلف سے اس پر لعنت کرنے کو نقل
کیا ہے کیونکہ جس وقت اس نے حضرت حسینؑ کے قتل کا حکم دیا
وہ کافر ہو گیا اور جس نے بھی حضرت محمدؐ کو قتل کیا

وے کر دیا اور بدان نمود بر جواز
لعن مے اتفاق کردہ اند تقنازانی
گفتہ حق آنست کہ رضائے بقتل
حسین و استیشار مے بدان و
اہانت نمودن اہل بیت متواتر
المعنی است اگرچہ تفصیلش احاد
باشد فمن لا ینتوقف فی شانہ
بل فی ایمانہ لعنہ اللہ علیہ
و علی انصاریہ و اعوانہ انتھی
و بالجملة و مے مبعوض ترین مردم
است نزد اکثر مردم و کار ہائے
کہ آن بے سعادت درین امت
کردہ از دست ہیج کس ہرگز
نیاید۔

بعد قتل امام حسین لشکر

بتخریب مدینہ منورہ فرستاد و
بقیہ صحابہ و تابعین را امر بتسل
کرد و بالحداد و حریم مکہ و قتل عبداللہ
بن الزبیر پر پرداخت و ہم دریں
حالت ناپسندیدہ از دنیا رفتہ
دیگر احتمال توبہ و رجوع او کجا

یا آپ کے قتل کرنے کا حکم دیا اس پر لعنت کے جواز پر
اتفاق ہے۔ علامہ تقنازانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے
کہ قتل حسین پر مہینہ کی رضا مندی اور اس پر اس کا
خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا یہ متواتر
المعنی ہے گو اس کی تفصیلات کا ثبوت اخبار احاد
سے ہو لہذا ہم اس کے بارے میں تو کیا اس کے ایمان
کے بارے میں بھی توقف سے کام نہیں لیتے۔ اللہ
تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس بابر میں اس کے
اعوان و انصار پر بھی۔ (تقنازانی کا کلام بیان ختم ہو گیا)
بہر حال وہ اکثر لوگوں کے نزدیک نسائوں میں
سیکے زیادہ قابل نفرت ہے اور جو جویرے
کام اس منحوس نے اس امت کے اندر کئے
ہیں وہ ہرگز کسی کے ہاتھوں نہیں ہو سکتے۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے بعد اس
مدینہ منورہ کی تخریب کے لئے لشکر بھیجا اور جو صحابہ و تابعین
وہاں باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور پھر
حریم مکہ کی عزت کو پامال کرتے اور حضرت عبداللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قتل کرنے کے درپے
ہو گیا۔ اور اسی ناپسندیدہ حالت میں دنیا
سے چل بسا اب اس کے توبہ کرنے اور باز آنے کا

است رص ۶ طبع مطبع علوی لکھنؤ احتمال ہی کہاں رہا۔

مسئلہ ۷

علامہ مقبلی کی رائے یزید کے بارے میں

اور علامہ صالح بن مہدی مقبلی کو کبانی نزیل مکہ جن کے مجتہد ہونے کی قاضی شوکانی نے "البدرا الطالع" میں تصریح کی ہے اپنی کتاب "العلم الشائع فی تفضیل الحق علی الآثار والمشاخ" میں رقمطراز ہیں۔

و اعجب من ذلك من
يحيى ليريد المريد الذي
فعل بخيار الامة ما فعل
وهتك مدية الرسول
صلى الله عليه وآله وسلم
وقتل الحسين السبط و
اهل بيته وهتكهم وفعل
مالوا ستمكن من مثل فعله
عدوهم من النصارى وما
كان ارفق منه
ومن جملة المحسنين له
حجة الاسلام الغزالي ولكنه
في تصرفاته كلها كحاطب

اور اس سے بھی عجیب وہ شخص ہے کہ جو یزید
مرید کو اپنا بنا کر پیش کرتا ہے۔ (یہ یزید وہی ہے)
جس نے بزرگان امت کے ساتھ ناگفتہ بہ معاملہ
کیا مدنیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو خفاک
میں ملایا سبط پیہر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اور ان کے اہل بیت کو شہید کیا اور ان کی بے عزتی
کی اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ اگر دشمنان اسلام
نصاری کا بھی ان پر قابو چلتا تو شاید ان کا برتاؤ بھی
ان حضرات کے ساتھ اس سے نرم
ہی ہوتا۔

اور یزید کو اچھا بنا کر پیش کرنے والوں میں حجة
الاسلام غزالی بھی ہیں۔ لیکن وہ اپنی تمام کارگزاریوں
میں حاطب اللیل ررات کے اندھیرے میں

۷ مطبوعہ نسخہ میں المريد کے بجائے المرتد ہے۔ ۷ "مرید" کے معنی سرکش کے ہیں۔

لیل یجمع فی خطبہ الحیة
والعقرب ولا
یدری۔

وما یہون صنم یزید
الا مخذول اور کتہ
الشقاوۃ فی مشارکتہ
بطوامہ المردیات فیاک
والتفریط والافراط
ولکن الصبر عنہما کالقیض
علی الجہر سیما مع تراکوا الجہل
کزمنا ہذا نسأل اللہ
العافیۃ والسلامۃ آمین

ومن غریب الفقہ ما ذکرہ
ابن حجر الہیتمی فی صواعقہ
أنہ لا یجوز لعن یزید و ان
کان یجوز بالاجماع لعن من
شرب الخمر ومن قطع الاہرام
ومن ہتک مدینۃ الرسول
صلی اللہ علیہ وسلم ومن قتل
الحسین او امر بقتلہ اور رضی
بقتلہ۔ قال واما یزید

لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح ہیں کہ جو اپنی
لکڑیوں میں سانپ کچھو بھی جمع کر لیتا ہے اور
اسے کچھ پتہ نہیں چلتا۔

اور یزید کی حرکت کو وہی معمولی سمجھے گا جو
توفیق الہی سے محروم ہو اور جس کو شقاوت نے
گھیر لیا ہو اس طرح وہ بھی اس کے مہلک کمزوریوں
میں اس کا شریک بن گیا۔ لہذا تمہیں تفریط و افراط
سے بچنا چاہیے لیکن اس سلسلہ میں صبر سے کام لینا
ایسا ہی ہے جیسے انگارے کو مٹھی میں پکڑ لینا۔ خصوصاً
جبکہ جہالت امڈی چلی آتی ہو جیسا کہ ہمارے
زمانہ میں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی
کے خواہاں ہیں۔ آمین

اور فقہ کا نزاع مسئلہ جس کو ابن حجر الہیتمی نے
اپنی کتاب "صواعق محرقة" میں بیان کیا ہے
یہ ہے کہ یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں اگرچہ
بالبراع ایسے شخص پر لعنت کرنا جائز ہے جو
مسخوڑ ہو اور جو قطع رحمی کا مرتکب ہو اور جو
مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو پا پا کر
کرے۔ اور جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
قاتل ہو یا ان کے قتل کا حکم دے یا ان کے قتل
سے راضی ہو فرماتے ہیں لیکن خود یزید پر لعنت

بعض فلا دان کان قد فعل هذه الاشياء فهو فاسق قطعاً ونجس
فی فقہہم نحو کلامہ اعوانہ کا
يجوز لعن البعین فہی کلیۃ فیقال
لہو قیاس الدلالة علی فقہکم
هذا ان لا یجد شراب الخمر
المعین والزانی المعین المذنب
ذلك فی جمیع احکام الشریعۃ لان
الطریقۃ واحدة فطرح
ایضاً منطقکم لان هذا مشک
الاولی الضروری مخالفتموہ فاتی
برہان یقام بعدہ وصورۃ :
هذا ایزید شراب
الخمر ، وشراب الخمر
ملعون هذا ایزید
ملعون .

کر سکتے اگرچہ اس نے ان تمام امور کا ارتکاب کیا تھا
اور وہ قطعاً فاسق تھا اور جیسا کہ ان کا بیان ہے
ایسا ہی ہم ان کی فقہ میں پاتے ہیں کہ کسی متعین شخص پر
لعنت کو نازل روا نہیں یہ ان کا کلیہ ہے ، تو ان کی حد
میں عرض ہے کہ تمہاری اس فقہ میں تو قیاس الدلائل
کی بنا پر یوں ہونا چاہیے تھا کہ نہ کسی معین شرابخو
پر لعنت لگائی جاتی اور نہ کسی معین زانی پر اور اسی
طرح اور سارے احکام شرعیہ میں بھی یہی ہونا چاہیے
تھا کیونکہ طریقہ تو ایک ہی ہے ۔

اور اس صورت میں تمہاری منطق بھی ہوا میں اڑ گئی ،
کیونکہ نہ تو منطق کی اس شکل لوں کی خبر جو یہی انتہائی
ہے مخالفت کر رہے ہو ، لہذا اب اس کے بعد اور کوئی نسل
تمہارے سامنے بھیج سکتی ہے کیونکہ قیاس کی شکل لوں
کی صورت یہ ہے (۱) یہ ہے یزید جس نے شراب پی ہے
اور (۲) شراب کا پینے والا ملعون ہے ، (۳) لہذا یہ
یزید ملعون ہے ۔

ولوقالوا ینبغی تحامی ذلک
من باب قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم "لیس المؤمن باللعن" لکان
فیہ مندوحة للمتقین واللہ اعلم
رض ۱۰۹ ص ۱۰۰ طبع مصر ۱۳۲۸ھ

ہاں اگر یہ حضرات یوں کہتے کہ لعنت کرنے سے اس لئے
بچنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد
گرامی ہے "مومن لعنت کا ڈھیر نہیں لگایا کرتا"
تو بیشک اس صورت میں اس فقہ کی کھانسی اس سے
بچنے کی گنجائش ہوتی ، واللہ اعلم

اب لو اب صدیق حسن خاں اور علامہ مقبلی کے مقابلہ میں ان دونوں نام ہنادیغیر
معروف مفتیوں کے فتویٰ کی جو وقعت ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔

یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث | اور صحیح بخاری کی اس حدیث کے بارے
میں جو استناتار میں مذکور ہے ان غیر مستند مفتیوں کا یہ کہنا کہ

”حدیث مذکور در سوال بین طور بہ یزید کی طہارت اور مغفرت پر
وال ہے، پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو مغفور فرمائیں اور ہم یزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں؟“

اور پھر کمر اس بات پر زور دینا اور یہ کہے جانا کہ
”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو پیش گوئی میں اس کو مغفور
فرمائیے۔“

اور اسی طرح مولوی محمد صابر نائب مفتی کا یہ لکھنا کہ
”امیر یزید... از روئے حدیث بخاری شریف مغفور نہیں
داخل ہیں۔“

محسن غلط ہے۔ اگر یہ لوگ خود تحقیق کرتے یا محققین اہل علم سے دریافت کرتے تو ہرگز ایسی
شدید غلطی میں مبتلا نہ ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلا تحقیق ایک غلط
بات کو منسوب کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیتے۔

غور فرمائیے ”صحیح بخاری“ کی جو حدیث استفتاء میں درج ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول میری امت کا پہلا لشکر جو شہر قیصر پر جنگ
جیش من (مفتی) یغزوت من بینہ قیصر کرے گا اس کی بخشش کر دی گئی ہے۔
مغفور لہ۔

اس کے بارے میں پہلے سوال کے جواب میں تفصیل سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ

یزید کی نیت جہاد کی تھی ہی نہیں وہ تو زبردستی باپ کے دباؤ کی وجہ سے غازیان
روم میں شامل ہو گیا تھا ورنہ اسے جہاد کفار سے کیا سروکار۔ آپ یہ بھی پڑھ چکے
ہیں کہ یزید نے جیسے ہی تخت حکومت پر قدم رکھا اپنی چلی ہی تقریر میں بحری اور

سرمائی جہاد کی معطلی کا اعلان کیا۔

یزید کا جزیرہ رودس اور جزیرہ
ارواد سے مجاہدین کو واپس بلا لینا

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت
میں ۳۵ھ میں جزیرہ رودس فتح ہوا اور

وہاں مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی قائم کر دی گئی۔ اس چھاؤنی کی وجہ سے بحر روم میں
عیسائی فوجوں کی نقل و حرکت خطر میں پڑ گئی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ان مجاہدین اسلام کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ہر وقت ان کی مدد پر کمر بستہ رہتے تھے
مگر ان کے نالائق بیٹے نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان مجاہدین کو اس جزیرہ سے
منتقلی کے فوری احکام بھیجے آخر وہ بیچارے پیچھے سے رستہ اور ملک کے منقطع ہو جانے
کے ڈر سے شاہی حکم کے مطابق رودس کو خالی کر کے اپنی زمین جا کدوا، کھیت
اور باغات کو خیر باد کہہ کر بادل ناخواستہ وہاں سے چلے آئے اور یوں بغیر لڑے
بھڑے مفت میں یہ مسلمانوں کا مفتوحہ جزیرہ نصاریٰ کے ہاتھ آ گیا۔

اسی طرح ۳۵ھ بحری میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کے قریب جزیرہ "ارواد" فتح
کیا تھا وہاں بھی مسلمان سات سال تک قابض رہے مگر یزید کو وہاں بھی مسلمانوں کا
قبضہ ایک آنکھ نہ بھایا اور اپنے دور حکومت کے پہلے ہی سال میں مسلمانوں کو وہاں
سے واپسی کا حکم دے کر بلوا لیا۔

ظاہر ہے کہ جب یزید نے بحری جنگ بند کر دی تھی تو وہ ان دونوں جزیروں پر

لے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ از ابن کثیر بسلسلہ واقعات و حوادث ۳۵ھ بحری۔

لے تاریخ طبری بضمن واقعات ۳۵ھ بحری۔

اپنا قبضہ کیسے برقرار رکھ سکتا تھا۔

اس امر پر بھی بحث ہو چکی ہے کہ اس حدیث میں مغفرت سے "مغفرت عام" مراد نہیں ہے۔ کہ سارے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا پروانہ مل گیا ہو، بلکہ تمام اعمال صالحہ میں جہاں مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں بالاتفاق سابقہ سابقہ گناہوں کی مغفرت مراد ہوتی ہے اور وہ بھی عام طور پر صغائر کی مغفرت، کبائر کے لئے تو بہ کی قسرت ہے۔ بغیر توبہ کے معافی لازمی نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت پر معاملہ موقوف رہتا ہے کہ وہ رب کریم چاہے تو اپنے فضل سے معاف کر دے اور چاہے تو ازراہ عدل اس گناہ کی پاداش میں عذاب فرمائے۔

"مدینہ قیصر" سے کیا مراد ہے | اس حدیث میں "مدینہ قیصر" کے جو الفاظ ہیں وہ بھی غور طلب ہیں۔ "مدینہ قیصر" یعنی شہر قیصر کی تعیین کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ اس شہر سے کونسا شہر مراد ہے۔ اس لئے اس کی تعیین میں تین شہروں کا نام لیا جا سکتا ہے۔

(۱) "مدینہ قیصر" سے مراد وہ شہر ہے جہاں قیصر اس وقت مقیم تھا جبکہ زبان رسالت سے یہ الفاظ آواہور ہوئے تھے۔ یعنی "حصص" جو کہ شام کا مشہور شہر ہے۔ اور جو یزید کی پیدائش سے بہت پہلے سلمہ ہجری میں عہد ساز ہوئی ہیں فتح ہو چکا تھا۔ چنانچہ سابق میں گزر چکا ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث میں "مدینہ قیصر" سے "حصص" ہی کو مراد لیا ہے۔

(۲) شہر "رومہ" جو قدیم زمانہ سے قیصرہ روم کا دارالسلطنت چلا آ رہا تھا۔ "رومہ" پر بھی اگرچہ مسلمان حملہ آور ہو چکے ہیں لیکن یہ حملہ یزید کی حیات میں نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس کے مرنے کے بہت بعد کا واقعہ ہے۔

(۳) شہر "قسطنطنیہ" جو قسطنطین اعظم کا پایہ تخت تھا۔

حدیث "مدینہ قیصر" کا مصداق سلطان محمد فاتح | اب اگر "مدینہ قیصر" کو

قسطنطنینیہ کی قرارداد دینے پر اصرار ہے تو انصاف یہ ہے کہ اس بشارت نبوی کا مصداق
 یہ مزید چاہیے نہیں بلکہ سلطان محمد فاتح قسطنطنینیہ علیہ الرحمۃ اور ان کی فوج ظفر موج شہزادی
 وہ بڑا ہندین اسلام ہیں جن کی شمشیر غار اشکات نے عیسائیت کے اس مرکز کو فتح کر کے
 اس کو قلمرو اسلامی میں داخل کیا۔ اور پھر وہ "بغداد" کے بعد صدیوں تک مسلمانوں
 کا دار الخلافہ رہا تا آنکہ مصطفیٰ کمال نے اپنی حراقت سے خلافت ہی کے سلسلہ کو
 ختم کر کے کراخان کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی مرکزیت اور یک جہتی کا
 شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا اور اب شاید امام مہدی کے آنے پر ہی خلافت کا دوبارہ
 قیام عمل میں آئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جن احادیث میں کسی غزوہ پر بشارت آتی ہے اس میں
 عام طور پر فتح و کامرانی ہی مراد ہوتی ہے اس لئے اس حدیث کے صحیح مصداق
 اگر "مدینہ قیصر" سے "قسطنطنینیہ" ہی مراد لیا جائے تو فاسخین قسطنطنینیہ ہی
 ہو سکتے ہیں۔ بھلا یہ اس بشارت کا مصداق کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ وہ تو
 قریش کے ان شریر النفس لوٹروں میں سرفہرست ہے جن کے متعلق زبان رسالت
 سے پیش گوئی کی جا چکی ہے کہ امت کی تباہی ان کے ہاتھوں ہوتی ہے۔

یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ
 حدیث میں اول جیش من امتی (میری امت کا
 پہلا لشکر) کے الفاظ آتے ہیں اور مزید کے زیر کمان جو لشکر "قسطنطنینیہ" کی طرف
 روانہ ہوا تھا۔ وہ "قسطنطنینیہ" پر حملہ آور ہونے والا پہلا لشکر قطعاً نہ تھا۔ بلکہ اس
 سے بہت پہلے اسلامی لشکر "قسطنطنینیہ" پر جا کر جبا و کر چکے تھے۔ مزید کس سلسلہ
 میں "قسطنطنینیہ" پر حملہ آور ہوا اس کے بارے میں اگرچہ مورخین کے بیانات مختلف
 ہیں لیکن سیکڑھجری سے پہلے کوئی مورخ اس واقعہ کو بیان نہیں کرتا۔ "امیدوں کے

شیخ التاریخ محمود احمد عباسی کا بھی "خلافتِ معارف و یرزید" میں یہی بیان ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"سلسلہ" میں حضرت معاویہؓ کے جہادِ قسطنطنیہ کے لئے بڑی اور بھری حملوں کا انتظام کیا۔ بڑی فوج میں شامی عرب تھے، خصوصاً بنو کلب جو امیر یرزید کا نائبیا لی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ حجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا۔ جس میں صحابہ کرام کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المؤمنین کے لائق فرزند امیر یرزید تھے یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارتِ مغفرت دی تھی" (ص ۳۷، طبع چہارم)

اگرچہ خود بدولت نے بھی اسی کتاب میں (ص ۷۹ پر) امیر شکیب ارسلان کی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" کی تعلیقات سے بحوالہ "طبقات ابن سعد" اس غزوہ کی تاریخ ۲۵ھ ہجری ہی نقل کی ہے۔ بہر حال ۲۵ھ سے پہلے قسطنطنیہ کی کسی مہم میں یرزید کی شرکت ثابت نہیں ہے۔

اور کتب حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۵ھ ہجری سے بہت پہلے غازیانِ اسلام قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۰۰ھ "البدایہ" میں مذکور ہے۔

حدیثنا احمد بن عمرو بن السرح نا
عن یزید بن ابی حبیب عن اسمعیل
عموان قال غزوہنا من امانہ یزید
اسلم ابی عمران کا بیان ہے کہ ہم مدینہ نبوی سے جہاد کے
لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت
امیر جیش حضرت عبدالرحمن بن خالد بن الولید رضی
اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ وہی فوج شہرِ قسطنطنیہ پر

القسطنطينية وعلى الجماعة

عبد الرحمن بن خالد بن الوليد

والروم ملصقو ظهورهم بحائط

المدينة فحمل رجل على العدو

فقال الناس ممد لا اله الا

الله يلقي بيديه الى التهلكة

فقال ابو ايوب انما انزلت

هذه الآية فيما معاشر

الانصار لما نصر الله نبيه

صلى الله عليه وسلم واظهر

الاسلام قلنا هلم نقيم في

اموالنا ونصلحها فانزل الله

عز وجل وَانْفِقُوا فِي سَبِيلِ

الله وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى

التَّهْلُكَةِ فَلَا لِقَاءَ بَائِدَيْنَا

إِلَى التَّهْلُكَةِ إِنْ نَقِمَ فِي

اموالنا ونصلحها ونذكر الجهاد

قل ابو عمران فلم يزل

ابو ايوب يجاهد في سبيل الله

عز وجل حتى دق بالقسطنطينية

باب في قوله عز وجل وَانْفِقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

پشت لگائے مسلمانوں سے آمادہ پیکار تھی۔ اسی اشارہ میں

مسلمانوں کی صف میں سے نکل کر ایک شخص نے دشمن

رک فوج پر حملہ کر دیا۔ لوگ کہتے رہے ”رکوز کو لا اله الا اللہ

یہ شخص تو خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال

رہا ہے“ یہ سن کر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہم انصاریوں کے بارے

میں اتوری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے اپنے

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور اسلام کو

غلبہ نصیب فرمایا تو ہم نے کہا تھا کہ اب تو ہم کو مدینہ میں بکھر

اپنے اموال کی خبر گیری اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ

دینا چاہیے۔ اس پر اللہ عز وجل نے یہ آیت شریفہ نازل

فرمائی وَانْفِقُوا فِي سَبِيلِ الله لَا يَبْرَأَ الله تعالیٰ کی

راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

لہذا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تو جہاد کو چھوڑ کر

ہمارے اپنے اموال کی خبر گیری اور اس کی اصلاح

کے خال سے اپنے گھر میں بیٹھ رہنا

تھا۔

ابو عمران کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل راہ خدا میں جہاد ہی کرتے

رہے تا آنکہ آپ دین بھی قسطنطنیہ ہی میں ہوئے۔

اور اسی غزوہ کا وہ واقعہ ہے جس کو امام ابو داؤد ہی نے "کتاب السنن" کے "باب فی قتل" الاسیر بالنبل میں بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

حدیثنا سعید بن منصور ثنا
عبد اللہ بن وہب قال أخبرنی
عمرو بن الحارث عن بکیر بن
الأشج عن ابن تعلی قال غزونا
مع عبد الرحمن بن خالد بن
الولید فأتی باریجة أعلیج
من العدو فأمر بهو فقتلوا
صبراً قال ابو داؤد قال لنا
غیر سعید عن ابن وهب فی هذا
الحديث قال بالنبل صبراً
فیبلغ ذلك آیا ایوب الانصاری
فقال سمعت رسول الله صلی
الله علیه وسلم یحیی عن قتل الصبر
قوالذی نفسی بیده لو کان
دجاجة ما صبر لها
فیبلغ ذلك عبد الرحمن بن
خالد بن الولید فأتی
أربع سقات

ابن تعلی کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبد الرحمن بن خالد
بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ جہاد میں
شریک تھے (اسی مہم میں) ان کے سامنے دشمن
کے چار ہیٹے کئے شخص پیش کئے گئے جن کے قتل
کرنے کا انہوں نے حکم دیا۔ اور عیسیٰ حکم میں ان کو
باندھ کر قتل کروا ڈالا۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ہم
سے ہمارے استاذ سعید بن منصور کے علاوہ ایک دوسرے
صاحب نے ابن وہب سے اس حدیث میں یوں
نقل کیا ہے کہ ان چاروں کو باندھ کر تیروں کا ہڈ
بنایا گیا تھا جب اس امر کی خبر حضرت ابوالیوب
انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے
کہ آپ اس طرح باندھ کر قتل کرنے سے منع فرماتے
تھے پس قسم ہے اس ذات عالی کی کہ جس کے قبضہ
تقدیرت میں میری جان ہے اگر کوئی مرغی بھی ہو تو
میں اس کا اس طرح باندھ کر نشاء نہ لوں۔ پھر آپ کے
اس فرمانے کی اطلاع جب حضرت عبد الرحمن بن خالد
بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پہنچی تو انھوں نے
اس کے قتلے میں چار غلام آزاد کئے۔

حضرت عبدالرحمن بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بعض محدثین نے صغار صحابہ میں ذکر کیا ہے یہ بھی اپنے والد بزرگوار حضرت سیف اللہ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح شجاع و دلیر تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ فی تہذیب الصحابہ" میں ان کا مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ

انحرج ابن عسا کو من طرق کثیرۃ
حافظ ابن عسا کرنے بہت سی سڑوں سے نقل کیا کہ حضرت معاذ یہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں ان کو رد میوں سے جنگیں
لڑی حاتی تھیں ان میں امیر بنایا جاتا تھا۔

الروم ابام معادیۃ
امام ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں سلسلہ اور سلسلہ کے واقعات کے ضمن
میں اور حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں سلسلہ اور سلسلہ ہجری کے واقعات کے
ذیل میں بلاد روم میں ان کی زیر اثر دوسری مسلمانوں کے سرمایہ جہاد کا ذکر کیا ہے افسوس
ہے کہ سلسلہ ہجری ہی میں ان کو حص میں نہ ہر دے کر شہید کر دیا گیا تھا یہ اپنے غزوات و
جہاد کی وجہ سے شامی مسلمانوں میں بڑے محبوب و با اثر تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یزید کو
۹۰ سلسلہ ہجری یا اس کے بھی کسی سال بعد ۵۵۵ یا ۵۵۶ء میں قسطنطینیہ کی مہم پر روانہ
ہوا تھا۔ اور یہ اس سے برسوں پہلے قسطنطینیہ کی شہر پناہ پر جنگ کو چکے ہیں۔ سر دست
ہم "غزوہ قسطنطینیہ" کے سلسلہ میں اسی قدر بحث پر اکتفا کرتے ہیں۔ زندگی بخیر
رہی اور حق تعالیٰ نے توفیق دی تو تفصیلی بحث اس حدیث پر انشاء اللہ
آپ ہماری کتاب "یزید کی شکل و صورت حدیثوں کے آئینے میں" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔
یہ بھی یاد رہے کہ شارح بخاری مہلب المتوفی ۳۸۰ھ جنھوں نے سب سے پہلے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ
حدیث بخاری سے یزید کی منقبت نکلتی ہے۔ اندس میں مالقہ کے قاضی تھے اور اندلس میں اس
زمرے میں خلفاء بنی امیہ کا آخری تاجدار ہشام بن محمد المعتمد علی اللہ فرمانروا تھا۔ اس لئے موصوف
کی یہ ساری کارگزاری جیسا کہ محدث قسطلانی نے شرح بخاری (صفحہ ۱۰) میں تصریح کی ہے بنی امیہ
کی حیثیت میں تھی۔

یزید کا عقیدہ اور علی دونوں خراب تھے | خلاصہ بحث یہ ہے کہ یزید علی اہل سنت جماعت کی تحقیق کے مطابق عقیدہ اور علی دونوں کے اعتبار سے تھا خراب آدمی تھا اس کے عقیدہ میں دو خرابیاں تھیں۔

(۱) "ناصبیت" یعنی حضرت علیؑ اور حضرات حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عداوت۔ چنانچہ حضرت نالوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یزید کے بارے میں تصریح ہے کہ "ازرقہ سارے نواصب است" اے اور مورخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ میرا اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں۔

یزید بن معاویہ کان ناصباً فظاً غلیظاً یزید بن معاویہ ناصبی تھا سنگدل بد زبان جلفاً یتناول المسکر و یفعل المنکر افتخروا بقتل الشہید الحسین رضی اللہ عنہ و اختتموا بوقعة الحرة فمقتة النہا و لو ببارک فی عمرہ و خرج علیہ علی و احد بعد الحسین رضی اللہ عنہ کا اہل المدینہ اللہ (الروض الباسم فی الذب عن سنیہ ابی القاسم ج ۲ ص ۳۶ طبع منیریہ مصر) اہل مدینہ نے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) غلیظ جفاکار سے نوش ابدکار۔ اس نے اپنی حکومت کا افتتاح حسین شہید رضی اللہ عنہ کے قتل سے کیا اور اختتام و اتم حرقہ کے قتل عام اپر اسی گلوگوں نے اس پر پھٹکا بھیجی اور اس کی عمر میں برکت نہ ہو سکی حضرت حسینؑ کے بعد بہت سے حضرات اس کے خلاف محض اللہ رضی اللہ عنہ خدج کیا جیسے کہ حضرات

(۲) "ارجاء" یعنی "ناجی" ہونے کے ساتھ "مرجی" بھی تھا چنانچہ سوال اول کے جواب میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح اس کے بارے میں گزر چکی ہے اور "ارجاء" کی تفصیل بھی وہیں مذکور ہے۔ اور رہی اس کی بد عملی سو اس کے اعمال قبیحہ اور حرکات شنیعہ کی تفصیل سے اس مقالہ کے ادراک پر ہیں بخود ہی موج لیجئے کہ ایسے نابکار و نالائق شخص کی محبت کا دم بھرنا اور اس کے گنا گنا کیا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے؟

حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ یزید سے محبت کے بارے میں

وَمَا تَزَكَّ عِبْتَهُ فَلَا نِلْمَ لَهَا
الْحَاسَّةُ أَنَّمَا تَكُونُ لِلنَّبِيِّينَ
وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ
وَلَيْسَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ وَقَدْ تَأَلَّى
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْمَرْغُوعَ مِنْ أَحَبِّ
وَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
لَا يَخْتَارُ أَنْ يَكُونَ مَعَ
يَزِيدٍ وَلَا مَعَ أَهْلِهِ مِنْ
الْمُلُوكِ الَّذِينَ لِيَسُوَ الْعَادِلِينَ
(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ)

ج ۳ ص ۱۸۴

وافض نواصب دونوں راہ ہدایت سے دور ہیں

کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

اصحابی کا لجزم باہم اقدیم
اھتدیتہم رداہ رزینہ

حافظ ابن تیمیہ نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ
یزید سے محبت نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ
محبت فاسق کراخیار صدیقین و شہداء و
صالحین سے رکھی جاتی ہے اور یزید کا شمار
ان میں سے کسی زمرہ میں بھی نہیں
علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ انسان کا حشر ان
ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی
اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت
پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند ہی
نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا
اس جیسے بارشماروں کے ساتھ ہو جو عادل
نہیں تھے۔

ایضاً ہم اہم اتنا اور عرف کرید گے کہ
احادیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ
علیہم اجمعین کو لجزم ہدایت بتایا

بہر صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی
اتھا کر دے ہدایت پاؤ گے۔ اس راہ

کو دزین نے نقل کیا ہے۔

(مشکوٰۃ باب مناقب الصحابة)

(الفصل الثالث)

اور اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کشتی نوح سے تشبیہ دی گئی ہے

کہ جو اس میں سوار ہوگا بجز ضلالت میں غرق ہونے سے بچے گا ارشاد ہے کہ

یا در کھو میرے اہل بیت کی مثال تمہارے

الا ان مثل اهل بیته فیکم

لیئے ایسی ہی ہے جیسے حضرت نوح علیہ

مثل سفینة نوح من رکبها

السلام کی کشتی تھی کہ جو اس میں سوار

نجاة و من تخلف عنها

ہوا اُس نے نجات پائی اور جو اس میں

هذک رواک احمد اشکوٰۃ

سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا

باب مناقب اهل بیت النبى

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے

صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الثالث

مطلب صاف ہے جو لوگ "سفینہ اہل بیت" سے دور رہے جیسے خوارج اور

نواصب کہ "اہل بیت" کے دشمن ہیں ان کو کافر کہتے اور ان سے بغض و عناد رکھتے

ہیں وہ آول رطبہ ہی میں غرق در یائے ضلالت ہوئے اور جو کشتی میں تو سوار ہوئے

مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ضیا پاشی سے کہہ بخیر ہدایت ہیں انہوں نے رہنمائی حاصل

نہ کی جیسے رافضی ہیں تو اندھیرے اور تاریکی کی وجہ سے عین مچھل میں جا کر ان کی

کشتی بجز ضلالت میں غرقاب ہوئی اور اہل سنت و جماعت امام فخر الدین رازی کے

الفاظ میں

ہم گروہ "اہل سنت" بحمد اللہ محبت اہل

نحن معاشر اهل السنة

بیت کے سفینہ میں سوار ہیں اور اصحاب

بحمد الله رکبنا سفینة

بنی اہل بیت علیہ وسلم کے خیم ہدایت سے

محبة اهل البيت را هتدینا

رہنمائی حاصل کرتے ہیں اس لئے امیدوار

بنجہم هدی اصحاب النبى صلی

اللہ علیہ وسلم فنخرجوا الجنة
من احوال القيامة وشرکات
الحجیم والهدایہ الی ما یوجب
درجات الجنان والنعیم المقیم
ہیں کرتیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے
طبقات سے ہمیں نجات ملے گی اور وہ
ہدایت ہمیں عطا ہوگی جو جنت کے
درجات اور دائمی نعمت کو واجب
کرتی ہے۔

محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرتبہ شرح مشکوٰۃ میں حدیث سفینہ نوح
کی شرح میں امام برازی کی تفسیر کبیر سے ان کی یہ عبارت نقل کی ہے یزید پلیدی نے نہ
اہل بیت نبوی کی لاج رکھی نہ صحابہ کرام کی اس لیے اب جہاں سنت کے زمرہ سے
خارج ہو کر لواصب کے گردہ شہادت پردہ میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ شوق سے
یزید پر اپنی جان بچھا دے کرے اپنا مال نثار کرے اور اس کی مداحی کو اپنا شعار بنائے۔
ان ساری تفصیلات سے اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ سائل
نے استفتائیں جو بارہ سوالات قائم کیے ہیں وہ سب راہی تباہی شبہات پر مبنی
ہیں۔ واقعہ میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور ان سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی توہین زندہ لیں اور تمحیص و تجلیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔ اس لیے ایسے امور کو حقانی
بار کرنے والا پکنا مافی فاسق اور بدعتی ہے اور اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور
واجب التقریر ہے ایسا شخصیت نہ امامت کے لائق ہے نہ خطاب کے اس کے پیچھے
نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعارہ ہے۔

واللہ اعلم بالصواب والحمد للہ اولاً و آخراً

کتبہ الفقیر الی اللہ تعالیٰ محمد عبد الرشید النعمانی غفر اللہ ذنوبہ

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ

خلافت اور ملوکیت کے بارے میں فکر اسلامی کے دھارے کو بدلنے کی کوشش

اہل سنت کیلئے لمحہ فکریہ

حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۵۰۶ھ نے شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حادثہ کربلا، واقعہ حرہ، حصار کعبہ و قتل ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان چاروں جان گسل واقعات کو اسلام کے چار رخنوں سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرکز کا احترام ختم ہوا، اور خلافت کا رعب داب اُٹ گیا، حادثہ کربلا سے آل رسول علی اللہ علیہ وسلم کی عزت خاک میں ملی، واقعہ حرہ سے ”مدینۃ الرسول“ کی بے حرمتی ہوئی، قتل ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے کعبہ کی عزت کو داغ لگا۔ غرض ان چاروں ہنگاموں میں ناحق کوششوں، نئے دہ قیامت برپا کی کہ خدا کی پناہ، خلیفۃ الرسول، عترت پیغمبر اور اصحاب نبی سب کا بے دریغ خون بہایا۔ اور حرم نبی، خانہ کعبہ جملہ شعائر اسلام کی عظمت کا ذرہ برابر پاس لگا نہیں کیا۔

ان چاروں حادثات کے بارے میں ماصبیوں کا موقف یہ ہے کہ وہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے ہیں اور حادثہ کربلا کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اور واقعہ حرہ کا ان صحابہ کرام کو جنہوں نے یزید کی اطاعت سے انحراف کیا تھا اور حصار کعبہ کا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے امداد خلافت کو، شیعہ مروانیہ کا ایمان و عقیدہ ہی ہے۔ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہیں بلکہ خلافت کے غاصب تھے اور مسلمانوں

کے خون سے ہولی کھیلنے والے، حضرت حسینؑ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جو حادثہ حرہ اور حصار کعبہ کے خونی ہنگاموں میں ینید اور عبدالملک بن مروان کی تیغ مستم کا نشانہ بنے شہید نہیں۔ بلکہ خلافت کے باغی تھے جو اپنی بغاوت کی پاداش میں کیفر کردار کو پہنچے۔ شیعہ مردانہ کا یہ نظریہ مردانیوں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ لیکن محمود احمد عباسی نے کتاب "خلافت معاویہ ویزید" لکھ کر اس فتنہ کو پھرنے سے سرے سے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب سبھی اور مقلد صدیقی نے اس فتنہ کو ہوا دی ہے اس کتاب کے شائع ہونے سے ملک میں ایک تازہ فتنہ "ناصبیت" کا پیدا ہو گیا ہے جس سے اب تک ہندو پاک کی سرزمین یکسر پاک تھی، اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملک کا اچھا خاصہ سنجیدہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس فتنہ کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا، اور اب تو بہت سے عقول میں اس کو ایک تاریخی ریسرچ کا درجہ حاصل ہے۔

یہ کتاب سراسر فریب، خداع، تبلیغ اور کذب و افتراء کا مرقعہ ہے۔ اس نام نہاد تازہ نگاری ریسرچ کے چار نتائج ہیں۔

(۱) مستشرقین کی تصریحات، جن کو مولف جا بجا آزاد اور بے لاگ محققین کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اور ہر باب میں ان کے اقوال کو تول فیصل سمجھتے ہیں۔

(۲) شیعہ مورخین جن کے کذب و افتراء کا جا بجا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود مولف ہر جگہ ان سے اپنے مطلب کی بات کہیں ان کی عبارت میں قطع و سرید کر کے اور کہیں بغیر اس کے ہی لے لیتے ہیں۔

(۳) بعض وہ مصنفین جن پر ناصبیت کا الزام ہے اور وہ اہل بیت سے خوف رکھتے ہیں

خلافت راشدہ کے بعد ملکویت کا دور شروع ہوا اور ”خلافت علی منہاج السنہ“ باقی
نہیں رہی۔ گاڑی کو صحیح پٹری پر ڈالنے کی جو کوششیں کی گئیں اسلاف کے
مذہب کی وہ کوششیں صحیح تھیں۔ ائمہ اربعہ سے لے کر شاہ عبدالعزیز محدث
دہلوی اور شاہ ولی اللہ تک سب کا مسلک یہی رہا ہے۔ اسی متفقہ موقف کی
حمایت اور فکری شہرت و ذوالخرف پر علمی نقد اس کتاب کا موضوع ہے۔